حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کی حالاتِ زندگی پر خوبصورت کتاب

سیرت

حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ

تالیف

مولانا ڈاکٹر محمد عاصم اعظمی

ایم اے۔ ایم۔ ٹی۔ ایچ۔ پی۔ ایچ۔ ڈی

انس پبلیکیشنز لاہور

حضرت امام احمد بن حنبلؒ کی حالاتِ زندگی پر خوبصورت کتاب

سیرت

حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ

تالیف

مولانا ڈاکٹر محمد عاصم اعظمی

ایم اے، ایم۔ ٹی۔ ایچ، پی۔ ایچ۔ ڈی

انس پبلیکیشنز

40-اُردو بازار، لاہور

Mob: 0300-8852283

کتاب	:	حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ
مولف	:	مولانا ڈاکٹر محمد عاصم اعظمی
		ایم۔اے،ایم۔ٹی۔ایچ،پی۔ایچ۔ڈی
پروف ریڈنگ	:	مولوی نعیم الاسلام قادری شمسی، مولوی محمد عثمان شمسی
		مولوی محمد حسان شمسی، مولوی محمد احسان شمسی
سن اشاعت	:	۲۰۱۵ء
تعداد	:	۶۰۰
صفحات	:	
ناشر	:	محمد اکبر قادری
قیمت	:	180/-

انس پبلیکیشنز
40-اُردو بازار، لاہور
Mob: 0300-8852283

فہرست

نقوشِ حیات

خاندان

امام احمد بن حنبل خالص عرب تھے، ان کا نسبی تعلق عرب کے مشہور قبیلہ شیبان سے تھا، جو نزار بن معد بن عدنان کے واسطہ سے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے شجرہ نسب سے ملتا ہے، یہ قبیلہ اپنی بہادری و جانبازی، شجاعت و بسالت کے لیے پورے عرب میں مشہور تھا، عہد جاہلیت اور عہد اسلام دونوں میں کثرت اور عظمت و وقار کے لحاظ سے نمایاں رہا، بصرہ اور اس کے صحراؤں میں قبیلہ شیبان کے پڑاؤ تھے، دور جاہلیت میں ان لوگوں کی سکونت عراق کے قرب و جوار میں تھی، حضرت عمر بن خطاب کے حکم سے عتبہ بن غزوان رضی اللہ عنہ نے ۱۴ھ میں شہر بصرہ آباد کیا جو ابتدا میں فوجی چھاؤنی کی حیثیت رکھتا تھا، جہاں مختلف عرب قبائل بکثرت آباد ہوئے، ان میں بنی شیبان بن ذہل کی ایک شاخ مازن بھی تھی، جس سے امام احمد بن حنبل کا نسبی و خاندانی تعلق تھا، روایت ہے کہ امام احمد بن حنبل جب بصرہ تشریف لاتے تھے، تو قبیلہ مازن کی مسجد میں نماز پڑھتے تھے، حضرت امام سے اس بارے میں سوال کیا گیا تو فرمایا، یہ میری آبائی مسجد ہے۔

حضرت امام احمد بن حنبل کا خاندان (باپ اور ماں دونوں طرف سے) اس شہر میں آ کر بس گیا تھا، آپ کے جد اعلیٰ عبدالملک بن سوادہ بن ہند کا شمار بنو شیبان کے سربرآوردہ لوگوں میں ہوتا تھا، عرب قبائل ان کے پاس آ کر ٹھہرتے تھے اور وہ بڑی سیر چشمی اور اولوالعزمی سے فرائض میزبانی انجام دیتے تھے:

كانت اسرة احمد واسرة امه تنزل بتلك المدينة وباوديتها اذكان جدها عبدالملك بن سوادة بن هند من وجوه بني شيبان ينزل عليه قبائل العرب فيضيفهم ۔

(ابن حنبل ص ۱۶)

حضرت امام احمد کا خاندان اگرچہ بصرہ میں سکونت گزیں ہو گیا تھا، مگر اس کے افراد دوسرے بلاد وامصار میں بھی منتقل ہوتے رہے، چنانچہ آپ کے دادا حنبل بن بلال نے خراسان میں بودوباش اختیار کر لی اور اپنی شجاعت اور سیاسی بصیرت کی بنا پر ترقی کرتے کرتے امویوں کے عہد میں سرخس کے گورنر ہو گئے، جب عباسی تحریک سرگرم ہوئی، تو آپ اس کے پرجوش حامی بن گئے جس کی بنا پر آپ کو اذیتیں جھیلنی پڑیں:

وكان واليا على سرخس فى العهد الاموى ولما لاحت عاو ن دعاتها وانتضم الى صفوفهم حتى اوذى فى هذاالسبيل ۔ (مناقب لابن الجوزى ص ۲۱)

امام احمد کے والد بزرگوار محمد بن حنبل سپاہی پیشہ انسان تھے، عربوں کے نزدیک صاحب سیف وتبر ہونا فضیلت کی بات تھی، ابن جوزی کہتے ہیں:

كان ابوه فى زى الغزاة

آپ کے والد سپاہانہ لباس میں ملبوس رہتے۔

اصمعی کہتے ہیں:

ابو عبدالله احمد بن حنبل كان ابوه قائدا (مناقب لابن الجوزی ص ۴۲)

ابوعبداللہ احمد بن حنبل کے والد فوج میں کمانڈر تھے۔

ابواحمد سپاہیانہ لباس میں ہوں یا فوجی دستہ کے کمانڈر دونوں صورتوں میں ان کا

عسکری ہونا ثابت ہوتا ہے، جب کہ شرفائے عرب صنعت وحرفت اور کاشتکاری کی بہ نسبت سپاہیانہ زندگی کو ترجیح دیتے تھے۔

عباسی تحریک سے امام احمد کے خاندان کا گہرا لگاؤ تھا، مگر جب عباسیوں کا اقتدار قائم ہوا، تو اس خاندان کو گورنری یا حکومت کے اونچے عہدے نہیں ملے، تاہم اس خاندان کا رابطہ عباسی خلفا سے قائم رہا، جب عباسی خلیفہ بغداد سے باہر ہوتے تو آپ کے چچا بغداد کے حالات عمال کو بتاتے، تاکہ وہ خلیفہ تک پہنچادیں، لیکن امام احمد ان باتوں میں ہرگز دلچسپی نہ لیتے، ایک بار ایسا ہوا کہ خلیفہ مقام رقہ میں مقیم تھا، داؤد بن بسطام نے امام احمد کے چچا کی طرف مخاطب ہوکر کہا، ہمیں آج کی خبریں نہیں ملیں، حالاں کہ میری خواہش ہے کہ انہیں امیر المومنین کی خدمت لکھ بھیجوں، امام احمد کے چچا نے یہ سن کر کہا، خبریں تو میں نے اپنے بھتیجے احمد کے ہاتھ آپ کے پاس بھیج دی تھیں، اب امام احمد داؤد بن بسطام کی خدمت میں حاضر کیے گئے، وہ ابھی بالکل نوعمر اور کم سن تھے، چچا نے پوچھا، کیا میں نے تمہارے ہاتھ خبریں نہیں بھیجی تھیں، کہ والی تک پہنچادو، امام احمد نے جواب دیا، ہاں! دی تو تھیں، چچا نے پوچھا، پھر تم نے وہ خبریں پہنچائی کیوں نہیں؟، امام احمد نے فوراً کہا، میں نے انہیں پانی میں پھینک دیا تھا، والی یہ سن کر افسوس کرنے لگا، اس نے کہا:

هذا غلام يتورع فكيف نحن (مناقب لابن الجوزی ص ۴۵)

یہ صاحب ورع لڑکا ہے، ہم اس کے ساتھ کوئی سختی نہیں کرسکتے۔

امام احمد خلفا، امرا سے کسی قسم کے تعلق کو بچپن ہی سے ناپسند کرتے تھے اور یہ شان استغنا دم آخر تک قائم رہی۔

امام ابن حنبل کے نانا کا شمار بنو شیبان کے ممتاز لوگوں میں ہوتا تھا، وہ نہایت کریم الطبع، سخی اور فراخ حوصلہ بزرگ تھے، عربوں کے لیے ان کے گھر کا دروازہ ہمیشہ کھلا رہتا تھا، عرب قبائل ان کے مہمان ہوا کرتے تھے، وہ نہایت خوشی اور سیر چشمی کے ساتھ ان کی

ضیافت کیا کرتے تھے۔

امام احمد بن حنبل کو دادیہال اور نانیہال سے شجاعت، حق پرستی، حق گوئی اور خصائل حمیدہ وراثت میں حاصل ہوئے تھے، عزت نفس، قوت وعزم، صبر وتحمل، مکارہ اور مصائب کوانگیز کرنے کی عادت انہیں اپنے خاندان سے ملی تھی، ان کا ایمان راسخ اور قوی تھا، جب بھی آفات وابتلا کا نزول ہوتا تو ان کی یہ خصوصیتیں مزید ابھر جاتی تھیں۔

نام ونسب

آپ کی کنیت ابوعبداللہ، نام احمد، سلسلہ نسب یہ ہے:

احمد بن محمد بن حنبل بن ہلال بن اسد بن ادریس بن عبداللہ بن عبداللہ بن انس بن عوف بن قاسط بن مازن بن شیبان بن ذہل بن ثعلبہ بن عکابہ صعب بن علی بن بکر بن وائل بن قاسط بن ہنب بن افصی بن دعمی بن جدیلہ بن اسد بن ربیعہ بن نزار بن معد بن عدنان الشیبانی المروزی الاصیل۔ (وفیات الاعیان ج ا ص ۴۰)

ابن جوزی نے مناقب میں عدنان کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام تک سلسلہ نسب اس طرح پہنچایا ہے

عدنان بن اد بن اود بن الھمیسع بن حمل بن النبت بن قیذار بن اسماعیل بن ابراہیم الخلیل علیہ السلام (مناقب لابن الجوزی ص ۳۸)

ابن خلکان لکھتے ہیں، بعض لوگوں کا قول ہے کہ ابن حنبل بنی مازن بن ذہل بن شیبان بن ثعلبہ بن عکابہ سے تعلق رکھتے ہیں، جب کہ یہ غلط ہے:

لانہ من بنی شیبان بن ذھل لا ذھل بن شیبان و ذھل بن ثعلبة المذکور ھو عم ذھل بن شیبان ۔ (ایضا)

ولادت

امام احمد کے والدین مرو سے بغداد منتقل ہوئے تو آپ شکم مادر میں تھے، پھر بغداد آئے یہیں ربیع الاول ۱۶۴ھ میں آپ پیدا ہوئے۔ امام صاحب خود کہتے ہیں:

ولدت فی ربیع الاول سنة اربع وستین ومأة ۔

(تاریخ ذہبی ج ا ص ۶۳)

بعض تذکرہ نگاروں نے کہا ہے، کہ آپ کی ولادت مرو ہی میں ہوئی تھی اور شیر خوارگی کے دور میں بغداد آئے۔

یتیمی

امام صاحب بچے ہی تھے، کہ والد کا سایہ سر سے اٹھ گیا، جیسا کہ خود فرماتے ہیں:

ویذکر انه لم یر اباه ولا جده (ابن حنبل ص ۱۷)

وہ بیان کرتے ہیں، کہ انہوں نے نہ اپنے والد کو دیکھا اور نہ دادا کو۔

مشہور ہے، کہ امام صاحب کے والد نے ۳۰ رسال کی عمر میں وفات پائی، جب کہ آپ شیر خوار بچے تھے، اس در یتیم کی پرورش ان کی بلند حوصلہ والدہ نے فرمائی۔ صالح بن احمد کہتے ہیں:

وجیء بابی حمل من مرو فتوفی ابوه محمد شابا ابن ثلاثین سنة فولیت ابی امه ۔ (تاریخ ذہبی ج ا ص ۶۴)

میرے والد بزرگوار مرو سے لائے گئے ان کے باپ محمد جوانی ہی میں تیس سال کی عمر میں وفات پا گئے، تو ان کی والدہ نے ان کی سرپرستی کی۔

والدہ نے عسرت و تنگ دستی کے باوجود ان کی تعلیم و تربیت کے لیے کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا تھا، امام صاحب بھی اپنی مشفق والدہ سے حد درجہ ارادت واحترام کا برتاؤ کرتے اور ان کے حکم سے سرتابی نہ کرتے، ۱۸۶ھ میں دریائے دجلہ میں زبردست سیلاب آیا تھا، اس وقت امام صاحب کی عمر بائیس سال تھی ان ہی ایام میں ملک رے کے محمد جزیر بن عبدالحمید بغداد آئے، امام صاحب کے ساتھی حدیث کی روایت کے لیے اس سیلاب میں ان کے یہاں پہنچے مگر امام صاحب اس لیے نہ جا سکے کہ والدہ نے اجازت نہیں دی۔

اسی طرح جب امام صاحب صبح کو اندھیرے میں کسی محدث کے یہاں جانا چاہتے تھے، والدہ محترمہ غایت شفقت و محبت کی وجہ سے جانے نہیں دیتی تھیں، خود بیان کرتے ہیں:

کنت ربما اردت البکور فی الحدیث فتاخذ امی بثیابی وتقول حتی یوذن الناس او حتی یصبحوا و کنت ربما بکرت فی مجلس ابی بکر بن عیاش وغیرہ۔

(مناقب الامام احمد ص ۵۰)

بسا اوقات میں منہ اندھیرے طلب حدیث کے لیے جانا چاہتا تھا، مگر میری ماں میرے کپڑے پکڑ کر کہتی تھی، کہ صبح ہونے دو اس کے باوجود میں بسا اوقات منہ اندھیرے ہی ابوبکر بن عیاش کی مجلس درس میں پہنچ جاتا تھا۔

ان روایتوں کی روشنی میں واضح ہوتا ہے، کہ امام صاحب کی والدہ ماجدہ زیادہ دنوں تک زندہ رہیں اور ہونہار فرزند کی تعلیم و تربیت پورے انہماک کے ساتھ جاری رکھی۔

ابتدائی تعلیم

امام صاحب جب نوشت و خواند کے قابل ہوئے تو شفیق والدہ نے انہیں مکتب میں بٹھادیا، اسی زمانہ میں آپ کی ذہانت و ذکاوت، نیک نفسی اور عظمت کردار کا شہرہ ہونے لگا تھا، ابوعفیف راوی کا بیان ہے:

کان فی الکتاب معنا وھو غلیم ونعرف فضلہ۔

احمد بن حنبل مکتب میں ہمارے ساتھ تھے، وہ اس وقت بہت چھوٹے تھے، اور ہم طلبہ ان کی بزرگی سے واقف تھے۔

ابوسراج کا بیان ہے، کہ میرے والد احمد بن حنبل کے حسن سیرت اور شرافت پر

تعجب کر کے کہتے تھے کہ میں اپنے بچوں کی تعلیم و تربیت پر بہت دولت خرچ کرتا ہوں، ان کے لیے معلم و مودب مقرر کرتا ہوں تا کہ وہ علم و فن حاصل کریں، مگر ان کو کامیاب نہیں پا رہا ہوں اور یہ احمد بن حنبل یتیم لڑکا ہے، دیکھو کیسا اچھا چل رہا ہے۔

طلب حدیث اور علمی اسفار

امام احمد کا عنفوان شباب تھا، مکتب کی تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد حدیث وفقہ کی تعلیم کا آغاز کیا اور سب سے پہلے قاضی ابو یوسف کے حلقہ درس میں زانوے تلمذ تہہ کیا، خود فرماتے ہیں:

اول من کتبت عنه الحدیث ابو یوسف۔

(مناقب الامام لابن الجوزی ص ۴۶)

میں نے سب سے پہلے امام ابو یوسف سے حدیثیں لکھیں۔

بغداد کے اندر طلب حدیث وفقہ کے لیے انہوں نے ایک مدت بسر کی، ۱۷۹ھ میں انہوں نے باقاعدہ طلب حدیث کا آغاز کیا اور ایک عرصہ دراز (۱۸۶ھ) تک یہ سلسلہ جاری رہا، وہ جو کچھ سنتے اسے قلم بند بھی کر لیتے، سات سال کی اس مدت میں امام صاحب بغداد سے باہر تشریف نہیں لے گئے، اس زمانے میں شیوخ وعلماے بغداد سے کسب فیض کرتے رہے، مختلف فقہی مسائل و امور و معاملات کے سلسلے میں فتاواے ماثورہ اور صحابہ و تابعین کے فیصلے از بر کرتے رہے، یہ مدت انہوں نے اس طرح نہیں گزاری کہ کبھی اس عالم کے دروازے پر دستک دی ہو، کبھی دوسرے کے حلقہ درس میں شامل ہو گئے ہوں، بلکہ ان کا معمول اور طریقہ یہ رہا، کہ علما میں سے کسی ایک عالم کو انہوں نے چن لیا اور ایک مدت تک خواہ وہ طویل ہو یا قصیر اس سے کسب فیض کرتے رہے، یہاں تک کہ اس سے تمام کام کی باتیں حاصل کر لیں، مثال کے طور پر بغداد کے نامور امام حدیث ہشیم بن بشیر بن ابی حازم الواسطی م ۱۸۳ھ سے طلب علم کی کیفیت صالح بن احمد امام احمد سے روایت کرتے ہیں:

طلبت العلم وانا ابن ست عشرة سنة واول سماعي من هشيم سنة تسع وسبعين وكان ابن المبارك قدم في هذه السنة وهي آخر قدمة قدمها وذهبت الى مجلسه فقالوا قد خرج الى طرطوس وتوفي سنة احدى وثمانين وكتبت عن هشيم سنة تسع وسبعين ولزمنا سنة ثمانين واحدى وثمانين وثنتين وثلاث ومات في سنة ثلاث وثمانين كتبنا عنه كتاب الحج نحوا من الف حديث وبعض التفسير وكتاب القضاء وكتبا صغارا قلت يكون ثلاثة آلاف قال اكثر وجاء نا موت حماد بن زيد ونحن على باب هشيم و يملي علينا الجنائز فقالوا مات حماد بن زيد وسمعت من عبدالمومن بن عبدالله بن خالد ابى الحسن العبسى سنة ثنتين وثمانين قبل موت هشيم ۔ (مناقب ابن جوزی ص۴۸)

میں نے طلب علم کا آغاز سولہ سال کی عمر میں کیا، ہشیم سے حدیث کی سماعت کی ابتدا ۱۷۹ھ میں کی عبداللہ بن مبارک اسی سال بغداد آئے تھے اور ان کا یہ آخری سفر بغداد تھا، میں ان کی مجلس میں پہنچا، تو لوگوں نے بتایا، کہ وہ طرطوس چلے گئے اور انہوں نے ۱۸۱ھ میں وفات پائی اور میں نے ہشیم سے ۱۷۹ھ میں لکھنا شروع کیا اور ان سے ان کی وفات ۱۸۳ھ تک وابستہ رہا، ہم نے ان سے کتاب الحج کے سلسلے میں تقریباً ایک ہزار حدیثیں لکھیں اور اس کے علاوہ کچھ تفسیر بھی، کتاب القضا اور کچھ مختصر کتابیں تحریر کیں، صالح نے پوچھا، کہ تین ہزار؟ جواب دیا، اس سے زیادہ، ہمارے پاس حماد بن زید کی خبر وفات آئی، اس وقت ہم ہشیم کے آستانہ پر تھے اور ہشیم ہم کو جنائز کے متعلق حدیثیں

املا کرا رہے تھے، لوگوں سے کہا، حماد بن زید کی وفات ہوگئی اور میں
نے ہشیم کی وفات سے پہلے ۱۸۲ھ میں عبدالمومن بن عبداللہ بن خالد
ابوالحسن عبسی سے حدیث کی سماعت کی۔

اس بیان سے معلوم ہوتا ہے، کہ امام احمد نے چار سال تک حضرت ہشیم کی بارگاہ سے علم حاصل کیا، اس دوران عبدالمومن بن عبداللہ عبسی سے بھی حدیثیں سنیں، عبداللہ بن مبارک سے تحصیل علم کے لیے گئے، لیکن ملاقات نہ ہوسکی۔

امام احمد نے جب حدیث وفقہ کی تعلیم کا آغاز کیا، اس وقت محدثین کرام بلاد اسلامی کے چپہ چپہ میں پھیلے ہوئے تھے، چنانچہ بصرہ، کوفہ، مکہ، مدینہ، مصر، شام میں اکابر فقہا و محدثین کی بڑی تعداد موجود تھی، ان کا وطن بغداد خلافت عباسیہ کا پایہ تخت ہونے کے ساتھ ساتھ علم و فضل کی راجدھانی بھی تھا، جہاں محدثین، مفسرین، مجتہدین اور ہر شعبہ علم وفن سے تعلق رکھنے والے ہزاروں شیوخ و اساتذہ موجود تھے، بغداد کا ہر محلہ بلکہ اس کا ہر کوچہ قال اللہ و قال الرسول کے دلنواز نغموں سے گونج رہا تھا۔

امام احمد کا شوق طلب علم بغداد تک محدود نہ رہا، بلکہ انہوں نے یہاں کے شیوخ و محدثین سے طلب علم کے بعد دوسرے اسلامی دیار و امصار کے محدثین سے کسب علم کا تہیا کر لیا اور اس سلسلے میں دور دراز شہروں کے سفر کیے، چنانچہ انہوں نے کوفہ، بصرہ، یمن، شام، رے، حجاز، عراق، جزیرہ عبادان کا سفر کیا اور وہاں کے شیوخ حدیث کی بارگاہوں میں حاضری دی۔

خطیب بغدادی لکھتے ہیں:

رحل الکوفة والبصرة ومکة والمدینة والیمن والشام والجزیرة ۔ (تاریخ بغداد ج ۴ ص ۴۲۱)

امام احمد اپنے تعلیمی اسفار کا اجمالاً تذکرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

مات هشیم سنة ثلاث وثمانین وخرجت الی الکوفة فی

تلك الايام ودخلت البصرة سنة ست وثمانين ثم دخلتها
سنة تسعين وسمعت من علي بن هاشم سنة تسع وسبعين
ثم عدت اليه المجلس الآخر وقدمات وهي السنة التي
مات فيها مالك ۔ (ایضا)

ہشیم نے ۱۸۳ھ میں وفات پائی، تو میں انہیں دنوں کوفہ گیا اور بصرہ گیا
پھر میں ۱۹۰ھ میں بصرہ گیا اور میں نے ۱۷۹ھ میں علی بن ہاشم سے
سماع کیا پھر میں دوبارہ ان کی مجلس میں گیا ان کا انتقال ہو چکا تھا، اسی
سال امام مالک کا بھی انتقال ہوا۔

سفر کی مزید تفصیل اس طرح بیان کرتے ہیں، ابومجاہد علی بن مجاہد کابلی سے
حدیث کی روایت کی، اسی سال ملک رے کا سفر کیا، ۱۸۶ھ میں بصرہ کا پہلا سفر کیا اور
۱۸۷ھ میں مکہ مکرمہ سفیان بن عیینہ کی خدمت میں حاضر ہوا، ہمارے مکہ پہنچنے سے کچھ
پہلے فضیل بن عیاض کا انتقال ہو چکا تھا، اس سال میں نے پہلا حج کیا، ابراہیم بن سعد
سے بھی حدیث لکھی اور ان کے پیچھے کئی بار نماز پڑھی، ۱۸۶ھ کے آخری عشرہ میں عبادان
گیا، اسی سال معتمر بن سلیمان کے یہاں گیا، ۱۹۸ھ میں ہم لوگ یمن میں عبدالرزاق
کے یہاں تھے، وہیں سفیان بن عیینہ، عبدالرحمٰن بن مہدی اور یحییٰ بن سعید قطان کی
وفات کی خبر ملی، ۱۹۴ھ میں بصرہ میں سلیمان بن حرب اور ابوالنعمان عارم اور ابوعمر خوضی
سے حدیث کا سماع کیا، اگر میرے پاس پچاس درہم ہوتے تو میں جریر بن عبدالحمید کے
یہاں رے جاتا، میرے بعض ساتھی گئے مگر میں نہیں جاسکا، کوفہ گیا تو ایسے مکان میں ٹھہرا
جس میں اینٹ کا تکیہ تھا، وہاں مجھے بخار آ گیا تو والدہ کے پاس واپس چلا آیا، میں والدہ
کی اجازت کے بغیر کوفہ گیا تھا، پانچ بار بصرہ گیا، پہلی بار رجب ۱۸۶ھ میں وہاں جا کر
معتمر بن سلیمان سے سماع کیا دوسری بار ۱۹۰ھ میں، تیسری بار ۱۹۴ھ میں، اس وقت غندر
کا انتقال ہو چکا تھا، تو یحییٰ بن سعید کے یہاں چھ ماہ قیام کیا، ان کے یہاں سے واسط میں

یزید بن ہارون کی خدمت میں پہنچا، جب ان کو معلوم ہوا کہ میں یزید بن ہارون کے یہاں گیا ہوں تو کہا، کہ وہ واسط میں یزید بن ہارون کے یہاں کیا کریں گے؟ (مطلب یہ تھا، کہ احمد بن حنبل یزید بن ہارون سے علم میں آگے ہیں)۔

(مناقب ابن جوزی ص ۵۲۵ ملخصا)

ابراہیم بن ہاشم کا بیان ہے کہ جریر بن عبدالحمید رے سے بغداد آئے اور بنی مسیتب میں ٹھہرے جب وہاں سے مشرقی بغداد میں آئے تو دریائے دجلہ میں بڑا خطرناک سیلاب آگیا، میں نے احمد بن حنبل سے کہا، کہ ہم اس پار چل کر جریر بن عبدالحمید سے حدیث کا سماع کریں، انہوں نے کہا، کہ میری ماں مجھے اجازت نہیں دیتی ہے اور میں نے تنہا جا کر جریر سے پڑھا۔ (یہ سیلاب ۱۸۶ھ میں آیا تھا، اس وقت ہارون رشید کی طرف سے سندی بن شاہک بغداد کا حاکم تھا، اس نے دجلہ پار کرنے سے لوگوں کو روک دیا تھا۔) (مناقب ابن جوزی ص ۵۱)

یعقوب بن اسحاق بن اسرائیل کا بیان ہے کہ میرے والد اور احمد بن حنبل نے طلب علم میں بحری سفر کیا اور سمندر میں کشتی ڈوب گئی، تو ایک جزیرے میں اتر گئے۔

صاحبزادے عبداللہ کا بیان ہے، کہ میرے والد نے پیدل طرطوس کا سفر کیا تھا:

خرج ابی الی طرطوس ماشیا علی قدمیہ۔ (ایضاً ص ۵۲)

امام صاحب بیان کرتے ہیں، کہ میں یمن میں ابراہیم بن عقیل کے پاس پہنچا، وہ سخت مزاج عالم تھے، ان تک رسائی مشکل تھی، ان کے دروازے پر دو ایک دن پڑا رہا، تب ان کے پاس پہنچ سکا، انہوں نے مجھ سے دو حدیثیں بیان کیں، حالاں کہ ان کے پاس وہب بن منبہ کی روایت سے حضرت جابر کی بہت سی حدیثیں تھیں، مگر ان کی درشتی مزاج کی وجہ سے ان کو ان سے سن نہ سکا اور نہ ان کے شاگرد اسماعیل بن عبدالکریم سے کیوں کہ ابراہیم بن عقیل زندہ تھے۔

خشنام بن سعد نے ایک مرتبہ امام صاحب سے دریافت کیا، کہ کیا یحییٰ بن یحییٰ

امام تھے؟ امام صاحب نے کہا، کہ وہ میرے نزدیک امام تھے، اگر میرے پاس سفر خرچ ہوتا تو میں ان کے یہاں سفر کر کے جاتا۔

سفر حج

امام احمد نے تعلیمی اسفار کے دوران ہی پانچ حج کیے، حج وزیارت کے پاکیزہ مقصد کے ساتھ سفر حجاز کے دوران علما ومشائخ سے کسب علم وفضل بھی مطمح نظر تھا، وہ خود فرماتے ہیں:

حججت خمس حج منها ثلاث راجلا وانفقت فی احدی هذه الحجج ثلاثین درهما ولو کان عندی خمسون درهما لخرجت الی جریر بن عبدالحمید ۔

(تاریخ ذہبی ج۱ص۶۵)

میں نے پانچ حج کیے ان میں تین حج پاپیادہ اور ان میں سے ایک حج میں صرف تیس درہم خرچ کیے، اگر میرے پاس پچاس درہم ہوتے تو میں جریر بن عبدالحمید کے پاس (سماع حدیث کے لیے) ضرور جاتا۔

ایک سفر حج میں میں راستہ بھول گیا سرگردانی و پریشانی جب زیادہ بڑھی تو حدیث نبوی کا یہ ٹکڑا:

یاعباد الله دلونا علی الطریق

پڑھنا شروع کیا، اس کی برکت ظاہر ہوئی اور میں نے راستہ پالیا۔

طلب علم کے دوران مصائب ومشکلات

تنگ دستی اور فلاکت کے باوجود شوق علم نے انہیں اسلامی دیار وامصار کے سفر پر آمادہ کیا، یوں بھی سفر مشقتوں سے عبارت ہے اور زاد سفر مفقود ہو یا بقدر کفایت نہ ہو تو دشواریاں اور مصائب قدم قدم پر مبتلائے آزمائش کرتے ہیں، طلب علم کا جذبہ صادق اور صبر واستقامت کی خوگر طبیعتیں ہی نامساعد حالات کا مقابلہ کرنے میں کامیاب ہوتی

ہیں۔

چنانچہ امام احمد کا والہانہ جذبہ علم مصائب وآلام کی سختیوں پر ہمیشہ غالب آیا، رحلت وسفر کی ہر مصیبت انہوں نے جھیلی اور علم کے گنجہائے گراں مایہ اپنے دامن میں سمیٹ لیے۔

صالح کہتے ہیں:

عزم ابی علی الخروج الی مکة ورافق یحییٰ بن معین فقال ابی نحج ونمضی الی صنعاء الی عبدالرزاق ۔ قال فمضینا حتی دخلنا مکة فاذا عبد الرزاق فی الطواف وکان یحیی یعرفه فطفنا ثم جئنا الی عبد الرزاق فسلم علیه یحییٰ وقال هذا اخوك احمد بن حنبل وقال حیاه الله انه لیبلغنی عنه کلام اسربه ثبته الله علی ذلك ثم قال لینصرف فقال یحییٰ الا ناخذ علیه الموعد فابی احمد وقال لم اغیر النیة فی رحلتی اوکما قال ثم سافر الی الیمن لاجله وسمع منه الکتب واکثر عنه فی المخطوط کلاما ۔ (تاریخ ذہبی ج ا ص ۱۲۶)

میرے والد نے مکہ جانے کا عزم کیا اور یحییٰ بن معین ان کے رفیق سفر ہوئے تو میرے والد نے کہا، ہم حج بھی کریں گے اور صنعا (یمن) عبدالرزاق کے پاس جا کر سماع حدیث کریں گے، آپ نے فرمایا، ہم چلے یہاں تک کہ مکہ پہنچ گئے، اچانک عبدالرزاق طواف کرتے ہوئے مل گئے اور یحییٰ بن معین انہیں پہچانتے تھے، ہم نے طواف کیا، پھر ہم عبدالرزاق کے پاس آئے تو ابن معین نے انہیں سلام کیا اور کہا یہ آپ کے بھائی احمد بن حنبل ہیں، عبدالرزاق

نے فرمایا، اللہ انہیں زندہ رکھے، بے شک ان کی جانب سے مجھ تک ایسی بات پہونچی ہے کہ جس کے سبب انہیں قید کر دیا جائے گا، اللہ انہیں اس پر ثابت قدم رکھے، پھر آپ واپس جانے کے لیے کھڑے ہوئے تو یحییٰ بن معین نے کہا کیا ہم ان سے سماع حدیث کا وعدہ نہ لے لیں، احمد بن حنبل نے انکار کیا اور کہا میں نے ان کے پاس جانے کے سلسلے میں اپنی نیت نہیں بدلی یا جیسا فرمایا پھر آپ نے سماع حدیث کے لیے یمن کا سفر کیا اور ان سے کتابیں سنیں اور بہت زیادہ حدیثیں روایت کیں۔

امام احمد نے یمن کا سفر بڑی بے سروسامانی میں کیا، اگر وہ چاہتے تو مکہ ہی میں عبدالرزاق سے سماعت حدیث کر سکتے تھے، مگر انہیں اس آسانی کے بجائے سفر کی مشقت عزیز تھی، ان کا یقین تھا، کہ جو چیز مشقت سے حاصل کی جاتی ہے، وہ پائیدار ہوتی ہے، چنانچہ وہ یمن اس طرح پہنچے کہ راستے میں ساربانوں کی حمالی کرتے اور یمن کے دوران قیام بھی محنت اور مزدوری سے اسباب معیشت فراہم کرتے اور پورے انہماک سے طلب حدیث کرتے رہے۔

اسحاق بن راہویہ کہتے ہیں، کہ احمد بن حنبل نے عبدالرزاق کے یہاں سے چلتے وقت خرچہ ختم ہو جانے کی وجہ سے ساربانوں کے یہاں مزدوری کی، خود عبدالرزاق کا بیان ہے، کہ احمد بن حنبل ہمارے یہاں تقریباً دو سال مقیم رہے، ان کی مشکلات دیکھ کر میں نے کہا، کہ ابو عبداللہ! ہمارے ملک یمن میں تجارت نہیں ہے اور نہ ہی کسب و معیشت کی فراوانی ہے، یہ دینار ہیں، ان کو قبول کر لیں، مگر انہوں نے قبول نہیں کیا، یہ واقعہ یاد کر کے عبدالرزاق رو دیا کرتے تھے۔

احمد بن ابراہیم دورقی کا بیان ہے، کہ احمد بن حنبل عبدالرزاق کے یہاں سے مکہ آئے تو میں نے ان کو بہت تھکا ماندہ پایا، میں نے کہا، ابو عبداللہ! آپ نے اس سفر میں

بڑی مشقت برداشت کی ہے، جسم پر تھکن کے آثار ظاہر ہیں، انہوں نے جواب دیا، کہ ہم نے عبدالرزاق سے جو علمی و دینی استفادہ کیا ہے، اس کے مقابلہ میں یہ مشقت بہت معمولی ہے، ہم نے ان سے الزہری عن سالم عن عبداللہ عن ابیہ اور الزہری عن سعید بن المسیب عن ابی ہریرۃ کی سند سے حدیثیں لکھیں۔

امام صاحب واسط میں یزید بن ہارون کے یہاں سخت سردی کے زمانہ میں گئے، مالی مشکلات در پیش ہوئیں تو اپنا جبہ ایک ساتھی کو دیا تاکہ اس کو فروخت کردے، اس نے یزید بن ہارون سے اس کا تذکرہ کیا، انہوں نے دو سو درہم بھجوائے، مگر امام صاحب نے یہ کہہ کر قبول نہیں کیا، کہ میں ضرورت مند اور مسافر ہوں مگر اپنے کو اس طرح کے ہدایا وعطایا کا عادی بنانا پسند نہیں کرتا ہوں۔

جس زمانہ میں امام صاحب مکہ مکرمہ میں سفیان بن عیینہ سے تحصیل علم کر رہے تھے، ان کے کپڑے وغیرہ چوری ہو گئے، جب اس کا پتہ چلا، تو پوچھا، کہ میری الواح کا کیا ہوا، جن میں حدیثیں لکھی ہیں، لوگوں نے بتایا کہ وہ طاق میں محفوظ ہیں، اس حادثہ کی وجہ سے کئی دن مجلس درس میں حاضر نہیں ہوئے اور پتہ لگانے پر معلوم ہوا کہ ان کے جسم پر دو پرانے کپڑے ہیں، اس کے بعد ایک ساتھی سے ایک دینار قرض لے کر کپڑا خریدا۔ (تاریخ ابن عساکر ج ۲ ص ۳۶ تا ۳۸)

اپنی تنگ حالی کے باوجود امام احمد نے ان تمام اسلامی بلاد و امصار کا سفر کیا جو علم وفضل کا گہوارہ تھے، وہاں کے شیوخ حدیث سے علم حدیث کے زر و جواہر حاصل کیے۔

کوفہ میں قیام کے دوران تکلیف و مشقت کا یہ حال تھا، کہ آپ سر کے نیچے تکیہ کے بجائے اینٹ رکھتے تھے، خود فرماتے ہیں:

خرجت الی الکوفة فکنت فی بیت وتحت راسی لبنة ۔ (مناقب ص ۴۹)

میں گھر میں جب سوتا تھا، تو سر کے نیچے تکیہ نہ ہونے کی وجہ سے اینٹ رکھتا تھا۔

تحصیل علم کا بے کراں شوق

طلب علم کے لیے امام احمد نے بغداد سے نکل کر اقلیم اسلامیہ کا چکر لگایا، نہ وہ محنت سے گھبرائے اور نہ تکان سے پریشان ہوئے، وہ زیادہ سے زیادہ علم حاصل کرنے کے بعد بھی سیر نہیں ہوتے، بلکہ ان کی علمی پیاس بڑھتی ہی جاتی، وہ کتابوں کا پلندہ پیٹھ پر لادے ہوئے ایک شہر سے دوسرے شہر اور ایک ملک سے دوسرے ملک کا بے تکان سفر کرتے اور شب و روز علمی زر و جواہر کی جستجو کرتے۔

ایک مرتبہ ان کے ایک شناسا نے انہیں حالت سفر میں دیکھا اور احادیث کی حفظ و روایت اور کتابت کی کثرت دیکھ کر اعتراض کرتے ہوئے کہا، اتنا کچھ حفظ کرلیا، اتنی کچھ روایت کر لی، پھر بھی حالت یہ ہے، کہ آج کوفہ کا سفر در پیش ہے، تو کل بصرہ، آخر کب تک اور کہاں تک یہ سلسلہ جاری رہے گا؟ جب انسان تیس ہزار حدیثیں لکھ لے تو کیا اس کے لیے کافی نہیں؟ امام صاحب خاموش رہے، پھر انہوں نے کہا ساٹھ ہزار؟ آپ خاموش رہے، پھر انہوں نے کہا، ایک لاکھ؟ وہ ان سے ان کا مبلغ علم معلوم کرنا چاہتے تھے، احمد بن منیع کہتے ہیں، ہم نے اس طرح پتا چلایا، تو معلوم ہوا، احمد نے تین لاکھ حدیثیں بہز بن اسد اور عفان سے لکھیں۔

(مناقب ص ۵۲)

امام صاحب کی شہرت، مقبولیت کا دور عروج تھا، آپ کے علم و تقویٰ کا ڈنکا چار سو بج رہا تھا، ایک شخص نے دیکھا، کہ آپ ہاتھ میں دوات، قلم لیے کسی محدث کی درس گاہ میں جا رہے ہیں، اس نے کہا، کہ ابو عبداللہ! آپ علم کے اس بلند مقام پر پہنچ چکے ہیں اور امام المسلمین ہیں، پھر بھی پڑھنے جا رہے ہیں؟ امام صاحب نے جواب دیا، "مع المحبرة الى المقبرة" دوات کے ساتھ قبرستان تک۔ (ایضاً ص ۵۵)

محمد بن اسماعیل صائغ کا بیان ہے:

كنت اصوغ مع ابی ببغداد فمر بنا احمد بن حنبل وهو

یعدو ونعلاه فی یده فاخذ ابی هکذا بمجامع ثوبه فقال یا اباعبدالله! لا تستحیی الی متی تعدو ومع هؤلاء الصبیان ؟ قال الی الموت ۔ (مناقب الامام احمد ص ۵٦)

میں اپنے والد کے ساتھ بغداد میں سونا ڈھالنے کا کام کررہا تھا، اسی زمانے میں امام احمد بن حنبل ہمارے سامنے سے اس حال میں گزرے، کہ دونوں جوتے ہاتھ میں تھے اور دوڑ رہے تھے، میرے والد نے بڑھ کر ان کے کپڑے پکڑ لیے اور پوچھا، کہ ابوعبداللہ! کب تک طالب علمی کروگے؟ آپ کو ان بچوں کے ساتھ دوڑتے ہوئے شرم بھی نہیں آتی ؟ امام احمد نے اس کے جواب میں صرف اتنا کہا اور چلتے بنے "الی الموت" یعنی موت تک۔

وکیع بن جراح عام طور سے رات گئے، احمد بن حنبل کے یہاں آتے تھے اور دونوں حضرات حدیث کا مذاکرہ کرتے تھے، ایک رات وکیع آئے اور احمد بن حنبل کے دروازہ کے دونوں بازو پکڑ کر کھڑے ہوگئے، اندر سے احمد بن حنبل آئے اور دونوں حضرات دروازہ پر حدیث کا مذاکرہ کرنے لگے، وکیع نے کہا، کہ میں آپ کے سامنے سفیان بن عیینہ کی احادیث رکھتا ہوں، احمد بن حنبل نے کہا، کہ بیان کرو، چنانچہ وکیع نے سفیان بن سلمہ بن کہیل کے سلسلہ سند کی احادیث پیش کیں اور احمد بن حنبل نے بتایا، کہ یہ حدیثیں اس طرح مجھے یاد ہیں، پھر احمد بن حنبل نے وکیع سے کہا، کہ آپ کو سلمہ بن کہیل کی حدیثیں یاد ہیں؟ اسی طرح دونوں طلبہ حدیث رات بھر دروازے پر کھڑے کھڑے احادیث کے بارے میں بحث ومذاکرہ کرتے رہے اور صبح ہوگئی۔

(طبقات الشافعیہ ج ۲ ص ۲۸)

شیوخ واساتذہ کا احترام

امام احمد نے تحصیل علم کے دوران اور بعد میں بھی اپنے شیوخ واساتذہ کا بھرپور

احترام کیا، ان کی بارگاہوں میں ادب واحترام اور نیازمندی کا طریق اختیار کرتے۔

یحییٰ بن معین نے ایک مرتبہ بغداد میں امام احمد بن حنبل کو دیکھا، کہ امام شافعی کی سواری کے ساتھ ساتھ پیدل چل رہے ہیں، تو ان کے صاجزادے سے کہا، کہ تمہارے باپ کو شرم نہیں آتی، کہ شافعی کی سواری کے ساتھ چل رہے ہیں، صاجزادے نے امام صاحب سے ذکر کیا تو فرمایا، کہ یحییٰ بن معین سے کہہ دو، کہ تم اس شخص کے بائیں طرف چلو تو تمہیں علم آجائے گا۔

ادریس بن عبدالکریم خلف سے روایت کرتے ہیں، کہ احمد بن حنبل ابوعوانہ کی حدیث سننے کے لیے میرے یہاں آئے، میں نے بہت چاہا، کہ ان کا اعزاز واحترام کروں، مگر انہوں نے کہا، کہ ''لا اجلس الا بین یدیك امرنا ان نتواضع لمن نتعلم منه'' میں آپ کے سامنے ہی بیٹھوں گا، کیوں کہ ہم کو حکم دیا گیا ہے، کہ جس سے علم حاصل کریں ان کے سامنے تواضع اختیار کریں۔

اسحاق شہید کا بیان ہے، کہ میں دیکھتا تھا، کہ یحییٰ بن سعید قطان نماز عصر کے بعد مسجد کے منارہ سے ٹیک لگا کر بیٹھ جاتے تھے اور ان کے سامنے علی بن مدینی، شاذ کوفی، عمرو بن علی، احمد بن حنبل، یحییٰ بن معین وغیرہ کھڑے کھڑے حدیث کا سماع کرتے تھے، نماز مغرب تک اسی حال میں رہتے تھے، ان میں کوئی کسی سے بیٹھنے کو نہیں کہتا تھا، بلکہ ہیبت اور تعظیم کی وجہ سے سب لوگ کھڑے رہتے تھے۔

قتیبہ بن سعید کہتے ہیں، کہ میں احمد بن حنبل کی ملاقات کے لیے بغداد گیا، وہ یحییٰ بن معین کے ساتھ میرے پاس آئے اور ہم نے حدیث کا مذاکرہ کیا، جب تک یہ مجلس جاری رہی، احمد بن حنبل میرے سامنے کھڑے رہے، جب میں کہتا، ابوعبداللہ! اپنی جگہ بیٹھ جایئے تو کہتے تھے ''لاتشتغل بی انما ارید ان اخذ العلم علی وجهه'' آپ میرا خیال نہ کریں، میں چاہتا ہوں کہ علم کو اس کے طریقہ اور ادب کے ساتھ حاصل کروں۔

عمروالناقد کا بیان ہے، کہ ہم لوگ وکیع بن جراح کی مجلس میں تھے، اسی وقت احمد بن حنبل بھی آ کر خاموشی سے بیٹھ گئے، میں نے کہا، کہ ابوعبداللہ! شیخ آپ کا احترام کرتے ہیں، آپ ان سے باتیں کیوں نہیں کرتے؟ احمد بن حنبل نے کہا "وان کان یکرمنی فینبغی لی ان اجله" اگر وہ میری تعظیم کرتے ہیں، پھر مجھے بھی ان کی تعظیم کرنی چاہیے۔

(مناقب الامام احمد ص ۸۲، ۸۳)

امام شافعی کے ساتھ تعلق خاطر

یوں تو امام احمد اپنے تمام شیوخ واساتذہ کا حددرجہ احترام کرتے تھے، مگر امام شافعی سے انہیں خصوصی تلمذ حاصل تھا اور ان کا سب سے زیادہ احترام اور خیر کے ساتھ تذکرہ کرتے تھے، ابن خلکان نے لکھا ہے:

> **وکان من اصحاب الامام الشافعی رضی اللہ تعالیٰ عنهما وخواصه ولم یزل مصاحبه الی ان ارتحل الشافعی الی مصر وقال فی حقه خرجت من بغداد وما خلفت بها اتقی ولا افقه من ابن حنبل۔** (وفیات الاعیان ج۱ص۱۶، ۱۷)

امام احمد بن حنبل امام شافعی کے تلامذہ اور خواص میں سے تھے، وہ ان کے ساتھ برابر رہے، یہاں تک کہ شافعی مصر چلے گئے اور ان کے بارے میں شافعی نے کہا، کہ میں بغداد سے اس حال میں نکلا ہوں، کہ احمد بن حنبل سے زیادہ متقی اور زیادہ فقیہ کسی کو نہیں چھوڑا۔

خود امام صاحب کہتے ہیں، کہ شافعی کی مجلس میں بیٹھنے کے بعد میں نے حدیث کے ناسخ اور منسوخ کو پہچانا، ایک مرتبہ امام احمد کے صاحبزادے عبداللہ نے پوچھا، کہ شافعی کون تھے، میں دیکھتا ہوں، کہ آپ ان کے لیے بہت زیادہ دعا کرتے ہیں؟ امام صاحب نے بتایا، کہ بیٹے! شافعی دنیا کے لیے آفتاب اور بدن کے لیے صحت کے مانند تھے، کیا ان دونوں چیزوں کا بدل ہوسکتا ہے؟ میں تیس سال سے شافعی کے حق میں دعا اور

استغفار کرتا ہوں، ہر وہ شخص جس کے ہاتھ میں دوات اور کاغذ ہے، اس کی گردن پر شافعی کا احسان ہے۔

محفوظ بن ابوثوبہ بغدادی کہتے ہیں، کہ ایک مرتبہ میں نے احمد بن حنبل کو مسجد حرام میں امام شافعی کے درس میں دیکھا اور کہا، کہ ابوعبداللہ! یہ سفیان بن عیینہ مسجد کے ایک گوشہ میں حدیث کا درس دے رہے ہیں، احمد بن حنبل نے جواب دیا، کہ یہ (شافعی) نہیں ملیں گے اور وہ (سفیان بن عیینہ) مل جائیں گے۔

امام شافعی پہلی بار ۱۹۵ھ میں بغداد گئے اور دو سال تک مستقل طور سے وہاں رہے، پھر دوسری بار ۱۹۸ھ میں گئے اور چند ماہ رہ کر مصر چلے گئے، امام احمد نے اس دوران امام شافعی سے بھرپور استفادہ کیا، اس سے قبل مکہ میں امام احمد نے امام شافعی سے استفادہ کیا تھا۔

اسحاق بن راہویہ کہتے ہیں، کہ ہم سفیان بن عیینہ کی خدمت میں حاضر تھے اور عمرو بن دینار کی حدیث لکھ رہے تھے، اتنے میں احمد بن حنبل آئے، مجھ سے انہوں نے کہا، ابویعقوب اٹھو! میں ایسا شخص دکھاؤں جسے تمہاری آنکھوں نے کبھی نہیں دیکھا ہوگا، میں اٹھ کھڑا ہوا، وہ مجھے لے کر زم زم کے پاس پہنچے، یہاں ہم دیکھتے کیا ہیں، کہ ایک شخص ہے جو سفید کپڑوں میں ملبوس ہے، چہرہ روشن اور تابناک، فراست ہویدا، ذکاوت آشکارا احمد نے مجھے ان کے پہلو میں بٹھا دیا اور کہا، اے ابوعبداللہ! یہ ہیں اسحاق بن راہویہ حنظلی، انہوں نے مجھے مرحبا کہا، دعا دی، میں نے ان سے کچھ پوچھا، انہوں نے مجھے کچھ بتایا، میری نظر میں ان کا ایسا علم آیا جو میرے لیے بہت مرغوب اور پسندیدہ ثابت ہوا، جب ہمیں بیٹھے بیٹھے دیر ہوگئی، تو میں نے کہا، ہمیں اس آدمی کے پاس کیوں نہیں لے چلتے، جس کا ذکر کیا تھا؟ احمد نے کہا، یہی تو ہیں وہ شخص، میں نے کہا، سبحان اللہ! میں ایسے شخص کے پاس سے اٹھ کر آیا ہوں، جو کہتا تھا، ہم سے زہری نے روایت کی، میں نے تو یہی خیال کیا تھا، کہ آپ مجھ کو ایسے شخص کے پاس لے جائیں گے جو زہری کے مثل

ہوگا، یا کم از کم اس کے قریب قریب تو ہوگا اور تم ہمیں اس نوجوان کے پاس لے آئے، احمد نے جواب دیا، اے ابو یعقوب! اس شخص سے فیض حاصل کرو، کہ میری آنکھوں نے اس جیسا کوئی اور شخص نہیں دیکھا، وہ امام شافعی تھے۔ (امام احمد بن حنبل ص ۷۸)

شیوخ واساتذہ کی نظر میں

امام احمد طلب علم کے حریص ہونے کے باوجود تہذیب وشائستگی کا پیکر تھے، ان کی عظمت شان اور برگزیدہ شخصیت کا اعتراف ان کے اساتذہ کو بھی تھا، ابن علیہ کی بارگاہ میں کسب علم کے لیے تیس سال کی عمر میں پہنچے، شیخ اور ان کے خاندان کے افراد امام احمد کا حد درجہ احترام کرتے۔

ایک مرتبہ ابن علیہ کی درس گاہ میں کسی طالب علم نے کوئی بات کہی جس پر تمام طلبہ ہنس پڑے، حلقہ درس میں امام احمد بن حنبل بھی موجود تھے، ابن علیہ نے طلبہ پر سخت برہم ہوتے ہوئے کہا، کہ یہاں احمد بن حنبل موجود ہیں اور تم لوگ ہنس رہے ہو۔

(مختصر تاریخ ابن عساکر ج ۲ ص ۳۰۰)

یزید بن ہارون کے یہاں امام صاحب طلب علم کے لیے گئے تو وہ ان کی بہت زیادہ تعظیم کرتے تھے، حتی کہ ایک مرتبہ امام صاحب بیمار پڑ گئے تو یزید بن ہارون ان کی عیادت کے لیے آئے اور سواری بھیجی۔ (ایضا)

ایک مجلس درس میں یزید بن ہارون نے کوئی تفریحی بات کہی احمد بھی حاضر تھے، انہوں نے اس بات پر کھانس دیا، یزید بن ہارون نے کہا، کون؟ حاضرین نے احمد بن حنبل کا نام لیا تو کہا، کہ اگر معلوم ہوتا کہ یہاں احمد بن حنبل موجود ہیں تو میں ہنسی کی بات نہ کرتا۔ (احمد بن حنبل ص ۸۰)

ابو بکر بن ابی عون اور محمد بن ہشام کہتے ہیں:

راینا اسمعیل بن علیة اذا اقیمت الصلاة قال ها هنا احمد بن حنبل قولوا له یتقدم . (مناقب ص ۹۶)

ہم نے اسماعیل بن علیہ کو دیکھا جب نماز کی اقامت کہی جاتی فرماتے یہاں احمد بن حنبل موجود ہیں ان سے کہو وہ آگے بڑھیں (امامت کریں)

احمد بن شیبان فرماتے ہیں:

ما رایت یزید بن هارون لاحد اشد تعظیما منه لاحمد بن حنبل ولا رایته اکرم احدا اکرامه لاحمد بن حنبل وکان یقعده الی جنبه اذا حدثنا وکان یوقر احمد بن حنبل ولا یمازحه ومرض احمد بن حنبل فرکب الیه یزید بن هارون وعاده . (مناقب ص۹۵)

میں نے یزید بن ہارون کو امام احمد سے بڑھ کر کسی کی تعظیم کرتے ہوئے نہیں دیکھا، اور نہ ان سے بڑھ کر کسی کا احترام کرتے دیکھا اور وہ احمد کو اپنے پہلو میں بٹھاتے جب ہم سے حدیث بیان کرتے اور وہ امام احمد بن حنبل کی توقیر کرتے ان کے سامنے ہنسی مذاق کی باتیں نہ کرتے امام احمد بیمار ہوئے تو یزید بن ہارون ان کی عیادت کے لیے تشریف لے گئے۔

شجاع بن مخلد بیان کرتے ہیں:

کنت عند ابی الولید الطیالسی فورد علی کتاب احمد بن حنبل فسمعته یقول ما بالمصرین یعنی البصرة و الکوفة احد احب الی من احمد بن حنبل ولا ارفع قدرا فی نفسی منه . (ایضاً ص۱۰۰)

میں ابوالولید طیالسی کے پاس تھا، تو ان کے پاس احمد بن حنبل کا خط آیا، میں نے ان کو کہتے ہوئے سنا کہ مصرین یعنی کوفہ اور بصرہ میں کوئی شخص ہمارے نزدیک احمد بن حنبل سے زیادہ محبوب نہیں اور نہ ہی ان سے بڑھ کر میرے دل میں کسی کی قدر و منزلت ہے۔

شیوخ واساتذہ

امام احمد نے بغداد ہی کے شیوخ حدیث اور علما سے کسب فیض پر اکتفا نہیں کیا، بلکہ بغداد سے نکل کر حجاز، شام، بصرہ، کوفہ، رے، یمن کے مقتدر شیوخ حدیث سے استفادہ کیا، بعض ائمہ حدیث جن سے وہ کسب علم کرنا چاہتے تھے، مگر ان کی وفات کی بنا پر ان سے سماع حدیث نہ کر سکے، جن میں امام مالک، عبداللہ بن مبارک، حماد بن زید کے نام خاص طور پر قابل ذکر ہیں، امام احمد کو اس بات کا شدید احساس تھا، کہ وہ اپنے وقت کے ان جلیل القدر علما کے سامنے زانوے تلمذ تہہ نہ کر سکے لیکن اللہ سبحانہ تعالیٰ نے اس نقصان کی تلافی بوجہ احسن فرما دی چنانچہ فرمایا کرتے تھے:

فاتني مالك فاخلف على سفيان بن عيينة وفاتني حماد بن زيد فاخلف الله على اسمعيل بن علية (مناقب لابن الجوزی ص ۳۱)

امام مالک وفات پا گئے (میں ان سے کسب فیض نہ کر سکا) تو اس کی تلافی سفیان بن عیینہ سے ہوگئی، حماد بن زید سے نہ مل سکا تو اللہ تعالیٰ نے ان کی جگہ اسماعیل بن علیہ سے کسب فیض کا موقع دیا۔

امام احمد بن حنبل نے اپنے زمانہ کے تقریباً تمام اجلہ علمائے فن اور محدثین سے اکتساب فیض کیا، امام ابن جوزی نے اپنی کتاب "مناقب امام احمد" میں تیس صفحات پر امام صاحب کے شیوخ کی فہرست حروف تہجی پر مرتب کی ہے۔

خطیب بغدادی نے کچھ اہم شیوخ کے نام تحریر کیے ہیں:

اسماعیل بن علیہ، ہشیم بن بشیر، حماد بن خالد خیالی، منصور بن سلمہ خزاعی، مظفر بن

مدرک، عثمان بن عمر بن فارس، ابوالنضر ہاشم بن قاسم، ابوسعید مولیٰ بنی ہاشم، محمد بن یزید واسطی، یزید بن ہارون واسطی، محمد بن ابوعدی، محمد بن جعفر غندر، یحییٰ بن سعید قطان، عبدالرحمٰن بن مہدی، بشر بن مفضل، محمد بن بکر برسانی، ابوداؤد طیالسی، روح بن عبادہ، وکیع بن جراح، ابومعاویہ ضریر، عبداللہ بن نمیر، ابواسامہ، سفیان بن عیینہ، یحییٰ بن سلیم طائفی، محمد بن ادریس شافعی، ابراہیم بن سعد زہری، عبدالرزاق بن ہمام صنعانی، ابوقرہ موسیٰ بن طارق، ولید بن مسلم، ابومسہر دمشقی، ابوالیمان علی بن عیاش، بشر بن شعیب بن ابوحمزہ۔

خطیب بغدادی لکھتے ہیں "وخلق سواھم یطول ذکرھم ویشق احصاء اسمائھم (تاریخ بغداد ج ۴ ص۔۱۳-۴۱۲)

ان کے علاوہ بہت سے لوگوں سے روایت کی ہے جن کا ذکر کرنا طوالت کا باعث ہے، ان کے ناموں کا شمار مشکل ہے۔

امام احمد نے اگرچہ بہت سے محدثین وفقہا کی بارگاہوں میں حاضری دی اوران سے دامن علم کو مالا مال کیا، مگران میں سب سے اہم اور عظیم دو شخصیتیں ہیں، جوحدیث وفقہ میں بہت اونچا مقام رکھتی تھیں اور امام احمد کی شخصیت میں حدیث وفقہ کا امتزاج انہیں دونوں کی صحبتوں کا رہین منت ہے۔ وہ حافظ ہشیم واسطی اور امام شافعی کی ذات بابرکات ہے۔

(الف) امام ہشیم بن بشیر حازم ۱۰۴ھ تا ۱۸۳ھ یہ وہ جلیل القدر محدث ہیں، جنہوں نے عمرو بن دینار، امام زہری، قاضی ابوشیبہ اور دیگر ائمہ حدیث سے کسب علم کیا، آپ کو ابن عمرو اور ابن عباس کے آثار میں بڑا درک تھا، ہشیم کے گرد بغداد میں تشنگان علوم نبویہ کا ازدحام رہتا تھا، ان کی عظمت شان یہ تھی، کہ حضرت امام مالک جیسے جلیل القدر محدث آپ کے رواۃ میں شامل تھے۔ حماد بن زید کہتے ہیں:

مارایت فی المحدثین انبل من ھشیم وکان بعض

المحدثین ذوی القدم الثابتة یفضله علی امام الحدیث سفیان الثوری ولقد اثنی علیه مالك بن انس رضی الله عنه ونفی ان یکون بالعراق عالم بالحدیث سواه ۔

محدثین میں میں نے ہشیم سے زیادہ بلند پایہ کوئی اور شخص نہیں دیکھا، بعض محدثین تو انہیں امام الحدیث سفیان ثوری پر بھی فضیلت دیتے ہیں، امام مالک بن انس بہت زیادہ ان کی تعریف کرتے تھے، وہ اسے تسلیم ہی نہیں کرتے تھے، کہ عراق میں ہشیم کے علاوہ کوئی عالم حدیث ہے، وہ فرماتے تھے:

وهل بالعراق احد یحسن ان یحدث الا ذاك الواسطی (یعنی هشیما) (تاریخ بغداد ج۴ ص۹۲)

کیا واسطی سے بڑھ کر بھی عراق میں کوئی محدث ہے۔

امام احمد نے تقریباً پانچ سال ہشیم کی بارگاہ سے کسب علم کیا، آپ کی طبیعت اور مزاج پر ان کا بڑا گہرا اثر پڑا، کیفیت یہ تھی، کہ ان کی جلالت و ہیبت کے باعث ساری مدت طالب علمی میں دو ایک مرتبہ سے زیادہ کوئی بات نہیں پوچھی۔

حافظ ہشیم نے طلب علم میں بڑے دکھ جھیلے تھے اور بہت مشقتیں اٹھائی تھیں، احمد نے ان سے صرف علم حدیث ہی نہیں حاصل کیا تھا، بلکہ راہ علم میں مشقتوں کا جھیلنا اور تکلیفوں کا اٹھانا بھی سیکھا تھا۔

امام احمد کی سیرت و شخصیت پر سب سے زیادہ اثر انداز جو ذات ہوئی وہ ہشیم ہی کی ذات گرامی تھی، وہ جو کچھ استاذ کی زبان سے سنتے تھے اسے ازبر کر لیتے تھے، چنانچہ وہ خود فرمایا کرتے تھے:

حفظت کل شیء من هشیم وهشیم حی قبل موته ۔

میں نے ہشیم سے جو کچھ سیکھا، وہ سب ان کی زندگی میں ازبر کر لیا۔

(ب) امام شافعی ۱۵۰ھ تا ۲۰۴ھ امام احمد نے حافظ ہشیم سے حدیث زیادہ سیکھی اور فقہ کم، ضروری تھا، کہ اس کوتاہی کی تلافی وہ کسی دوسری شخصیت کی بارگاہ فضل وکمال میں حاضر ہوکر کرتے، ہشیم کے انتقال کے بعد امام احمد جب مکہ پہنچے تو انہیں اس عہد کے جلیل القدر مجتہد وفقیہ امام شافعی کے حلقہ درس میں شریک ہونے کا موقع ملا امام شافعی بغداد سے امام محمد بن حسن شیبانی سے فقہ حنفی سیکھ کر مکہ آئے تھے اور فقہ شافعی کے طریقہ استنباط واصول وضع کرنے میں لگے ہوئے تھے، امام احمد نے امام شافعی سے استماع کے بعد خود ہی تصریح کی ہے، وہ امام شافعی کی فقہی ژرف نگاہی سے متاثر تھے، نہ کہ ان کی روایت حدیث سے، امام اسحاق بن راھویہ سے بھی اسی طرح کی روایت مروی ہے، انہوں نے احمد سے کہا، اس شخص سے کچھ حاصل کرو، میری آنکھوں نے اس جیسا کوئی دوسرا آدمی نہیں دیکھا۔

(ا) ہشیم بن بشیر ۱۰۴ھ تا ۱۸۳ھ

ہشیم نام اور ابو معاویہ کنیت تھی، نسب نامہ یہ ہے: ہشیم بن بشیر بن ابی حازم القاسم بن دینار۔ (تہذیب التہذیب ج ۱ ص ۵۹)

بنو سلیم کے غلام تھے، اس لیے سلمی کہلاتے ہیں اور واسطی وطن کی طرف نسبت ہے۔

ہشیم ۱۰۴ھ میں بمقام واسط پیدا ہوئے، پھر ایک عرصہ کے بعد مرکز علم وفن بغداد منتقل ہو گئے تھے اور آخر عمر تک وہیں رہے۔ (تاریخ بغداد ج ۱۴ ص ۵۸)

بعض علما کا خیال ہے، کہ وہ بخاری الاصل تھے۔ (تہذیب التہذیب ج ۱۱ ص ۵۹)

ابتدا میں مقامی علما سے مستفید ہوئے، اس کے بعد تشنگی علم نے دور دراز ممالک کے چشموں تک پہنچایا اور وہاں انہوں نے ممتاز اور کبار فضلا کے معدن فضل وکمال سے اپنے ذہن ودماغ کو مالا مال کیا، چنانچہ مکہ میں انہوں نے امام زہری اور عمرو بن دینار سے سماع حاصل کیا، ہشیم کے والد اموی خلیفہ حجاج بن یوسف ثقفی کے باورچی تھے، پھر

اس کے بعد تجارت کا پیشہ اختیار کر لیا تھا، ان کی خواہش تھی، کہ ہشیم بھی ان کے کاروبار میں ہاتھ بٹائیں اس لیے وہ ان کو طلب علم سے روکتے تھے، لیکن وہ ان کے علی الرغم تحصیل علم میں ہمہ تن مشغول رہے۔

اتفاق سے ایک مرتبہ ہشیم سخت بیمار پڑ گئے، قاضی واسط ابوشیبہ کو اس کی اطلاع ہوئی، تو وہ اپنے تلامذہ اور عوام کے ایک جم غفیر کے ہمراہ عیادت کو تشریف لائے، بشیر بن ابی حازم کے حاشیہ خیال میں بھی نہ آ سکتا تھا، کہ قاضی وقت ان کے غربت کدہ کو بھی اپنی تشریف آوری سے زینت بخشیں گے، اس لیے وہ اپنے اس غیر متوقع اعزاز پر فرط مسرت سے بے قابو ہو گئے اور اپنے بیٹے کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

ابلغ من امرك ان جاء القاضی الی منزلی لا امنعك بعد هذا الیوم من طلب الحدیث۔ (طبقات ابن سعد ج ۷ ص ۱۸۴)

تمہاری وجہ سے قاضی میرے گھر تشریف لائے آج کے بعد میں تمہیں طلب حدیث سے نہ روکوں گا۔

علم وفضل کے اعتبار سے ہشیم بلند مرتبہ حفاظ حدیث میں تھے، متعدد تابعین کرام سے صحبت اور کسب فیض کا شرف حاصل تھا، حفظ واتقان اور عبادت وللّٰہیت میں بھی درجہ کمال پر فائز تھے، بغداد میں اپنے زمانہ کے رئیس المحدثین تھے، اسی بنا پر "محدث بغداد" ان کا لقب ہی پڑ گیا تھا، علامہ ذہبی انہیں "الحافظ احد الاعلام" لکھتے ہیں۔

(میزان الاعتدال ج ۱ ص ۲۵۷)

حافظ ابن کثیر رقم طراز ہیں "کان هشیم من سادات العلماء"۔

(البدایہ والنہایہ ج ۱۰ ص ۱۸۳)

ان کا حافظہ اتنا قوی تھا، کہ بیس ہزار حدیثیں زبانی یاد تھیں۔

(مرآۃ الجنان ج ۱ ص ۳۹۳)

حافظ ذہبی نے تذکرہ میں "الحافظ الکبیر محدث العصر" لکھ کر ان کے

علم وفضل کا اعتراف کیا ہے۔ (تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۲۲۵)

انہوں نے تحصیل علم کے لیے بہت سے دور دراز ملکوں کا سفر کیا اور پھر حدیث میں انہیں اتنا عبور ہو گیا تھا، کہ اساتذہ عصر میں شمار کیے جانے لگے، علامہ ابن سعد نے ''کان ثقة كثير الحديث حجة'' کے الفاظ سے ان کے کمال فنی کو سراہا ہے۔ (طبقات ابن سعد ج ۷ ص ۶۱)

چوں کہ ہشیم نے بصرہ، بغداد، کوفہ اور مکہ نیز دوسرے شہروں میں حلقہ درس قائم کیا تھا، اس لیے ان کے شاگردوں کی تعداد بہت زیادہ ہے۔

ہشیم بڑے قوی الحفظ تھے، ابن قطان کا بیان ہے، کہ میں نے سفیان ثوری اور شعبہ کے بعد ہشیم سے زیادہ حافظہ رکھنے والا کسی کو نہیں دیکھا۔ (مرأۃ الجنان ج ۱ ص ۳۹۳)

امام الجرح والتعدیل عبدالرحمٰن بن مہدی کا قول ہے، کہ ہشیم کا مرتبہ حفظ حدیث میں امام ثوری سے بھی بڑھا ہوا ہے۔ (العبر ج ۱ ص ۲۸۶)

عبداللہ بن مبارک جو ہشیم کے شاگرد خاص تھے، بیان کرتے ہیں، کہ مرور وقت کی بنا پر بہت سے محدثین کا حافظہ آخر عمر میں متاثر ہو جایا کرتا تھا، لیکن ہشیم کی قوت حفظ پر وقت کی پرچھائیں بھی نہ پڑ سکی۔ (تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۲۲۹)

ان کے بارے میں سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی بہت سی ایسی منامی بشارتیں بھی منقول ہیں، جو یقیناً ہشیم کے علوئے مرتبت اور جلالت شان کا ایک بڑا ثبوت ہیں۔

اسحاق الزیادی سے مروی ہے، کہ میں بغداد میں ہشیم کی صحبت میں برابر آیا جایا کرتا تھا، وہیں ایک ثقہ شخص نے بیان کیا، کہ ایک شب اس نے خواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی، آپ نے دریافت فرمایا، کہ تم لوگ کس سے حدیث کا سماع کرتے ہو؟ عرض کیا کہ ہمیں ہشیم بن بشیر سے کسب فیض کی سعادت نصیب ہے، اس پر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سکوت فرمایا، شخص موصوف نے اپنی بات دوبارہ عرض کی، یہ سن کر آپ نے ارشاد فرمایا:

نعم اسمعوا من هشيم فنعم الرجل من هشيم ۔

ہاں ہاں ٹھیک ہے ہشیم سے سماع کرو کیوں کہ وہ بہت ہی اچھا آدمی ہے۔

مشہور بزرگ معروف الکرخی بیان کرتے ہیں، کہ مجھے ایک شب حالت منام میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت نصیب ہوئی، میں نے دیکھا، کہ آپ ہشیم سے فرمار ہے ہیں:

یا هشیم جزاك الله تعالیٰ من امتی خیرا ۔

اے ہشیم تمہیں اللہ تعالیٰ میری امت کی طرف سے جزائے خیر دے۔

(۲) امام محمد بن جعفر غندر ۱۹۳ھ

محمد نام، ابوعبداللہ کنیت اور غندر لقب تھا۔ (مرآۃ الجنان ج ۱ ص ۴۴۲)

ہذیل بن مدرکہ سے نسب ولا رکھنے کے باعث ہذلی اور وطن کی طرف منسوب ہو کر بصری کہلاتے ہیں، لیکن غندر کے لقب سے زیادہ مشہور ہوئے۔

علم وفضل کے اعتبار سے شیخ غندر بلند مرتبہ اور جلیل القدر حفاظ حدیث میں تھے، امام شعبہ کے دامن فیض سے کامل بیس سال تک وابستہ رہے، اس طویل صحبت نے فضائل وکمالات میں اپنے استاذ کا جانشیں بنا دیا اور اسی بنا پر مرویات شعبہ کے باب میں ان کا پایہ باتفاق علما سب سے بلند ہے، چنانچہ حافظ ذہبی لکھتے ہیں:

احد الاثبات المتقنین ولا سیما فی شعبة ۔

(میزان الاعتدال ج ۳ ص ۳۶)

وہ ارباب اتقان میں سے تھے، بالخصوص امام شعبہ کے باب میں ان کا تثبت مسلم تھا۔

حدیث رسول کی تحصیل انہوں نے امام شعبہ کے علاوہ سعید بن ابی عروبہ، معمر بن راشد، ابن جریج، ہشام بن حسان، سفیان ثوری اور سفیان بن عیینہ وغیرہ سے کی تھی، خود ان سے مستفیض ہونے والوں میں امام احمد بن حنبل، اسحاق بن راہویہ، یحییٰ بن معین، علی

بن المدینی، ابوبکر بن ابی شیبہ، قتیبہ، عثمان بن شیبہ اور ابوبکر بن خلاد کے نام نمایاں ہیں۔

(تہذیب التہذیب ج۹ ص۹۲)

تمام علما اس بات پر متفق ہیں، کہ شیخ غندر کی مرویات حجت اور قابل قبول ہیں، علامہ ابن کثیر رقم طراز ہیں:

کان ثقة جليلا حافظا متقنا ۔ (البدایہ والنہایہ ج۱۰ ص۲۲۴)

وہ ثقہ جلیل المرتبت حافظ اور صاحب اتقان تھے۔

اتقان، تثبت اور ثقاہت ان کے نمایاں جوہر تھے، ایسے شیوخ حدیث کم ہی ہیں، جن کی مرویات پر کسی نے جرح کی جرأت نہ کی ہو، بلاشبہ ان ہی مستثنیات میں امام غندر بھی ہیں، ابن معین کا بیان ہے کہ بعض معاصر علما نے شیخ غندر کی مرویات میں خامی نکالنے کی بہت کوشش کی، مگر وہ ناکام رہے اور برملا اعتراف عجز کیا، کہ ''ما وجدنا شیئا'' ہم کو کچھ نہیں ملا۔ (میزان الاعتدال)

امام الجرح والتعدیل عبدالرحمٰن بن مہدی کا قول ہے:

غندر في شعبة اثبت منى ۔(ایضا)

غندر امام شعبہ کے باب میں مجھ سے زیادہ تثبت رکھتے ہیں۔

امام غندر ان علمائے متقنین میں سے تھے، جن کی کتاب یعنی مجموعہ روایات اپنی صحت وثقاہت کی وجہ سے سند کا مقام رکھتی ہے، چنانچہ ابن معین فرماتے ہیں:

کان من اصح الناس کتابا ۔(العبر فی خبر من غبر ج۱ ص۳۱۱)

امام وکیع ان کو صحیح الکتاب کہا کرتے تھے، عبدالرحمٰن بن مہدی کا ارشاد ہے، ہم لوگ امام شعبہ کی زندگی ہی میں غندر کے خزینہ روایات سے استفادہ کرنے لگے تھے۔

(۳) امام یحیٰی بن سعید قطان ۱۲۰ھ تا ۱۹۸ھ

حافظ الحدیث امام جرح وتعدیل یحیٰی بن سعید قطان بصرہ کے باشندے تھے، وہیں ۱۲۰ھ میں پیدا ہوئے، نسبی تعلق احرار عرب سے تھا، آپ کے دادا فروخ بنو تمیم کے

آزاد کردہ غلام تھے، اسی نسبت سے تمیمی کہے جاتے ہیں، یحییٰ قطان نے جس ماحول میں آنکھ کھولی تھی، وہ قال اللہ وقال الرسول کے غلغلوں سے معمور تھا، قدرت نے انہیں حفظ وضبط کی بے مثال قوت سے نوازا تھا، وہ بے شمار احادیث کے حافظ تھے، کتاب سامنے رکھ کر حدیث بیان نہ کرتے تھے، بڑے بڑے ائمہ حدیث آپ کی قوت حفظ وضبط کے قائل تھے۔

سلیمان بن اشعث نے ایک دفعہ امام احمد سے پوچھا، کیا یحییٰ آپ کو اپنے حافظہ سے روایت سناتے تھے؟ فرمایا ہم نے ان کے پاس کتاب نہیں دیکھی اور وہ ہماری کتاب کی طویل طویل حدیثیں پڑھ دیا کرتے تھے۔

بعض اوقات محدثین امتحان کی غرض سے حدیثوں کو گڈمڈ کر کے ان کے سامنے بیان کرتے، یحییٰ بن سعید بلا تامل سقم روایت اور تدلیس کی نشاندہی کر کے حدیث کو صحیح صحیح بیان فرما دیا کرتے تھے۔

ابن مہدی کا بیان ہے، کہ ایک بار مجھ سے حضرت سفیان نے فرمایا، کہ تم کوئی ایسا آدمی لاؤ جس سے میں حدیث میں مذاکرہ کروں، یہ حضرت یحییٰ بن سعید کو لے کر پہنچ گئے، دونوں میں دیر تک مذاکرہ حدیث ہوتا رہا، جب یحییٰ گھر تشریف لے گئے، تو سفیان نے مجھ سے کہا، کہ ابن مہدی! میں نے تم سے کوئی انسان لانے کو کہا تھا، لیکن تم بجائے انسان کے ایک جن لے آئے، حافظ ذہبی واقعہ نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

اندھش سفیان من حفظہ ۔ (تذکرہ ج ۱ ص ۲۷۶)

سفیان ثوری نے حضرت یحییٰ کے غیر معمولی حافظہ سے مرعوب ہو کر یہ فرمایا تھا۔

یحییٰ بن سعید نے اس غیر معمولی قوت حفظ کے ساتھ علم حدیث کی تحصیل کی تھی، اور وقت کے اکابر مشائخ حدیث سے تحصیل علم کر کے اپنے دامن کو خوب خوب بھر لیا تھا۔

علم حدیث میں یحییٰ بن سعید کو امتیازی شان حاصل تھی، وہ درجہ امامت پر فائز تھے، عراق میں حدیث کا عام رواج انہیں کی ذات سے ہوا، انہوں نے رواۃ کی تنقید اور

جرح وتعدیل کا خاص اہتمام کیا، پھر جو راوی ثقہ ثابت ہوئے ان کی مرویات کو رائج کیا اور جو لوگ ضعیف ثابت ہوئے ان کو ترک کر دیا۔

امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں:

ما رایت احدا اقل خطأ من یحییٰ بن سعید،

میں نے یحییٰ بن سعید سے کم خطا کرنے والا کسی کو نہیں دیکھا۔

عجلی فرماتے ہیں:

کان تقی الحدیث لا یحدث الا عن ثقة ۔(تذکرہ ج ۱ ص ۲۷۵)

یحییٰ کی حدیثیں صاف ستھری ہوتی تھیں اور وہ بجز ثقات کے کسی اور سے روایت نہیں کرتے تھے۔

حضرت شعبہ سے وہ بہت قریب تھے، کامل بیس سال تک ان کی خدمت میں رہے اور ہر روز زیادہ سے زیادہ ان سے تیرہ حدیثیں سنتے، شیخ کی بارگاہ سے اس طویل وابستگی کا نتیجہ یہ ہوا، کہ وہ اتنے بڑے محدث ہو گئے، کہ کسی مسئلہ میں اختلاف ہوتا تو خود حضرت شعبہ ان کو حکم مقرر کرتے۔

عبدالرحمٰن بن مہدی نے یحییٰ بن سعید قطان سے دو ہزار حدیثیں اپنے ذخیرہ حدیث میں شامل کر لی تھیں، جنہیں وہ ان کی زندگی ہی میں دوسروں سے روایت کرتے تھے۔ ائمہ حدیث نے آپ کی بلند پایہ محدثانہ شخصیت کا اعتراف اس طرح کیا ہے:

☆ **علی بن مدینی:** ''ما رایت اثبت من یحییٰ القطان''، میں نے یحییٰ بن سعید قطان سے زیادہ پختہ کار کسی کو نہیں دیکھا۔(تہذیب ج ۱۱ ص ۱۹۱)

☆ **احمد بن حنبل:** ''مارات عینای مثله'' میری آنکھوں نے یحییٰ بن سعید کا مثل نہیں دیکھا۔ ''کان الیه المنتهیٰ فی التثبت بالبصرة...... لا واللہ ماادر کنا مثله'' بصرہ میں تثبت فی الحدیث ان پر ختم تھا...... خدا کی قسم ہم نے ان کا مثل نہیں پایا۔

☆ **ابوزرعہ:** ''کان من الثقات الحفاظ'' یحییٰ ثقات حفاظ حدیث میں

تھے۔(تہذیب ج ۱۱ص ۱۹۲)

☆ابو حاتم:۔ ''حجة حافظ''(ایضا)

☆نسائی:۔ ''ثقة ثبت مرضی''(ایضا)

یحیٰ بن سعید قطان محض کثیر الروایہ محدث ہی نہ تھے، بلکہ وہ جرح و تعدیل، نقد حدیث اور اسماء الرجال کے امام بھی تھے اور اس فن میں انہوں نے بڑا درک اور کمال حاصل کر لیا تھا، حفظ حدیث اور تحدیث روایت سے کہیں زیادہ اہم کام یہ ہے، کہ راویان حدیث کے احوال و کوائف کا صحیح علم رکھا جائے، ان کی قوت و ضعف ان کے عقیدہ و مسلک ان کی دیانت و تقویٰ سے متعلق جملہ معلومات محفوظ رکھی جائیں اور پھر سلسلہ سند میں راویوں کی ترتیب یاد رکھی جائے تاکہ تدلیس سے سند حدیث کو بچایا جا سکے، امام یحیٰ بن سعید نے یہ کام بڑی ذمہ داری اور حزم و احتیاط کے ساتھ انجام دیا۔ ابن منجویہ کا بیان ہے:

كان من سادات اهل زمانه حفظا وورعا وفهما وفضلا ودينا وعلما وهو الذى مهد لاهل العراق رسم الحديث وامعن فى البحث عن الثقات وترك الضعفاء .

(تہذیب التہذیب ج ۱۱ص ۱۹۳)

وہ اپنے زمانہ میں حفظ و ورع، عقل، فضل، دین اور علم کے سردار تھے، انہوں نے اہل عراق کے لیے حدیث کی بساط بچھائی اور ثقہ راویوں کے قبول کرنے اور ضعیف راویوں کے ترک کر دینے میں انہوں نے کافی غور و خوض کیا اور تلاش و تفتیش کی۔

امام جرح و تعدیل ابن مدینی کہتے ہیں:

مارايت اعلم بالرجال من يحيىٰ القطان ولا رايت اعلم بصواب الحديث والخطأ من ابن مهدى فاذا اجتمعا فى

ترك رجل تركته واذا اخذ عنه احدهما حدثت عنه .

(ایضاص ۱۹۱)

میں نے یحییٰ بن سعید سے زیادہ علم رجال کا اور عبد الرحمٰن بن مہدی سے زیادہ حدیث کی خطا وصواب کا جاننے والا کسی کو نہیں دیکھا، چنانچہ یہ دونوں جس راوی کو ضعیف قرار دیتے ہیں اس کو ترک کر دیتا ہوں اور جن رواۃ سے یہ روایتیں قبول کر لیتے ہیں میں بھی قبول کر لیتا ہوں۔

(ایضا)

امام یحییٰ قطان کے تبحر علمی اور کمال فن کی بنا پر امت کے اکابر ان کا حد درجہ احترام کیا کرتے تھے، خلیل کہتے ہیں، وہ کسی اختلاف کے بغیر مسلم امام تھے اور بصرہ میں امام مالک کے اصحاب میں سب سے زیادہ جلیل القدر تھے۔

ظاہری شکل وصورت کے لحاظ سے وجیہہ نہ تھے، دیکھنے میں ایک معمولی آدمی معلوم ہوتے تھے، لیکن ان کی علمی تمکنت اور وقار کا یہ عالم تھا، کہ وہ عصر کی نماز سے فارغ ہو کر مسجد ہی میں ٹیک لگا کر بیٹھتے اور ان کا حلقہ درس قائم ہوتا تو بڑے بڑے اساطین علم حدیث جن میں علی بن مدینی امام احمد بن حنبل، یحییٰ بن معین جیسے اکابر شامل ہوتے تھے، باادب کھڑے ہو کر ان سے حدیث کے متعلق استفسارات کرتے رہتے تھے۔

(تہذیب ج ۱۱ ص ۱۹۲)

ابن عمار کہتے ہیں:

كنت اذانظرت الى يحيىٰ بن سعيد ظننت انه لا يحسن شيئا كان يشبه النجار فاذا تكلم انصت له الفقهاء .

(تذکرہ ج ا ص ۲۷۵)

جب میں یحییٰ قطان کو دیکھتا تو بظاہر وہ ایک بڑھئی معلوم ہوتے تھے، میرا خیال تھا، کہ یہ کسی مسئلہ کی نسبت کوئی تسلی بخش جواب نہ دے سکیں گے،

لیکن جب وہ تقریر شروع کرتے تھے، تو بڑے بڑے فقہا خاموش ہو کر اسے سنتے تھے۔

(۴) حضرت امام عبدالرحمٰن بن مہدی ۱۳۵ھ تا ۱۹۸ھ

اسم گرامی عبدالرحمٰن، ابوسعید کنیت والد کا نام مہدی تھا، یہ قبیلہ ازد کے مولیٰ تھے، آپ کے خاندان میں موتیوں کا کاروبار ہوتا تھا اس لیے لولوی بھی مشہور ہیں، آپ غلامان اسلام سے ہونے کے باوجود علم و فضل میں اتنے ممتاز ہوئے، کہ یحییٰ بن معین اور یحییٰ بن سعید قطان کے ہم پلہ سمجھے جاتے ہیں اور زمرہ تبع تابعین میں امامت فی الحدیث کا درجہ رکھتے ہیں۔

آپ کی ولادت، بمقام شہر بصرہ ۱۳۵ھ میں ہوئی، جو اس وقت علم و فضل کا مرکز تھا، چوں کہ بصرہ میں مختلف قوم و نسل کے لوگ آباد تھے اور اس اختلاط سے ایک بری رسم جو بصرہ میں قائم ہوئی وہ پند و موعظت کی مجلسوں میں قصہ گوئی کا عام رواج تھا، قصہ گو واعظوں کو عوام میں مقبولیت حاصل تھی، چنانچہ ابن مہدی نے جب شعور کی آنکھیں کھولیں، تو انہیں قصہ گویوں کی صحبت اختیار کر لی، ابو عامر عقدی کہتے ہیں، کہ وہ قصاص کے پاس جایا کرتے تھے، ایک دن میں نے ان سے کہا، کہ ان قصہ گویوں کی صحبت سے تمہارے ہاتھ کچھ نہ آئے گا، چنانچہ میری یہی نصیحت ان کو علم حدیث کی طرف مائل کرنے کا سبب بن گئی، پھر یہ طلب اتنی بڑھی کہ بصرہ سے سیکڑوں میل دور دیار نبی (مدینہ منورہ) پہنچے اور امام مالک کے حلقہ درس میں شریک ہو کر علم کی پیاس بجھائی۔

(تاریخ بغداد ج ۱۰ ص ۲۴۰)

ابن مہدی نے بڑے ذوق اور انہماک سے تابعین اور تبع تابعین کے حلقہ درس سے خوب خوب استفادہ کیا۔

ابن مہدی نے وقت کے جلیل القدر ائمہ فن کی بارگاہوں سے علم حدیث کا جو حظ وافر اپنے دامن میں سمیٹ لیا تھا، اس نے ان کو وقت کا امام اور مرجعۂ خلائق بنا دیا تھا،

علم حدیث میں آپ کی بلند پایہ شخصیت کا اعتراف وقت کے بڑے بڑے ائمہ حدیث نے کیا ہے۔

☆احمد بن حنبل:۔"ما رایت بالبصرة مثل یحییٰ بن سعید وبعده عبدالرحمن وعبدالرحمن افقه الرجلین ......اذا اختلف وکیع وعبدالرحمن فعبدالرحمن اثبت لانه اقرب عهدا بالکتاب' 'میں نے بصرہ میں یحییٰ بن سعید اور ان کے بعد عبدالرحمٰن بن مہدی جیسا عالم نہیں دیکھا، عبدالرحمٰن یحییٰ سے بڑے فقیہ تھے، جب وکیع اور عبدالرحمٰن اختلاف کریں، تو عبدالرحمٰن زیادہ پختہ کار ہیں، کیوں کہ انہوں نے اپنی کتابوں میں حدیث کا سرمایہ تازہ بہ تازہ جمع کیا ہے۔

(تہذیب التہذیب ج۶ ص ۲۵۱)

☆علی بن مدینی:۔"کان عبدالرحمن بن مهدی اعلم الناس ......لو حلفت بین الرکن والمقام لحلفت بالله انی لم ار احدا قط اعلم بالحدیث من عبدالرحمن بن مهدی ......ماشبهت علم عبدالرحمن بالحدیث الا بالسحر' 'عبدالرحمٰن بن مہدی لوگوں میں سب سے بڑے عالم تھے......اگر میں رکن اور مقام ابراہیم کے درمیان کھڑا ہو کر قسم کھاؤں تب بھی یہی کہوں گا کہ میں نے ان سے بڑا عالم حدیث کوئی نہیں دیکھا......حدیث کے بارے میں عبدالرحمٰن کا علم جادو کی حیثیت رکھتا ہے۔(ایضا)

☆ابو حاتم:۔"هو اثبت اصحاب حماد بن زید وهو امام فقه اثبت من یحییٰ بن سعید واتقن من وکیع وکان یعرض حدیثه علی الثوری' 'وہ حماد بن زید کے اصحاب میں اثبت اور ثقہ امام تھے، یحییٰ بن سعید سے اثبت اور وکیع سے اتقن تھے اور وہ ثوری کے سامنے حدیث بیان کرتے تھے۔(ایضا)

☆ابن حبان:۔"کان من الحفاظ المتقنین واهل الورع فی الدین ممن حفظ وجمع وتفقه وصنف وحدث وابی الروایة الا عن الثقات' 'وہ

متقن حفاظ حدیث میں تھے اور دین میں صاحب تقویٰ یہ ان علما میں تھے، جنہوں نے علم حدیث حفظ کیا اور جمع کیا، تفقہ پیدا کیا، کتابیں لکھیں، حدیث بیان کی اور انہوں نے غیر ثقہ لوگوں سے روایتیں قبول نہیں کیں۔ (ایضا)

امام ابن مہدی حفظ وضبط میں بھی یکتائے روزگار تھے، جو سنتے یاد رکھتے اور مجال نہیں کہ اس میں کوئی غلطی یا خطا واقع ہو جائے، اسی بنا پر لوگ ان کی مہارت حدیث کو جادو سے تعبیر کرتے تھے، محمد بن یحییٰ کہتے ہیں، میں نے عبدالرحمٰن بن مہدی کے ہاتھوں میں کبھی کوئی کتاب نہیں دیکھی، میں نے ان سے جو کچھ سنا ہے، وہ اپنی یاد سے روایت کرتے تھے۔ (تاریخ بغداد ج۱۰ص ۲۴۷)

امام ابن مہدی اس بات کی کوشش کرتے، کہ روایت باللفظ کریں، اسماعیل بن اسحاق القاضی کا بیان ہے، کہ علی بن مدینی غایت درجہ محتاط تھے، ایک دن انہوں نے عبدالرحمٰن بن مہدی کا امتحان لینے کی غرض سے ان کے سامنے کوئی حدیث خلط ملط کر کے پیش کی، لیکن انہوں نے فوراً پہچان لیا اور کہا، کہ یہ حدیث فلاں شخص سے اس طرح مروی ہوگی، بعد میں ہم نے اس کی تحقیق کی تو واقعی وہ حدیث اسی طرح نکلی۔

(تاریخ بغداد ج۱۰ص ۲۴۵)

قواریری کہتے ہیں:

املی علی ابن مهدی عشرین الف حدیث حفظا۔ (تذکرہ ج۱ص ۳۰۲)

امام عبدالرحمٰن بن مہدی نے مجھے بیس ہزار احادیث زبانی املا کرائیں۔

شب وروز کی ممارست اور صحیح قوت فیصلہ کی وجہ سے ان میں تنقید حدیث کا ایک ایسا ملکہ پیدا ہو گیا تھا، کہ وہ بیک نظر صحیح کو سقیم سے جدا کر لیتے۔

عبیداللہ بن سعید کہتے ہیں، میں نے امام عبدالرحمٰن بن مہدی کو فرماتے سنا:

لایجوز ان یکون الرجل اماما حتی یعلم مایصلح مما لایصلح۔ (ایضا)

کسی شخص کو جب تک وہ صحیح اور غیر صحیح احادیث میں تمیز نہیں کرسکتا، امامت کا درجہ دینا جائز نہیں۔

علم حدیث میں ان کا شمار ان اساطین امت میں ہوتا ہے، جن کے ذریعہ فن اہل ہوس کی دست برد سے محفوظ و مامون رہا، وہ جرح وتعدیل کے امام تھے، انہیں صحیح وسقیم احادیث کا ملکہ حاصل تھا، نعیم بن حماد نے عبدالرحمٰن بن مہدی سے دریافت کیا:

کیف تعرف الکذاب قال کما یعرف الطبیب المجنون ۔

(ایضا)

آپ حدیث میں جھوٹے کو کیسے معلوم کرلیتے ہیں، فرمایا جیسے طبیب دیوانے کو معلوم کرلیتے ہیں۔

امام احمد بن حنبل فرماتے تھے، ابن مہدی جس شخص کی روایت قبول کرلیں سمجھو کہ وہ حجت ہے۔ (تاریخ بغداد ج ۱۰ ص ۲۴۳)

جرح وتعدیل اور معرفت رجال میں آپ کا مرتبہ بہت بلند تھا، راویوں کی معرفت کا ملکہ فطری تھا، راوی کی گفتگو ہی سے اس کی حیثیت کا پتہ لگا لیتے تھے اور طبیب حاذق کی طرح اس کی صحت وضعف کو معلوم کرلیتے۔

ابن مہدی نے جس لگن اور ذہانت کے ساتھ علم کی تحصیل کی تھی اس کا لازمی نتیجہ تھا، کہ آپ ابتداء ہی سے مرجوعۂ خلق بن گئے تھے، لوگ دین ودنیا کے مسائل اور حدیث کے حصول کے لیے آپ کی بارگاہ میں جوق در جوق حاضر ہوا کرتے تھے، ایوب بن متوکل کا بیان ہے:

کنا اذا اردنا ان ننظر الی الدین و الدنیا ذھبنا الی دار عبدالرحمن بن مھدی ۔ (تذکرہ ج ۱ ص ۳۰۲)

ہمیں جب کبھی کسی دینی ودنیاوی معاملہ میں غور کرنے کی ضرورت ہوتی تھی، ہم عبدالرحمٰن بن مہدی کے گھر چلے جاتے تھے۔

ابن مہدی کے پاس احادیث نبوی کا بہت بڑا سرمایہ موجود تھا اور ان کے پاس حدیثوں اور سندوں کی جانچ کا معیار بھی موجود تھا، وہ اصول روایت ودرایت میں امتیازی شان رکھتے تھے، جو شخص دین کی روح اور مآخذ فقہ سے کامل آگاہ ہو اس کے تفقہ فی الدین میں کیسے شبہ ہوسکتا ہے، ابن مہدی امام حدیث ہونے کے ساتھ بڑے فقیہ بھی تھے، امام احمد بن حنبل جو خود بڑے محدث اور عظیم فقیہ تھے فرماتے ہیں، بصرہ میں دو غیر معمولی عالم پیدا ہوئے ایک یحییٰ بن سعید دوسرے عبدالرحمٰن بن مہدی مگر تفقہ میں ابن مہدی کا پلہ بھاری تھا۔

حافظ ذہبی لکھتے ہیں:

کان عبدالرحمن فقیها بصیرا بالفتویٰ عظیم الشان ۔

(تذکرہ ج ا ص ۳۰۲)

امام عبدالرحمٰن بن مہدی عظیم الشان فقیہ اور بلند پایہ مفتی تھے۔

علی بن مدینی کہا کرتے تھے، مدینہ منورہ کے فقہائے سبعہ کے فتاوے کا امام زہری پھر امام مالک اور ان کے بعد عبدالرحمٰن کو سب لوگوں سے زیادہ علم تھا۔ (ایضا)

(۵) امام ابوداؤد طیالسی م ۲۰۴ھ

اسم گرامی سلیمان، ابوداؤد کنیت ہے، سلسلہ نسب یہ ہے: سلیمان بن داؤد بن جارود۔ آپ فارسی الاصل ہیں۔ (تذکرہ ج ا ص ۲۷۰)

ولادت ۱۳۳ھ میں ہوئی اور وہ آل زبیر قریشی کے مولیٰ تھے، یہی وجہ ہے، کہ فارسی، بصری، طیالسی کی نسبت سے یاد کیے جاتے تھے، ان میں سب سے زیادہ مشہور نسبت طیالسی ہے، یہ طیالسہ کی جانب منسوب ہے، جو طیلسان کی جمع ہے، یہ ایک قسم کی چادر ہوتی تھی، جسے اہل عرب دستار کے اوپر اوڑھا کرتے تھے۔

ابوداؤد نے جب بصرہ میں آنکھ کھولی، تو وہ فروغ علم کا سنہری دور تھا، اسلامی بلاد وامصار میں علوم وفنون کے دھارے چل رہے تھے، آپ نے اپنے ذوق وشوق اور فطری

حفظ وضبط کی مدد سے مروجہ علوم وفنون حاصل کیے، طلب علم کی خاطر بغداد، اصفہان اور دوسرے مراکز علم کا سفر بھی کیا، ان کے اساتذہ کی تعداد بہت زیادہ ہے، وہ خود بیان کرتے ہیں ''کتبت عن الف شیخ ''میں نے ایک ہزار شیوخ سے حدیثیں لکھی ہیں۔ (تہذیب ج ۴ص ۱۶۲)

امام ابوداؤد نے اپنے زمانہ کے متداول علوم وفنون سیکھے، مگر انہیں علم حدیث میں اتنا کمال حاصل ہوا، کہ وہ امامت کے درجہ پر فائز ہوگئے، ان کا حافظہ بہت قوی تھا، تحصیل حدیث کے لیے جس غیر معمولی قوت حفظ وضبط کی ضرورت ہوتی ہے، قدرت نے یہ ملکہ وافر مقدار میں آپ کو ودیعت فرمایا تھا اور وہ اس وصف میں اپنے معاصرین سے بدرجہا برتر تھے۔

☆ فلاس وعلی بن مدینی:۔ ''مارایت احفظ منہ' 'میں نے ان سے بڑا حافظ نہیں دیکھا۔ (تذکرہ ج ۱ص ۳۲۱)

☆ عمرو بن شیبہ:۔ ''کتبوا عن ابی داؤد من حفظہ اربعین الف حدیث' 'محدثین نے ان سے چالیس ہزار حدیثیں زبانی لکھیں۔ (ایضا)

عدالت وثقاہت میں ان کا مرتبہ کافی بلند تھا، علماے جرح وتعدیل نے ان کی توثیق کی ہے:

☆ عبدالرحمٰن بن مہدی:۔ ''ھو اصدق الناس' 'وہ لوگوں میں سب سے زیادہ سچے تھے۔ (تذکرہ ج ۱ص ۲۷۰)

☆ ابومنذر نعمان:۔ وہ معتمد ثقہ تھے۔

☆ ابن معین:۔ ابوداؤد اصدق ہیں اس لیے وہ مجھے زیادہ پسند ہیں۔

☆ امام احمد بن حنبل:۔ وہ ثقہ اور صدوق تھے۔

☆ خطیب:۔ ''کان حافظا مکثرا ثقۃ ثبتا' 'ابوداؤد حافظ مکثر الروایہ معتمد اور پختہ کار تھے۔ (تہذیب ج ۴ص ۱۶۲)

امام ابوداؤد محض حافظ الحدیث اور بڑے ناقل ہی نہ تھے، بلکہ احادیث کی پرکھ میں بھی مہارت رکھتے تھے، بندار کا بیان ہے، وہ حفظ اور معرفت حدیث کے لحاظ سے نہایت برتر تھے، امام وکیع حدیث میں ابوداؤد کی غیر معمولی واقفیت اور تمیز کی بنا پر ان کو جبل العلم کہتے تھے، یحییٰ بن معین ان کو عبدالرحمٰن بن مہدی سے بھی زیادہ صاحب علم اور حدیثوں کا واقف کار بتاتے ہیں، ان کے شیخ امام شعبہ کو ان کے علم وتمیز پر اتنا اعتماد تھا، کہ اپنی عدم موجودگی میں ان کو مسند درس پر رونق افروز ہونے کی اجازت دے دیتے تھے۔

کتب حدیث میں مسانید کے جو مجموعے مشہور ہیں، ان میں مسند ابوداؤد طیالسی کو خاص اہمیت حاصل ہے، وہ دوسرے مسانید پر تقدیم کی فضیلت رکھتی ہے، بعض علمائے اسلام نے اس کو سب سے قدیم مسند قرار دیا ہے، محدث حاکم صاحب مستدرک کا بیان ہے، علمائے اسلام میں عبیداللہ موسیٰ اور ابوداؤد طیالسی نے سب سے پہلے تراجم رجال پر مسانید مرتب کیے۔ (الرسالۃ المستطرفۃ ص ۳۵۲)

مسند گیارہ ابواب پر مشتمل ہے، اس میں بڑی حد تک مسانید کے تمام اصولوں کا لحاظ رکھا گیا ہے

(۶) حافظ اکبر امام عبدالرزاق ۱۲۶ھ تا ۲۱۱ھ

اسم گرامی عبدالرزاق، ابوبکر کنیت، سلسلہ نسب یہ ہے: عبدالرزاق بن ہمام بن نافع۔ یمن کے پایہ تخت صنعاء کے رہنے والے تھے آپ کے والد ہمام ثقہ تابعین میں شمار ہوتے تھے، ابتدا میں اپنے والد اور مقامی شیوخ سے علم حاصل کیا، تجارت کے لیے اسلامی بلاد وامصار کے سفر کیے اور وہاں کے شیوخ سے استفادہ کیا۔ حافظ ذہبی لکھتے ہیں:

رحل فی تجارۃ الی الشام ولقی الکبار ۔ (تذکرہ ج ۱ ص ۳۳۱)

وہ تجارت کی غرض سے شام جاتے اور وہاں کے کبار علما کی خدمت میں حاضر ہوتے۔

غیر معمولی قوت حفظ وضبط کے مالک تھے، ابراہیم بن عباد زہری کا بیان ہے، کہ ان کو سترہ ہزار حدیثیں یاد تھیں۔ (الاعلام ج ۲ ص ۵۱۹)

امام عبدالرزاق نے بیس سال کی عمر میں تمام علوم متداولہ میں مہارت پیدا کر لی تھی، انہوں نے مشہور امام فن معمر بن راشد کی بارگاہ میں کامل سات سال گزارے تھے، خود کہتے ہیں ''جالست معمرا سبع سنین'' (تذکرہ ج ۱ ص ۳۳۱)

ان کے زمانے میں امام معمر کی مرویات کا ان سے بڑا کوئی حافظ نہ تھا۔ امام احمد کہتے ہیں ''کان عبدالرزاق یحفظ حدیث معمر'' (ایضا)

عبدالرزاق بن ہمام علم وفن میں امتیازی شان رکھتے تھے، تبحر علمی، مہارت فن، قوت حفظ وضبط میں نہایت بلند مقام پر فائز تھے، ان کے علم وفضل کا اعتراف ارباب علم نے اس طرح کیا ہے:

☆ خیرالدین زرکلی:۔ ''من حفاظ الحدیث الثقات' 'وہ ثقہ حفاظ حدیث میں سے تھے۔

☆ حافظ ذہبی:۔ ''احد الاعلام الثقات'' وہ بڑے ثقہ عالم تھے۔

(تذکرہ ج ۱ ص ۳۳۱)

☆ ہشام بن یوسف:۔ ''کان عبدالرزاق اعلمنا واحفظنا' 'عبدالرزاق ہم میں سب سے بڑے عالم اور حافظ الحدیث تھے۔ (تہذیب ج ۶ ص ۲۷۹)

☆ احمد بن صالح کہتے ہیں میں نے امام احمد بن حنبل سے پوچھا ''رایت احدا احسن حدیثا من عبدالرزاق قال لا' ' کیا آپ نے کسی کو عبدالرزاق سے عمدہ حدیث والا پایا؟ انہوں نے جواب دیا نہیں!۔ (ایضا)

☆ ابوزرعہ کا بیان ہے میں نے امام احمد سے پوچھا ''من اثبت فی ابن جریج عبدالرزاق او البرسانی قال عبدالرزاق ' 'ابن جریج کے باب میں عبدالرزاق اثبت ہیں یا برسانی؟ انہوں نے کہا، عبدالرزاق۔ (ایضا)

ماہرین علم حدیث امام عبدالرزاق کی صداقت وعدالت پر متفق ہیں، ان کے ثقہ وعادل ہونے کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے، کہ ان کی احادیث صحاح ستہ میں مرقوم ہیں۔

امام عبدالرزاق کے فضل وکمال کا شہرہ سن کر اقصائے عالم سے تشنگان علم کا ہجوم سیل رواں بن کر ان کے پاس آنے لگا اور شہر صنعا قال اللہ وقال الرسول کے نغموں سے معمور ہو گیا، ان کے استاذ معمر بن راشد نے پیشین گوئی کی تھی ''اما عبد الرزاق فان عاش فخليق ان تضرب اليه اكباد الابل '' اگر عبدالرزاق کی زندگی رہی تو لوگ دور دراز مقامات سے سفر کر کے اس کے گرد ہجوم کریں گے۔ (تہذیب ج ۶ ص ۲۷۹)

یہ پیشین گوئی حرف بحرف حقیقت ہو کر رہی، مورخین کا بیان ہے، کہ عہد رسالت کے بعد کوئی شخصیت اتنی مرجوعۂ خلائق اور پر کشش ثابت نہ ہو سکی۔ علامہ یافعی نے آپ کو ''المرتحل اليه من الآفاق '' لکھا ہے یعنی وہ شخص جس کے پاس لوگ مختلف اطراف واکناف سے آتے تھے۔ (مراۃ الجنان ج ۲ ص ۵۲)

ابن اثیر لکھتے ہیں، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی کے پاس اس قدر کثرت سے لوگ نہیں آئے جتنے ابن ہمام کے پاس آئے۔ (اللباب فی تہذیب الانساب ج ۲ ص ۶۱)

امام عبدالرزاق متعدد کتابوں کے مصنف بھی تھے، مگر ان کی اکثر کتابیں امتداد زمانہ کی وجہ سے ناپید ہو چکی ہیں، بعض کے نام یہ ہیں: جامع یا سنن عبدالرزاق، کتاب السنن فی الفقہ، کتاب المغازی، تفسیر میں بھی ایک کتاب لکھی تھی، مصنف عبدالرزاق، یہ کتاب نہایت اہم اور مشہور کتاب ہے، اس میں حدیثوں کو ابواب فقہ پر ترتیب دیا گیا ہے، ابوبکر بن ابی شیبہ کی مصنف اگرچہ مجموعی حیثیت سے زیادہ اہم اور وقیع ہے، لیکن قدامت کے لحاظ سے وہ بھی اس مصنف سے کم پایہ ہے، مصنف عبدالرزاق کی خصوصیت یہ ہے، کہ اس کی اکثر حدیثیں ثلاثی ہیں، امام احمد کے اہم شیوخ اسماعیل بن علیہ سفیان بن عیینہ وکیع بن جراح اور یزید بن ہارون رضی اللہ عنہم کے تذکرے گزشتہ صفحات میں آچکے ہیں۔

مسند درس حدیث وافتا

امام صاحب کے زمانے میں علم حدیث کا فن اپنے تمام مصادر کے ساتھ بروئے کار آچکا تھا، اس عہد میں اتصال فکری بھی کامل ہو چکا تھا، نیز علوم متفرقہ اور دین کے علوم میں ایک تعلق اور رشتہ پیدا ہو چکا تھا، ان میں سے متعدد علوم وفنون میں امام احمد نے درک حاصل کیا اور جس علم وفن کو زیادہ مفید سمجھا اس میں گہری دلچسپی لی، فصل جب پک گئی، تب اسے کاٹا، درخت کی جڑیں جب اچھی طرح زمین میں تہ نشین ہو گئیں، شاخیں ہری بھری ہو گئیں، تب برگ وبار لانے کا وقت آیا، لوگوں نے یہ منظر دیکھا اور مسرور ہوئے۔

یہ وہ وقت تھا، جب امام احمد تحدیث وافتا کی مسند پر متمکن ہوئے، حافظ ابن جوزی فرماتے ہیں:

ان احمد لم ینصب نفسه للحدیث والفتویٰ الا بعد ان بلغ الاربعین ۔ (ابن حنبل ص ۴۰)

امام احمد نے جب تک زندگی کی چالیس منزلیں نہ طے کر لیں، حدیث وافتا کی مسند پر نہ بیٹھے، چنانچہ اس سلسلہ میں یہ حکایت بیان کی جاتی ہے، کہ

امام احمد کا ایک معاصر ۲۰۳ھ میں بسلسلہ طلب حدیث ان کے پاس پہنچا، لیکن انہوں نے حدیث بیان کرنے سے انکار کر دیا، اس کے بعد وہ امام عبدالرزاق بن ہمام کے پاس یمن گیا، پھر ۲۰۴ھ میں بغداد واپس آیا، تو دیکھا، کہ امام احمد حدیث بیان کر رہے ہیں اور لوگ ان پر ٹوٹے پڑ رہے ہیں۔ (ایضا)

چالیس سال کی پختہ عمر اور حدیث وفقہ میں کامل درک ووثوق حاصل کرنے کے

بعد ہی انہوں نے یہ ذمہ دار منصب اختیار کیا، ان کے حزم واحتیاط کا یہ عالم تھا، کہ اپنے اساتذہ کی زندگی میں ان کی مرویات کا درس نہ دیتے، ایک مرتبہ ان کے کسی معاصر نے استدعا کی کہ وہ کوئی ایسی حدیث روایت کریں، جو امام عبدالرزاق سے سنی ہو، لیکن انہوں نے انکار کردیا، کیوں کہ حافظ عبدالرزاق اس وقت زندہ تھے۔

تحدیث وافتا کی مسند پر چالیس سال کی عمر سے قبل رونق افروز نہ ہونے کا ایک سبب یہ بھی تھا، کہ امام احمد حدیث وسنت کی پیروی کو ہر معاملے میں ضروری قرار دیتے تھے، ان کی اتباع رسول کا یہ عالم تھا، کہ جب وہ پچھنا لگواتے تو حجام کو ایک دینار دیتے تھے، کیوں کہ حدیث میں ہے:

ان رسول الله صلى الله عليه وسلم احتجم واعطى اباطيبة دينارا۔ (بخاری کتاب البیوع)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پچھنا لگوایا اور ابوطیبہ کو ایک دینار عطا فرمایا۔

امام احمد چھوٹے چھوٹے معاملات میں اتباع سنت کا التزام فرماتے، تو مناسب یہ تھا، کہ وہ اس امر جلیل میں بھی اتباع رسول کے فرض سے پوری طرح عہدہ برآ ہوں۔ ابوزہرہ مصری لکھتے ہیں:

لقد بعث النبی صلی الله عليه وسلم فی الاربعين وبلغ رسالة ربه فی هذه السن ولم يرسله الله رحمة للناس الا فيها فلا بد ان احمد المتبع المقتدی استحییٰ ان يجلس للفتيا والحديث الا بعد ان بلغ الاربعين وبعد ان تكامل نموه فی الجسم والروح۔ (ابن حنبل ص ۳۱)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم چالیس سال کی عمر میں دعوت اسلام کے لیے مبعوث ہوئے، پس ضروری تھا، کہ چالیس سال کی عمر تک پہنچنے سے پہلے امام احمد بھی مسند درس وافتا پر بیٹھنے سے اجتناب کرتے یعنی جب

تک جسم وروح کا نمو مکمل نہ ہو جائے۔

حجاج بن شاعر کا بیان ہے، کہ میں نے ۲۰۳ھ میں احمد بن حنبل کی خدمت میں حاضر ہو کر ان سے حدیث بیان کرنے کی گزارش کی، انہوں نے انکار کر دیا، اس کے بعد میں عبدالرزاق صنعانی کے پاس یمن چلا گیا، ۲۰۴ھ میں وہاں سے لوٹ کر بغداد آیا، تو دیکھا، کہ احمد بن حنبل نے درس شروع کر دیا تھا اور لوگوں کی بھیڑ ان کے یہاں جمع تھی، اس وقت ان کی عمر چالیس سال کی ہو چکی تھی۔

مسند درس و افتا پر فائز ہونے سے قبل ہی امام احمد کے علم و فضل، زہد و ورع کا ڈنکا بلاد اسلامیہ کے اندر بجنے لگا تھا، لہٰذا جب انہوں نے مجلس درس قائم کی، تو بلاد اسلامیہ کے تشنگان علوم جوق در جوق آپ کے گرد جمع ہونے لگے، حاضرین درس کی تعداد بعض رواۃ کے مطابق پانچ ہزار نفوس کے قریب تھی، جن میں پانچ سو تلامذہ وہ تھے، جو درس کو لکھ لیا کرتے تھے، یہ نقل و کتابت کرنے والے لوگ ان کے گروہ تلامذہ کے خاص خاص افراد تھے۔ اس کثرت کے پیش نظر امام احمد نے اپنا حلقہ درس بغداد کی جامع مسجد میں قائم کیا تھا، مسجد کے علاوہ مخصوص حلقہ درس ان کے گھر پر بھی قائم ہوتا، جس میں ان کے صاحبزادگان اور مخصوص تلامذہ شریک ہوتے۔

امام احمد کی مجلس درس میں طالبان علوم نبویہ کے علاوہ کچھ لوگ حصول برکت کے لیے بھی شریک درس ہوتے، کچھ لوگ وعظ و پند سننے کی غرض سے حاضر ہوتے، کچھ لوگ اس امام کے حالات و کوائف جاننے والے سیرت و کردار کو دیکھنے کے لیے حاضر ہوتے، ان کا ایک معاصر کہتا ہے:

اختلفت الی ابی عبداللہ احمد بن احمد اثنتی عشرۃ سنۃ وھو یقرأ المسند علی اولادہ فما کتبت منہ حدیثا واحدا وانما کنت امیل الی ھدیہ واخلاقہ وآدابہ۔

(المناقب لابن الجوزی ص ۲۱۰)

میں بارہ سال تک ابو عبداللہ احمد بن حنبل کی خدمت میں حاضر رہا، وہ مسند اپنی اولاد کو پڑھایا کرتے تھے، میں نے اس میں سے ایک حدیث بھی نہیں لکھی، مجھے ان کی جس چیز سے غیر معمولی شغف تھا، وہ تھے، ان کے اخلاق وآداب اور سیرت وکردار۔

علم حدیث وفقہ میں آپ کا فیضان سیل رواں کی طرح اتنا بڑھا، کہ بے شمار طالبان حدیث نے اپنے دامن کو مالا مال کرلیا۔

امام صاحب اپنے شاگردوں کو حدیث میں سند عالی کی ہدایت کرتے اور اس کو اسلاف کی سنت بتاتے تھے، وہ کہتے تھے، حضرت عبداللہ بن مسعود کے تلامذہ ان سے حدیث سن کر کوفہ سے مدینہ جاتے تھے اور حضرت عمر سے ان کو سنتے تھے، حصول علم کے سلسلے میں ریا سے بچنے کی زیادہ سے زیادہ تاکید کرتے، فرماتے تھے، کہ دوات کا اظہار ریا میں داخل ہے، اس سے لوگ سمجھیں گے، کہ یہ حدیث لکھتا پڑھتا ہے۔

جب بغداد سے باہر ہوتے جہاں رہتے، استفادہ کرنے والوں کی ایک بھیڑ ان کے گرد جمع ہو جاتی۔ نوح بن حبیب کہتے ہیں:

زایت احمد فی مسجد الخیف سنة ۱۹۸ ھ مستندا الی المنارة فجاءہ اصحاب الحدیث فجعل یعلمهم الفقه والحدیث ویفتی الناس ۔(تہذیب ج ا ص ۶۴)

میں نے امام احمد کو ۱۹۸ھ میں (بمقام منی) مسجد خیف میں دیکھا، منارہ سے ٹیک لگا کر بیٹھے تھے، تو ان کے پاس اصحاب حدیث آئے، وہ انہیں حدیث وفقہ کی تعلیم دینے لگے اور لوگوں کو فتویٰ بتانے لگے۔

امام احمد اپنے طلبہ کے ساتھ نرمی کا برتاؤ کرتے اور ان کے آرام وآسائش کا پورا خیال رکھتے

امام صاحب کی مجلس خالص علمی ہوتی، دوسرا موضوع زیر بحث ونظر نہ آتا اور نہ

لایعنی باتیں کی جاتیں، ابوداود سجستانی کہتے ہیں، میں نے دوسو ماہرین سے استفادہ کیا، لیکن ان میں امام احمد بن حنبل کے مثل کوئی نہ تھا، وہ کبھی دنیاوی کلام نہ کرتے، جب گفتگو کرتے، تو موضوع سخن کوئی علمی مسئلہ ہی ہوتا۔

امام احمد کی عام مجلس درس نماز عصر کے بعد منعقد ہوتی، شاید انہوں نے یہ وقت اس لیے مقرر کیا تھا، کہ لوگوں کو اس وقت مشاغل حیات سے فرصت ہوا کرتی ہے، لہٰذا عام طور پر لوگوں کو حلقہ درس میں شرکت کا موقع مل جاتا، یہ وقت چوں کہ انتشار واضطراب سے مہلت اور صفائی نفس کا وقت ہے، اس وقت حدیث وافتا سے متعلق جو باتیں سننے میں آتی ہیں، انہیں نفس انسانی بشاشت اور مسرت کے ساتھ قبول کرتا ہے، لہٰذا یہ باتیں دل کی گہرائی میں اتر جاتی ہیں۔

امام احمد کی مجلس درس کی اہم خصوصیتیں یہ تھیں:

(۱) آپ کے حلقہ درس میں تواضع اور اطمینان نفس کے ساتھ وقار وسکون کی کیفیت طاری رہتی تھی، وقار وطمانیت کا یہ دبدبہ حلقہ درس ہو یا عام مجلس ہر جگہ قائم رہتا تھا، امام صاحب نہ مذاق کرتے نہ لہو ولعب کی باتیں پسند کرتے، ان کی مجلس میں آمد ورفت رکھنے والا ہر شخص آپ کے اس انداز سے باخبر ہوتا، چنانچہ حاضرین مجلس لغو اور لایعنی باتوں سے پرہیز کرتے، امام کے شیوخ واساتذہ بھی اس بات کا لحاظ رکھتے اور امام صاحب کی موجودگی میں مزاح کی باتوں سے گریز کرتے۔

(۲) امام احمد جو بات کہتے، تحقیق کے ساتھ کہتے، درس حدیث میں جن احادیث کا درس دیتے، پہلے ان کی تحقیق کر لیتے، ان کتابوں کا مطالعہ کرتے، جن میں چھان پھٹک کر حدیثیں مدون کی تھیں، جب وہ کسی قول کو حدیث نبوی قرار دیتے، تو یہ بات اس وقت تک نہ کہتے، جب تک کتابوں میں دیکھ کر اطمینان نہ کر لیتے، تاکہ نقل وبیان میں کسی قسم کی امکانی غلطی کا اندیشہ نہ رہے۔

(۳) وقار وتمکنت حلقہ درس کی اہم خصوصیت تھی، وہ طلب کے بغیر حدیث بیان

نہ کرتے، جب تک کوئی بات پوچھی نہ جائے گفتگو کا آغاز نہ فرماتے، تاریخ ذہبی میں مروزی جو امام صاحب کے ساتھی تھے، ان کی مجالس کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں:

لم ار الفقير في مجلس اعز منه في مجلس ابي عبدالله كان مائلا اليهم مقصرا عن اهل الدنيا و كان فيه حلم لم يكن بالعجول بل كان كثير التواضع تعلوه السكينة والوقار اذا جلس مجلسه بعدالعصر لايتكلم حتى يسأل (تاریخ ذہبی ج۱ ص۹۲)

کسی مجلس میں میں نے امام ابوعبداللہ کی مجلس سے زیادہ کسی کم مایہ اور فقیر شخص کو معزز اور ممتاز نہیں دیکھا، وہ دنیا والوں سے میل جول کم رکھتے تھے، حلیم اور برد بار تھے، عجلت کو پسند نہیں کرتے تھے، کثیر التواضع تھے، سکینہ اور وقار ان کی سرشت تھی، اپنی مجلس میں جب عصر کے بعد تشریف فرما ہوتے، تو اس وقت تک خاموش رہتے تھے، جب تک ان سے سوال نہ کیا جائے۔

امام احمد جب مسجد تشریف لے جاتے، تو اپنی کتاب ''کتاب الایمان'' اور ''کتاب الاشربہ'' ساتھ لے جاتے، اس خیال سے کہ لوگ جب مسائل دریافت کریں تو ان کا جواب احادیث نبوی کی روشنی میں دیا جائے، ''کتاب الایمان'' اس لیے ساتھ رکھتے، کہ وہ ایسا زمانہ تھا، جب عقائد میں اضطراب اور کجی و ناہمواری کے اسباب پیدا ہو چکے تھے اور ''کتاب الاشربہ'' اس لیے ساتھ رکھتے، کیوں کہ ان دنوں حرام مشروبات کی کثرت ہو گئی تھی اور مختلف قسم کی شرابیں رواج پا رہی تھیں، محتاط اور خداترس لوگ خائف رہتے تھے، کہ مبادا بے سمجھے بوجھے حرام کے مرتکب ہو جائیں اور، مشروب حرام کا گھونٹ حلق سے اتار لیں، یہ سمجھتے ہوئے، کہ ان چیزوں کا شمار طیبات میں ہے، جنہیں خدائے بزرگ و برتر نے حلال فرما دیا ہے۔

ابوحاتم کا بیان ہے:

اتیت احمد بن حنبل فی اول ما التقیت به فی سنة ثلاث عشرة ومأتین واذا هو قد اخرج معه الی الصلوٰة کتاب الاشربة و کتاب الایمان فصلی فلم یساله احد فرده الی بیته واتیته یوما آخر فاذا هو قد اخرج الکتابین فظننت انه یحتسب فی اخراج ذلك ۔ لان کتاب الایمان اصل الدین و کتاب الاشربة یفرق الناس عن الشر فان اصل کل شر من السکر ۔ (تاریخ ذہبی بحوالہ ابن حنبل ص ۳۴)

میں ۲۱۳ھ میں پہلی بار امام احمد سے ملا، تو میں نے دیکھا، کہ وہ گھر سے مسجد کے لیے نکلے اور ان کے پاس ''کتاب الاشربہ'' اور ''کتاب الایمان'' تھی، انہوں نے نماز پڑھی، تو کسی نے ان سے کوئی سوال نہیں پوچھا، تو اسے گھر لوٹا دیا اور دوسرے دن ان کے پاس آیا، تو وہ آج بھی دونوں کتابیں لے کر باہر تشریف لائے، میں نے گمان کیا، کہ وہ کتابوں کو ثواب کی نیت سے لے کر چلتے ہیں، ''کتاب الایمان'' اصل دین ہے، ''کتاب الاشربہ'' میں وہ مسائل ہیں جو آدمی کو شر سے روکتے ہیں، اس لیے کہ ہر شر اور فتنہ کی جڑ نشہ ہے۔

اس واقعہ سے معلوم ہوا، کہ ابن حنبل بغیر سوال کے مسائل بیان نہ کرتے اور مسائل حدیث کی روشنی میں ذکر فرماتے اپنی قوت حفظ وضبط کے باوجود محض حافظہ پر اعتماد کرتے ہوئے، حدیث کی روایت نہ کرتے۔

ان کے صاحبزادے عبداللہ بیان کرتے ہیں:

ما رایت ابی حدث عن حفظه من کتاب الا باقل من مائة حدیث ۔ (حلیۃ الاولیاء ج ۹ ص ۱۶۵)

میں نے اپنے والد کو بغیر کتاب کے صرف یادداشت کی بنا پر حدیث

روایت کرتے نہیں دیکھا، سوائے کچھ حدیثوں کے جن کی تعداد سو سے کم ہوگی۔

امام احمد اپنے شاگردوں کو بھی کتاب سے روایت کرنے کی تاکید فرماتے تھے، کہ کہیں وہ گمرہی کے موجب نہ ہو جائیں، چنانچہ امام علی بن مدینی کتاب دیکھے بغیر کوئی روایت نہ کرتے۔ وہ فرماتے تھے:

ان سیدی احمد بن حنبل امرنی لا احدث الا من کتاب ۔

میرے سردار احمد بن حنبل نے مجھے حکم دیا ہے، کہ بغیر کتاب دیکھے روایت نہ کروں۔

علی بن مدینی امام احمد کے حافظہ کے بارے میں کہتے ہیں:

لیس فی اصحابنا احفظ من ابی عبداللہ ۔

ہمارے اصحاب میں ابوعبداللہ سے زیادہ قوت حفظ وضبط والا کوئی نہ تھا۔

مجلس درس میں مسائل فقہیہ زیر بحث آتے اور آپ اپنے فقہی آراظاہر فرماتے، جنہیں بعض تلامذہ لکھ لیا کرتے، لیکن امام احمد کو یہ بات ناپسند تھی، کہ حدیث کے علاوہ ان کے اقوال وآرا ضبط تحریر میں لائے جائیں، وہ حدیث مدون کرتے اور اس کا حکم اپنے تلامذہ کو دیتے، لیکن اپنے فتووں کی ترتیب وتدوین خود بھی نہیں کرتے اور شاگردوں کو اس سے منع فرماتے، وہ کتاب وسنت کے علاوہ دوسروں کے اقوال وآرا مدون کرنے کو ناپسند سمجھتے تھے، ایک بار آپ سے کہا گیا، کہ آپ کے بعض شاگردوں نے آپ کے کچھ مسائل روایت کیے ہیں اور ان کو خراسان میں پھیلا دیا ہے، یہ سن کر آپ نے فرمایا:

اشھدوا عنی رجعت عن ذلك كله ۔

تم لوگ گواہ رہنا، میں نے ان تمام مسائل سے رجوع کر لیا ہے۔

آپ کے پاس ایک خراسانی شخص کچھ کتابیں لے کر آیا، ان کتابوں میں ایک کتاب پر آپ کی نظر پڑی، تو اس میں اپنا کلام پایا، یہ دیکھ کر آپ کو غصہ آ گیا اور آپ نے

کتاب پھینک دی۔

تلامذہ

امام احمد کے خرمن علم سے استفادہ کرنے والوں کی بہت بڑی تعداد ہے، جن میں پورے عالم اسلام کے طالبان علم شامل ہیں، امام احمد کی علمی جلالت تھی، کہ ان سے اصاغر واصحاب ہی نے کسب علم نہیں کیا، بلکہ اکابر وشیوخ نے بھی ان سے حدیثوں کی روایت کی، جن میں عبدالرزاق صنعانی، اسماعیل بن علیہ، وکیع بن جراح، عبدالرحمٰن بن مہدی، محمد بن ادریس شافعی، معروف کرخی، علی بن مدینی، جیسے حضرات شامل ہیں، ان کے علاوہ اہم تلامذہ یہ ہیں:

امام بخاری، امام ابوداؤد، امام مسلم، اسود بن عامر شاذان، یحییٰ بن آدم، یزید بن ہارون، قتیبہ، داؤد بن عمرو، خلف بن ہشام، احمد بن ابی حواری، یحییٰ بن معین، حسین بن منصور، زیاد بن ایوب، ابوقدامہ سرخسی، محمد مالک۔

امام صاحب کے دونوں صاحبزادے صالح اور عبداللہ، چچازاد بھائی حنبل بن اسحاق، حسن صباح، بزار، محمد بن اسحاق صاغانی، عباس بن محمد دوری، محمد بن عبیداللہ مناوی، ابوزرعہ رازی، ابوحاتم رازی، ابوبکر الاثرم، ابوبکر مروزی، یعقوب بن شیبہ، احمد بن ابی خزیمہ، ابوزرعہ دمشقی، ابراہیم مزنی، دوسی بن ہارون، عبداللہ بن محمد، یحییٰ بن آدم قرشی، یزید بن ہارون، قتیبہ بن سعد، داؤد بن عمرو، خلف بن ھشام، محمد بن دوارمی، حسین بن منصور، زیاد بن ایوب، رحیم ابوقدامہ سرخسی، محمد بن رافع محمد بن یحییٰ بن ابی سمینہ، حرب کرمانی، بقی بن مخلد، شاہین بن سمیدع، جیش بن سندی، ابوبکر سندی، خواتیمی وغیرہ۔ (تاریخ بغداد ج ۴ ص ۴۱۳، تذکرۃ الحفاظ)

ان تلامذہ میں ابوالقاسم بغوی، امام احمد بن حنبل کے آخری شاگرد ہیں:

وآخر من حدث عنہ ابو القاسم البغوی ۔ (تاریخ بغداد ج ۴ ص ۴۱۳)

جس نے امام احمد سے آخر میں روایت کی، وہ ابوالقاسم بغوی ہیں۔

فتنہ خلق قرآن اور دور ابتلا و آزمائش

دوسری صدی ہجری کی ابتدا میں مسلمان علما و دانشور یونانی فلسفہ و دانش سے روشناس ہوئے، فلسفہ یونان چند خیالات و قیاسات اور الفاظ کا ایک طلسم تھا، جس نے خام عقلوں کو اپنا گرویدہ بنالیا، جدت پسند طبیعتوں نے بڑی دل جمعی سے یونانی کتابوں کا مطالعہ کیا اور فلاسفہ یونان کے افکار و نظریات سے اس قدر دلچسپی لی، کہ انہوں نے اسلامی عقائد و اعمال کو فلسفہ یونان کی روشنی میں عقل کی میزان پر تولنے کی طرح ڈالی، انہوں نے خدائے وحدہ لاشریک کی ہستی اور اس کی صفات کے بارے میں کیمیاوی تجزیہ و تحلیل اور عقلی موشگافیوں کے دروازے کھولے، خداوند تعالیٰ کی لامحدود ذات کی حقیقت کو محدود عقل و شعور کی قیاس آرائیوں سے وہ بھلا کیسے سمجھ سکتے تھے، انہوں نے قرآن و سنت اور اسلاف کی کامل روش کو ترک کر کے فلسفہ یونان کی ڈگر پر جوں جوں قدم آگے بڑھائے، ظنیات و تشکیک کی دلدل میں اترتے چلے گئے اور مسلمانوں میں متکلمین کا ایک ایسا پرجوش عقلیت پرست گروہ پیدا ہو گیا، جس نے یونانی فلسفہ الٰہیات کو اپنا ایمان بنالیا اور دن کی ہر بات کو اسی ناقص معیار پر جانچنے پرکھنے کا شیوہ اختیار کرلیا، جس کے نتیجہ میں مسلمانوں میں معتزلہ، جہمیہ، قدریہ، جبریہ، صفاتیہ، مشبہہ، معتزلہ وغیرہ فرقے وجود میں آئے، ان فرقوں کی موشگافیوں کا موضوع ذات وصفات باری، کلام الٰہی، رویت باری، مسئلہ عدل، تقدیر، جبر و اختیار جیسے اہم دینی مباحث تھے، ان لوگوں نے اپنی پوری ذہنی کاوش ان مسائل کے لیے وقف کردی اور انہیں کفر وایمان کا معیار بنالیا، ان فرقوں میں معتزلہ سب سے آگے تھے، انہوں نے ذات وصفات باری کو یونانی فلسفہ

الٰہیات کی عینک سے دیکھنا اپنا شعار بنالیا اور فلسفہ الٰہیات میں قرآن کے صفت الٰہی ہونے کی نفی کی اور اسے مخلوق قرار دیا، دربار خلافت میں دخل ونفوذ کے بعد انہوں نے اس عقیدے کی بھرپور تبلیغ واشاعت کی، ابوزہرہ مصری لکھتے ہیں:

خلق قرآن کا مسئلہ تاریخ معتزلہ سے وابستہ ہے، جونہی معتزلہ کا ذکر آتا ہے، یہ مسئلہ فوراً ذہن میں ابھرنے لگتا ہے، معتزلہ ہی نے اسے خلافت عباسیہ میں اٹھایا اور پھیلایا انہی کے افکار سے متاثر ہو کر عباسی خلفا نے محدثین وفقہا کو جبراً اس کا قائل کرنا چاہا، اور بعض کو آلام وشدائد میں بھی مبتلا کیا، خلفائے ثلاثہ مامون، معتصم اور واثق کے عہد ہائے خلافت میں یہ مسئلہ لوگوں کے ذہن پر مسلط رہا اور ان کے نفوس وعقول کی پریشانی کا موجب بنا رہا، اس دور میں آزادی فکر ونظر نے رخت سفر باندھا، نصوص کتاب وسنت کے دائرہ میں محدود رہنے والے اور الفاظ میں احتیاط برتنے والے شدید مصائب وآلام کا شکار ہوئے، ان کا جرم اس کے سوا کچھ اور نہ تھا، کہ وہ ہر آن کتاب وسنت پر جھکے رہتے تھے، مبادا ان کی فکر ونظر اور عقل وشعور میں کجی اور انحراف واقع ہو جائے اور وہ جادہ مستقیم سے بھٹک جائیں۔ (اسلامی مذاہب)

انہوں نے خلق قرآن کا یہ عقیدہ یہودی ونصرانی فکر وفلسفہ سے اخذ کیا تھا، مامون کے زمانہ میں قاضی احمد بن ابی دؤاد جو عالم وفاضل اور جدید فلسفیانہ افکار سے ہم آہنگ اور بڑا فصیح وبلیغ انسان تھا، رئیس المعتزلین واصل بن عطا کے شاگرد رباح بن علا سلمی کی صحبت میں رہ کر اعتزال کی تعلیم حاصل کی، قاضی ابن ابی دؤاد اپنی قابلیت اور عقلیات میں مہارت کی بنا پر مامون کے دل ودماغ پر چھا گیا، خلق قرآن کی ترویج واشاعت میں مامون کو اس نے اپنا معاون بنالیا، قاضی ابن ابی دؤاد نے یہ باطل عقیدہ بشر مریسی سے، اس نے جہم بن صفوان سے، اس نے جعد بن درہم سے اس نے ابان بن سمعان سے، اس نے لبید بن اعصم یہودی کے بھانجے اور داماد طالوت سے سیکھا تھا، یہ لبید بن اعصم وہی ہے، جس نے رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم پر سحر کیا، کرایا تھا اور تورات کے مخلوق ہونے کا عقیدہ رکھتا تھا، طالوت زندیق و بددین شخص تھا، اس نے سب سے پہلے اس موضوع پر ایک کتاب لکھی تھی۔

(کامل ابن اثیر ج ۷ ص ۲۲۶)

خلیفہ ہارون رشید کے عہد تک معتزلہ اپنی کاوشیں مخصوص محفلوں تک محدود رکھتے تھے، ان کے اثرات کا دائرہ زیادہ وسیع نہیں ہوا تھا، کیوں کہ محدثین وفقہا ان کے باطل عقائد و افکار کی تردید فرمارہے تھے اور خلفا و امرا کی ضد سے یہ فتنہ پرداز محفوظ و مامون نہیں تھے، عہد بنی امیہ میں سب سے پہلے جعد بن درہم نے اعلان کیا، کہ قرآن مخلوق ہے، اسے عیدالاضحیٰ کے دن کوفہ میں خالد بن عبداللہ القسری نے اس جرم کی پاداش میں قتل کرڈالا، وہ خالد کے سامنے اس حالت میں لایا گیا، کہ اس کی مشکیں کسی ہوئی تھیں، نماز کا وقت آچکا تھا، خالد نے نماز سے فارغ ہونے کے بعد ایک خطبہ دیا، اپنے خطبہ کے آخر میں اس نے کہا:

اذهبوا وضحوا بضحایاکم تقبل فانی ارید ان اضحی الجعد بن درهم فانه یقول ما کلم الله موسیٰ تکلیما ولا اتخذ الله ابراهیم خلیلا تعالیٰ الله عما یقول علوا کبیرا۔

(سراج العیون ص ۱۸۶ بحوالہ ابن حنبل ص ۳۸)

لوگو! جاؤ اپنی اپنی قربانی کے جانور ذبح کرو، میں نے ارادہ کیا ہے، کہ جعد بن درہم کو ذبح کروں گا، اس لیے کہ یہ کہتا ہے، کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے خدا سے باتیں نہیں کیں، نہ خدا نے حضرت ابراہیم کو اپنا دوست بنایا، خدا اس بات سے بہت بلند ہے، جو یہ کم بخت کہتا ہے۔

پھر خالد منبر سے اترا اور جعد بن درہم کو قتل کرڈالا۔

جہم بن صفوان بھی اسی طرح کی باتیں کیا کرتا تھا، وہ اللہ تعالیٰ کی صفت کلام کی نفی کرتا تھا، اس کا خیال تھا، کہ خدا کلام نہیں کرسکتا، اس لیے کہ وہ صفات وحوادث سے منزہ

ہے، اس لیے کہتا تھا، کہ قرآن قدیم نہیں مخلوق ہے۔

عصر عباسی میں معتزلہ نے خلق قرآن کے مسئلہ میں بڑی نکتہ آفرینیاں کیں، کچھ فقہا وعلما بھی ان کے ہم نوا بن گئے، چنانچہ مصری عالم بشر بن غیاث مریسی کا بھی یہی مسلک تھا، بشر کے استاذ قاضی ابو یوسف نے اسے اس عقیدے سے باز رکھنے کی کوشش کی، لیکن وہ نہ مانا، آخر کار قاضی ابو یوسف نے اسے اپنی مجلس سے نکال دیا۔

ہارون رشید کا زمانہ آیا تو معتزلہ نے اپنے بال و پر پھیلانے شروع کر دیے اور کھلے بندوں اپنے عقائد کی ترویج واشاعت میں سرگرم عمل ہو گئے، لیکن ہارون رشید راسخ العقیدہ مسلمان تھا، وہ ان معتزلہ کے ہذیانات کو پسند نہیں کرتا تھا، یہی وجہ تھی، کہ رشید کے عہد خلافت میں معتزلہ اپنے عقائد کے بارے میں کچھ زیادہ پروان نہ چڑھ سکے، بلکہ ایک روایت ہے، کہ معتزلہ کے ایک گروہ کو جو جدل عقائد میں مبتلا تھا، اس نے انہیں قید میں ڈال دیا اور جب بشر بن غیاث کا مقولہ اس تک پہنچا تو اس نے کہا "وان اظفرنی اللہ اقتلہ" اگر خدائے تعالیٰ مجھے موقع دے تو میں بشر کو قتل کر کے چھوڑوں گا۔

چنانچہ ہارون رشید کے عہد خلافت میں بشر لوگوں سے روپوش رہا۔

عہد مامون رشید

جب مامون رشید کا زمانہ آیا تو صورت حال میں نمایاں تبدیلی پیدا ہوئی، مامون کی ذہنی ساخت معتزلہ سے ملتی جلتی تھی، اس نے معتزلی عالم ابو ہذیل حلاف سے ادیان ومذاہب کی تعلیم حاصل کی تھی، اس لیے وہ معتزلہ سے بہت قریب ہو گیا اور معتزلی دانشوروں نے اس کے دربار میں رسوخ پیدا کر لیا، اہم ملکی مناصب اور وزارت کے عہدوں پر معتزلیوں کا تقرر ہوا، مامون نے عقائد وافکار کی چھان پھٹک کے لیے مجالس بحث ونظر منعقد کیں، تو معتزلی علما پیش پیش تھے، اس لیے یہ لوگ عقلی مباحث میں خصوصی مہارت رکھتے تھے، مامون معتزلہ سے قریب ہوتا چلا گیا اور اس نے گروہ معتزلہ کے ایک شخص احمد بن ابی دؤاد کو اپنا مشیر خاص اور قاضی القضاۃ مقرر کر لیا اور لطف وکرم کی

حد درجہ بارش کی۔

قاضی ابن ابی دواد

فتنہ اعتزال اور خلق قرآن کو خلافت عباسیہ کی پشت پناہی دلانے کا سب سے موثر ذریعہ قاضی ابن ابی دؤاد تھا، جس کی کنیت ابوعبداللہ، نام احمد بن دؤاد بن جریر بن مالک ایادی ہے، جو ۱۶۰ھ میں بصرہ کے اندر پیدا ہوا، ابتدائی نشو ونما اور تعلیم و تربیت بصرہ میں حاصل کی، دمشق میں تعلیم کی تکمیل ہوئی، وہاں سے دارالخلافہ بغداد آیا، وہ بڑا ذہین، دقیقہ سنج، زمانہ ساز ہونے کے ساتھ علم وفضل کے زیور سے بھی آراستہ تھا، حسن کلام اور فصاحت میں بھی کامل تھا، بغداد کے اندر اس نے یحییٰ بن اکثم سے علوم وفنون کی تحصیل کی تھی اور اسی کے ذریعہ دربار خلافت میں رسائی حاصل کی اور وہ مامون کا مقرب بن گیا۔

جب مامون مرنے لگا تو اپنے بھائی معتصم کو وصیت کی، کہ اہم امور اور مسائل دینیہ وملکیہ میں اسے شریک کرے اس نے وصیت کی:

> وابوعبدالله بن ابی دؤاد فلا یفارقك واشر به فی المشورة فی كل امرك فانه موضع لذلك منك (تاریخ طبری ج ۷ ص ۲۱۰، ابن حنبل)
>
> ابوعبداللہ بن ابودؤاد کو اپنے ہر معاملہ میں شریک کار رکھنا کیوں کہ وہ اس کا اہل ہے۔

معتزلہ نے ایوان اقتدار میں جب خوب قدم جما لیے اور مامون کے قلب ودماغ پر حاوی ہو گئے تو انہوں نے حکومت کے زیر سایہ عقیدہ خلق قرآن کی ترویج کا فیصلہ کر لیا اور مامون کو اس بات کے لیے آمادہ کر لیا ۲۱۲ھ میں مامون سے اس عقیدے کا اعلان کرا دیا، پھر علما ومحدثین سے مناظروں کا آغاز ہوا، ابتدائی چند سالوں میں علما اپنی فکر وآرا میں آزاد تھے، ان پر عقیدہ خلق قرآن تھوپنے کے لیے جبر نہیں کیا جاتا، لیکن مامون اور معتزلی علما اس عقیدے کی تبلیغ میں سرگرم رہے اور بہت سے لوگوں کو اپنا حلقہ

بگوش بنالیا، انہوں نے دارالخلافہ میں بھی مجلس مناظرہ قائم کی، جو بھی صدائے حق بلند کرتا، اسے عقلیت پرست معتزلی علما کا سامنا کرنا پڑتا، مامون خود اس مجلس میں شریک ہوتا اور عقیدہ خلق قرآن پر مناظرہ کرتا۔

مجلس مناظرہ میں امکانی حد تک اپنے نظریے کی تائید میں دلائل دیتا، تاہم اس نے عقائد وآرا کے اظہار میں لوگوں کو آزاد رکھا اور جن نظریات کو اپنانے کے لیے وہ تیار نہ تھے، انہیں ان کے قبول کرنے پر مجبور نہ کیا، ایوان اقتدار میں بحث ومناظرہ کا مقصد لوگوں کو مرعوب کرنا اور جدت پسند خام طبیعتوں کو عقیدہ خلق قرآن کا حامی بنانا تھا، معتزلہ پر شاہی عنایتیں اور خلیفہ کا قرب خاص دنیا داروں کے لیے تحت الشعور میں قبول دعوت کے امکانات کو وسعت دے رہا تھا، چنانچہ عقیدہ خلق قرآن کی دعوت بالجبر سے پہلے ہی ہزاروں دنیا داروں نے یہ باطل عقیدہ تسلیم کرلیا تھا، ان میں علماوفقہا بھی تھے، دانشور اور عقلا بھی، ان کے اثر ونفوذ سے اسلامی معاشرہ بھی محفوظ نہ رہا، چنانچہ خلق قرآن کا عقیدہ رکھنے والے عروج وارتقا کی منزلوں سے ہمکنار ہو رہے تھے، ایسا محسوس ہو رہا تھا، کہ فتنہ خلق قرآن کا سیلاب خس وخاشاک کی طرح اہل حق کو بہالے جائے گا ایسے نازک دور میں شیخ عبدالعزیز بن یحییٰ کی عزیمت مآب شخصیت طوفان اعتزال کے سامنے عزیمت واستقامت کی چٹان بن کر نمودار ہوتی ہے۔

شیخ عبدالعزیز کنانی کا جہاد

شیخ عبدالعزیز بن یحییٰ الکنانی مکہ میں تھے، کہ انہوں نے سنا، کہ کس طرح مسلمان بغداد میں ایک سخت مصیبت میں مبتلا ہو گئے ہیں، چنانچہ وہ انسداد فتنہ کے لیے بغداد گئے اور بغداد کی جامع رصافہ میں جا پہنچے، جمعہ کی نماز پڑھی، نماز ختم ہوتے ہی ان کا چھوٹا لڑکا جوان کے ساتھ تھا، ایک ستون کے ساتھ کھڑا ہو گیا، شیخ کنانی جو پہلی صف میں اپنے لڑکے قریب ہی تھے، اپنے بیٹے کو پکار کر کہا، کہ اے میرے بیٹے تو قرآن کے متعلق کیا کہتا ہے، بچے نے زور سے جواب دیا ”کلام اللہ منزل غیر مخلوق“ اس

مکالمے کو سنتے ہی مسجد میں تہلکہ مچ گیا، اتنے میں کوتوال شہر سپاہیوں کی ایک جماعت لے کر مسجد میں پہنچ گیا اور شیخ عبدالعزیز اور ان کے لڑکے کو گرفتار کر کے رئیس اعلیٰ کے دفتر میں لے گیا، پہلے کوتوال نے تفتیشی سوالات کیے، پھر رئیس اعلی عمرو بن مسعدہ نے خود جرح و تفتیش کی۔

شیخ عبدالعزیز کنانی بتاتے ہیں، ان کا سارا حال مامون تک پہنچایا گیا، اس نے مناظرہ کی تیاری کے احکام جاری کر دیے، یہاں تک کہ مقررہ دن آ گیا، عمرو بن مسعدہ شیخ کو دربار کی طرف لے گیا، ادھر دربار میں امرائے بنو ہاشم کا گروہ، علما و فضلا کی جماعت اور دیگر قضاۃ، ارباب افتا کی جماعت، متکلمین و فقہا، معلمین، وزرا اور ارکان سلطنت حاضر ہوئے۔

جب تمام ارکان و شرکائے مجلس مناظرہ آ چکے، تو شیخ عبدالعزیز کی طلبی ہوئی، شیخ کو کئی دہلیزوں سے گزارا گیا، پھر ایوان ہائے خلافت کا ایک سلسلہ شروع ہوا، جن میں سے ہر ایوان جاہ و حشم کا آئینہ دار تھا، یہاں تک کہ صاحب الستر یعنی وزیر تشریفات کا ایوان خاص آ گیا، حاجب صحن دربار تک لے گیا، صحن کے دونوں جانب کمروں کا ایک سلسلہ تھا، یہاں پہنچ کر حاجب نے شیخ سے کہا، کہ امیر المومنین تک پہنچنے سے پہلے دو رکعت نماز پڑھ لیجیے چنانچہ شیخ نے نماز ادا کی۔

اب پردہ ہٹایا گیا، بہت پر جلال منظر سامنے تھا، خدام بارگاہ نے دونوں طرف سے ہاتھوں اور بازوؤں کو پکڑ لیا، ایک ہاتھ سینے پر تھا، ایک کاندھے پر، گویا ایک مجرم کو سختی اور بے حرمتی کے ساتھ لے جایا جا رہا تھا، مامون نے حکم دیا، اسے چھوڑ دیا جائے، شیخ نے مامون کو سلام کیا، مامون نے جواب دیا اور قریب بلایا، مامون الرشید شیخ کی طرف متوجہ ہوا، نام، خاندان، باپ، دادا، وطن، محلہ وغیرہ کے بارے میں دریافت کرنے کے بعد تقریر کی اس کا اقتباس ملاحظہ ہو:

تمہارا بغداد میں آنا اور جامع رصافہ میں کھڑے ہو کر میرے ایک حکم دینی و شرعی

کو توڑنا اور خدا کی صفات میں دوسری چیزوں کو شریک کرنا اور پھر مناظرہ کی خواہش کرنا، یہ تمام حالات میں نے سنے اور اس لیے علماے دارالخلافہ کو میں نے مدعو کیا ہے۔

شیخ عبدالعزیز کہتے ہیں، کہ شرک کا الزام اور خلق قرآن کا قول باطل سنتے ہی ساری ہیبت میرے دل سے رفع ہوگئی، پھر بادل کی گرج کی طرح شیخ کی آواز گونجی:

امیرالمومنین! میں ایک فقیرالحال طالب علم ہوں، میں نے خلیفہ کے ظلم وجبر کی داستان سنی، مجھے معلوم ہوا، کہ حق مظلوم ہوگیا، سنت کی روشنی بجھ گئی ہے، بدعت کی آندھیاں زوروشور سے چل رہی ہیں، جس چیز کا اقرار خدائے تعالیٰ نے امت سے نہیں کرایا، اس چیز کو آج ایک انسان ہر مومن کے لیے شرط قرار دے رہا ہے، جو ہارون الرشید کے گھر پیدا ہوا، اس نے نہ تو تابعین کا زمانہ پایا، نہ اصحاب رسول کو دیکھا، وہ ایک ایسے راز کو کیسے جانتا ہے، جسے صحابہ نے نہ جانا اور جس کے لیے مہبط وحی رسول نے نہ کہا۔

اب شیخ وہ شیخ نہیں تھے، جنہیں عمرو بن مسعدہ نے زیر تفتیش رکھا اور پھر دربار سے پہلے جاہ وجلال دکھایا، اب وہ دوسرے ہی شیخ عبدالعزیز تھے، جنہیں مامون الرشید سے کوئی خوف رہا نہ دربار سے مرعوب ہوئے، ساری مجلس پر سناٹا چھا گیا، شیخ نے مزید کہا:

آہ! تم ہوا کا جھونکا ہو جس سے شریعت کی آگ تو نہ روشن ہوسکی، مگر اس نے سنت کے چراغوں کو گل کر دیا، تم سیلاب خلافت کی وہ رو ہو جو بدعات ومحدثات کے خس وخاشاک کو تو نہ بہا سکے، مگر اس نے حق پرستی کے تناور درختوں کو گرا دیا، اے مامون بن ہارون تو اب رسول کی جانشینی ہی کا نہیں بلکہ رسول سے زیادہ حق رسالت کا مدعی ہوگیا ہے۔

فوجوں کی قطاریں، چمکتی ہوئی تلواریں اور وردیاں امرا اور ؤسا، خدام وحجاب، سب بے بسی کے ساکت مجسمے تھے، جو شیخ کی تقریر کی ہیبت سے دبے جا رہے تھے، تقریر جاری تھی، پھر شیخ نے کہا:

اے امیر المومنین! تو نے کہا تھا، کہ میری خواہش مناظرہ کو پورا کرنے کے لیے آج مجلس منعقد ہوئی ہے، لیکن میں نے دربار میں آتے ہی سب سے پہلی آواز جو سنی، اسی سے معلوم ہوگیا، کہ مناظرہ کرنے والوں کے علم وحجت کا کیا حال ہے؟ ان کے پاس سب سے بڑی دلیل بطلان حق کے لیے یہ ہے، کہ مجھ کو خالق کائنات نے رنگ اور چہرہ اچھا نہ دیا اور میں ان کے نگاہوں میں حسین وجمیل نہیں، اے امیر المومنین! میں تجھ سے پوچھتا ہوں، کہ تمام نقش ونگار جو تیرے دربار اور ایوان میں بنے ہیں، اگر خوش نما نہ ہوتے تو تو ان کی ملامت کرتا یا ان کے صناعوں کے قلموں کو توڑ دیتا ہے؟ کیا انہوں نے میرے جسم وچہرہ پر اعتراض کر کے انہوں نے صناع کائنات پر ملامت نہیں کی؟ کیا یہی توحید ہے، کہ جس کے یہ لوگ مدعی ہیں اور جو کامل نہیں ہوسکتی، جب تک کہ اللہ کے کلام کو مخلوق نہ کہا جائے۔

شیخ کہتے ہیں، کہ میں جب تک تقریر کرتا رہا، مامون اس طرح ٹکٹکی لگائے میری جانب نگراں تھا، گویا وہ ایک پتھر ہے، جس میں نہ تو ارادہ ہے، نہ روح، کئی بار اس کی آنکھیں ڈبڈبا گئیں، تمام اہل دربار متحیر تھے، کہ مامون جو اس مسئلے پر خون بہانے کا عادی تھا، ساکت وصامت کیوں بیٹھا ہے؟

جب یہ تقریر ختم ہو چکی تو مامون نے جوابی تقریر کی:

اے عبد العزیز! اللہ تجھ پر رحم کرے، تو نے جو کچھ کہا، میں نے سنا، میں اپنے نفس کا احتساب کرتا رہا، میں بندگان خدا پر ظلم نہیں کرنا چاہتا، بلکہ ان کو حق اور توحید کی طرف بلاتا ہوں، بایں ہمہ یقین کر کہ میرا علم میرے غضب پر غالب آئے گا، خدا کی قسم! میں تیری سختی اور درشتی کی وجہ سے اپنا انتقام تجھ سے نہیں لوں گا، مجھ پر ظاہر ہو گیا ہے، کہ تو حق کی غیرت رکھتا ہے، تو نے دین کے لیے اپنا گھر چھوڑا، پس تیری حمیت حق اس کی مستحق ہے، کہ تیری عزت کی جائے، میرا تیرا معاملہ اب حق وباطل کا ہے، پس تو حجت پیش کر اور صاحبان علم وحجت سے مناظرہ کر، اگر تیری حجت تیرے مخالفین پر غالب ہوگئی، تو ہم

تیری پیروی کریں گے اور اگر تو حجت نہ لا سکا اور مخالفین برسرِ حق ہوئے تو پھر تیرے لیے اس کی سزا ہے۔

شیخ نے مناظرہ کے لیے آمادگی ظاہر کی اور مامون نے بشر مریسی رئیس معتزلہ کو حکم دیا، کہ مناظرہ شروع کرو، بشر مریسی اٹھ کر اپنی جماعت سمیت مامون کے قریب آبیٹھا، پھر طویل مناظرہ شروع ہوا، بخوف طوالت مناظرہ کا آخری مکالمہ نذر قارئین ہے، بشر نے کہا:

میں اپنے تمام دلائل و براہین کو خود ہی چھوڑ دیتا ہوں، کیوں کہ اس طرح رد وقدح میں کوئی نتیجہ نہیں نکلے گا، میرا سوال یہ ہے، کہ قرآن نے صدہا مقامات پر اللہ خالق کل شئ کہا ہے یا نہیں؟

شیخ:۔ ہاں! وہی ہر شئ کا خالق ہے۔

بشر:۔ قرآن بھی شئ ہے یا نہیں؟

شیخ:۔ پہلے شئ کی حقیقت سن لو، پھر جواب مانگو۔

بشر (تیز ہو کر بولا) میں اور کچھ سننا نہیں چاہتا، میرے سوال کا جواب دو! قرآن اشیا میں داخل ہے یا نہیں؟

شیخ:۔ تمہارا طرز سوال ہی غلط ہے، اس میں دھوکا ہے، تم کو چاہیے کہ صبر و ضبط کے ساتھ پہلے میری تقریر سن لو۔

اس رد وقدح پر بشر نے مامون سے کہا، ''ظهر اثر الله وهم كارهون''

بشر کے گروہ سے ایک اور شخص اٹھ کھڑا ہوا اور چیخ کر کہا، یا امیر المومنین!

جاء الحق وزهق الباطل ان الباطل كان زهوقا۔

بشر نے یہاں تک کہہ دیا، کہ ''ولكن قعد حمار الشيخ على القنطرة'' یعنی شیخ کا گدھا پل پر بیٹھ گیا ہے۔

مامون کا بھی بالکل یہی خیال تھا، کہ شیخ بے بس ہو گئے ہیں، تب غضب ناک

ہو کر اس نے پہلی بار شیخ سے کہا، عبدالعزیز! سوال کا جواب کیوں نہیں دیتے؟

شیخ کہتے ہیں، کہ مامون کے غضب ناک ہوتے ہی، اللہ نے میری مدد کی، کہا، کہ یوں تو بحث میں ایک دھوکا ہے، مگر امیر المومنین کہتے ہیں، میں تو تسلیم کرتا ہوں، کہ قرآن بھی اشیا میں داخل ہے، بشر اچھل پڑا، کہ تمام اشیا اللہ کی مخلوق ہیں، یہ مان کر تم نے تسلیم کر لیا، کہ قرآن مخلوق ہے۔

شیخ نے زور سے کہا، ہرگز نہیں! قرآن کہتا ہے "وَيُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ" یعنی خدا اپنی ذات سے تم کو ڈراتا ہے، دوسری طرف قرآن کہتا ہے، "كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ" پس اگر اشیا میں داخل ہو کر قرآن مخلوق ہو گیا، تو خدا بھی کل نفس میں داخل ہو کر ذائقۃ الموت ہو گیا، تم جس قاعدے سے خدا کے نفس کو یہاں موت سے بچاتے ہو، میں اسی قاعدے کے تحت قرآن کے لیے لفظ شی کے استعمال کو عام استعمالات سے مستثنیٰ قرار دیتا ہوں۔

شیخ کی اس تقریر کو سن کر محفل دم بخود ہو گئی، ایسا معلوم ہوتا تھا، گویا یہ الفاظ نہیں ایک بجلی تھی، جو یکا یک کوند گئی، مامون خود عبدالعزیز کے جواب پر وجد کرنے لگا اور پکار پکار کر کہنے لگا، معاذ اللہ! خدا کی ذات موت سے بری ہے۔

مامون الرشید نے حکم دیا، کہ مناظرہ ختم کیا جائے، مامون نے شیخ سے کہا، کہ تیری فضیلت علمی پر تیرے جوابات گواہ تھے، تیری جرأت اور ثابت قدمی تیری فضیلت کا اصلی جوہر ہے، واللہ میں قدر کروں گا اور تیری درشتی و تلخ گوئی کو اپنی قدردانیوں اور حلم سے تھکا دوں گا، میری طرف سے تیرے لیے امن اور اعزاز و اکرام کا فرمان ہے، تیرا جوہر اس کا مستحق ہے، کہ میری مجلس علم کا ندیم ہو، تو اب مدینۃ السلام میں قیام کر اور ہر بدھ کے دن میری مجلس علمی میں شریک ہو۔

شیخ کہتے ہیں، کہ اس کے بعد مامون رشید نے حکم دیا، کہ دس ہزار درہم میری قیام گاہ پر پہنچا دیا جائے۔

شیخ کہتے ہیں، میں جب دربار سے نکلا، تو تمام لوگوں کو راستوں، دکانوں اور کوٹھوں پر چشم براہ پایا، لوگ منتظر تھے، کہ کیا نتیجہ نکلتا ہے، جب انہوں نے دیکھا، کہ میں نہایت اعزاز واکرام کے ساتھ واپس آرہا ہوں اور مجلس مناظرہ میں کامیاب رہا ہوں، تو ان کی حیرت اور خوشی کی کوئی حد نہ رہی، ارباب حق فتح کی خوشیاں منا رہے تھے اور لوگ مجھ سے مصافحہ کر رہے تھے، یہاں تک کہ راستہ چلنا دشوار ہوگیا، صبح سے شام تک میرا مکان لوگوں سے بھرا رہتا، لوگ سارا قصہ سننے کے لیے آتے تھے۔

دعوت حق اور اقامت دین کا کام کرنے والوں کے لیے کتنا بڑا سبق آموز واقعہ ہے۔

اس واقعہ سے معلوم ہوا، کہ مامون ۲۱۸ھ سے قبل عقیدہ خلق قرآن قبول نہ کرنے والوں پر جبر واستبداد کا پہاڑ توڑنے کا قائل نہ تھا۔

مامون الرشید عقیدہ خلق قرآن کا زبردست حامی ومبلغ ہونے کے باوجود اس عقیدے کو جبر وقوت کے ذریعہ تسلیم کرانا پسند نہ کرتا تھا، چنانچہ ۲۱۲ھ سے لے کر ۲۱۸ھ کے آغاز تک اس نے کسی کو بہ جبر واکراہ یہ عقیدہ قبول کرنے پر مجبور نہیں کیا، لیکن اس کے حاشیہ نشیں معتزلی علما بالخصوص قاضی احمد بن ابی دؤاد اس فکر میں تھا، کہ عقیدہ خلق قرآن کی جبری دعوت کے لیے مامون کو ہموار کرلیا جائے، چنانچہ اس نے مامون کو اس کام کے لیے شیشے میں اتارلیا، مامون تیار ہوگیا، کہ عقیدہ خلق قرآن تسلیم نہ کرنے والوں پر جبر وتشدد کیا جائے اور حکومت سے تعلق رکھنے والے افراد کی جائدادیں، مناصب ضبط کرلیے جائیں اور اس عقیدے کے منکرین کی شہادت قبول نہ کی جائے۔

مامون کا پہلا خط

ربیع الاول ۲۱۸ھ میں مقام رقہ سے مامون نے بغداد میں اپنے نائب اسحاق بن ابراہیم کے نام یہ خط تحریر کیا:

امابعد! مسلمانوں کے ائمہ اور خلفا پر اللہ کا یہ حق ہے، کہ وہ اس دین کی اقامت

میں جسے اللہ نے ان کی حفاظت میں دیا ہے، اور ان مواریث نبوت کے قیام میں جن کا ان کو وارث بنایا ہے، اور اس علم کے اظہار میں جو خدا نے انہیں ودیعت کیا ہے اور اپنی رعایا میں حق وصداقت کے ساتھ عمل کرنے اور اسے خدا کی اطاعت پر آمادہ کرنے کے لیے کوشش سے کام لیں، امیر المومنین خدائے بزرگ وبرتر سے اپنے فرائض کی بجا آوری اور انجام دہی میں اس کی رحمت اور توفیق اور عزم صمیم کے طلب گار ہیں۔

امیر المومنین کے علم میں یہ بات آئی ہے، کہ رعیت کا ایک بہت بڑا گروہ جو فکر ونظر اور دانش وبینش سے محروم ہے، جس کے پاس نہ استدلال ہے، نہ ہدایت، نہ علم کا نور، نہ برہان، وہ جمیع اقطار وآفاق مملکت میں ایسے لوگوں پر مشتمل ہے، جو اہل جہالت ہیں، کور چشم ہیں، حقیقت دین اور توحید وایمان سے ناواقف ہیں، خدا کی کھلی ہوئی نشانیوں سے بے خبر اور اس کے واضح راستے سے لاعلم ہیں، وہ اللہ کا اس کی قدر کے مطابق اندازہ کرنے سے اور اس کی کنہ معرفت سے قاصر ہیں، اپنی بے عقلی، کوتاہ فہمی اور اچھی طرح تفکر وتدبر نہ کرسکنے کی وجہ سے وہ اللہ اور اس کی مخلوق میں فرق نہیں کرسکتے، اسی وجہ سے انہوں نے اللہ اور اس کے نازل کیے ہوئے قرآن کو برابر کا سمجھ لیا ہے، ان لوگوں نے اس بات پر اتفاق کر کے یہ دعویٰ کیا ہے، کہ قرآن قدیم ہے، اول ہے، نہ اللہ نے اسے پیدا کیا ہے، نہ اس کی اختراع کی ہے، نہ اسے عالم وجود میں لایا ہے، حالاں کہ اللہ اپنی کتاب میں جو دل کے روگ کی شفا اور مومنین کے لیے رحمت اور راہ ہدایت ہے فرماتا ہے:

اِنَّا جَعَلْنٰهُ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا

پس جس چیز کو اللہ نے بنایا ہے، اسے گویا پیدا بھی کیا ہے۔

ایک اور مقام پر فرمایا ہے:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِىْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَجَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَالنُّوْرَ۔

پھر ایک مقام پر ارشاد ہوتا ہے:

كَذٰلِكَ نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْبَاۤءِ مَا قَدْ سَبَقَ ۔

اس آیت کریمہ میں خود اللہ نے یہ خبر دے دی، کہ قرآن میں ایسے واقعات اور قصص بیان کیے گئے ہیں، جو قرآن سے پہلے کے ہیں، اور قرآن ان کے بعد نازل ہوا ہے، پھر وہ فرماتا ہے:

الٓرٰ كِتٰبٌ اُحْكِمَتْ اٰيٰتُهٗ ثُمَّ فُصِّلَتْ مِنْ لَّدُنْ حَكِيْمٍ خَبِيْرٍ ۔

اور جو شے محکم اور مفصل ہوتی ہے، کوئی اسے استحکام بخشنے والا اور تفصیل کرنے والا بھی ہوتا ہے، چنانچہ اپنی کتاب کو محکم کرنے والا اور اس کی تفصیل بیان کرنے والا خود خدا ہے، لہٰذا وہ اس کا خالق اور پیدا کرنے والا بھی ہوا، علاوہ ازیں ان لوگوں نے باطل کو اپنا شعار قرار دے کر لوگوں کو اپنے مسلک کی دعوت دی اور اپنے آپ کو متبع سنت ثابت کرنے کی کوشش کی، حالاں کہ قرآن کریم کی ہر فصل میں ایسے قصے ہیں، جو ان کے قول کو باطل کرنے والے اور ان کے دعوے کی تکذیب کرنے والے ہیں۔

اس کے باوجود یہ لوگ ظاہر یہ کرتے ہیں، کہ صرف یہی اہل حق ہیں، دیندار ہیں اور صاحب جماعت ہیں اور ان کے علاوہ جو لوگ ہیں، وہ باطل پرست ہیں، کافر ہیں، فرقہ پسند ہیں، ایک عرصہ دراز تک یہ لوگوں کو اس طرح ورغلاتے رہے، یہاں تک کہ جہلا ان کے فریب میں آگئے اور وہ لوگ بھی جو اہل کذب و دروغ ہیں، غیر اللہ کے سامنے سر تسلیم خم کرنے والے اور دین الٰہی کے سوا دوسرے اصولوں کو ماننے والے ہیں، ان کے ہم آہنگ اور ہم عقیدہ اس لیے بن گئے ہیں، کہ اس طرح اس گروہ میں ان کا اعزاز و وقار بڑھ جائے گا اور ریاست و عدالت پر ان کا اثر قائم ہو جائے گا، یہی وجہ ہے، کہ انہوں نے باطل کی خاطر حق کو چھوڑ دیا، خدا سے کنارہ کش ہو کر گمراہی کے گڑھے میں جا پڑے، ان کے ظاہری تزکیہ اور تورع کی وجہ سے ان کی شہادت کو لوگوں نے مان لیا اور ان کے ذریعہ سے احکام الٰہی نافذ ہونے لگے، حالاں کہ نہ ان کا ایمان درست

ہے، نہ نسب ٹھیک ہے، نہ دیانت قابل اعتماد ہے، ان کی نیت فاسد ہے، ان کا یقین مجروح ہے، ان کا مقصد ومنشا اور غرض وغایت صرف یہ ہے، کہ فریب کاری سے فتنہ وفساد برپا کردیا جائے، انہوں نے اپنے رب پر افترا پردازی کی ہے، حالاں کہ قرآن کریم میں ان سے عہد واثق لیا گیا ہے، کہ اللہ کے معاملہ میں صرف حق پر قائم رہیں گے، لیکن انہوں نے اس تعلیم کو مٹادیا، انہی کے لیے اللہ تعالیٰ کلام پاک میں فرماتا ہے:

اُولٰئِكَ الَّذِيْنَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فَاَصَمَّهُمْ وَاَعْمٰۤى اَبْصَارَهُمْ اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰى قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا ۔ (محمد:۴۷/۲۳)

ایسے لوگ ہیں، جن پر اللہ نے لعنت کی، پھر ان کو بہرا کردیا اور ان کی بصارت چھین لی، یہ قرآن میں تدبر کیوں نہیں کرتے، آیا ان کے دلوں پر تالے لگے ہوئے ہیں۔

امیر المومنین نے محسوس کیا، کہ یہ لوگ امت کے لیے مضر اور ضلالت کی جڑ ہیں، انہوں نے توحید اور ایمان میں قطع وبرید کردی ہے، یہ جاہل اور جھوٹے ہیں، شیطان ان کی زبان سے بول رہا ہے، ان کی صداقت وشہادت متروک اور مردود ہونے کے قابل ہے، ان کے کسی قول وعمل پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا، کہ عمل، یقین کے بعد ہے اور یقین اس وقت تک نہیں ہوسکتا، جب تک حقیقت اسلام سے پوری واقفیت نہ ہوا اور خلوص کے ساتھ توحید پر عقیدہ نہ ہو اور جو ان حقائق سے اندھا ہے، وہ اپنے عمل اور شہادت میں اور زیادہ اندھا اور گمراہ ہوگا، جو خدا پر اور اس کی وحی پر جھوٹ بولے، جو خدا کو اور اس کی حقیقت کو نہ پہچانتا ہو، ضروری ہے، کہ اس کی شہادت رد کردی جائے، کیوں کہ یہ وہ ہے، جس نے اللہ کی گواہی اس کی کتاب پر رد کردی۔

لہٰذا تم اپنے قاضیوں کو بلاؤ اور انہیں ہمارا یہ خط سناؤ ان کے عقائد کا امتحان لو اور دریافت کرو آیا وہ قرآن کو اللہ کی مخلوق سمجھتے ہیں یا نہیں؟ اور انہیں یہ بتادو، کہ جس شخص کا ایمان اور توحید کے بارے میں اعتقاد پکا اور سچا نہ ہوگا، امیر المومنین آئندہ اس سے کوئی

سرکاری خدمت نہ لیں گے، پس اگر وہ خلق قرآن کو تسلیم کرلیں اور امیر المومنین کے مسلک سے اتفاق کرلیں تو وہ ہدایت اور نجات کے راستے پر گامزن ہیں، پھر تم انہیں حکم دینا، کہ وہ سب کے سامنے اپنے مسلک کو بیان کریں اور جو اس مسلک کو قبول نہ کرے اس کی شہادت ترک کردی جائے۔

اس کے علاوہ تم اپنے علاقہ کے تمام قاضیوں سے اس مسئلہ کے بارے میں استفسار کرو اور ان کو ہمارا حکم پہنچاؤ اور ان کی نگرانی کرتے رہو، تاکہ جب تک وہ اپنے دین وایمان میں پکے اور سچے نہ ثابت ہوجائیں احکام الٰہی کو نافذ نہ کرنے پائیں اور امیر المومنین کے اس فرمان کا جو اثر مرتب ہو اس سے اطلاع دینا! (ابن حنبل ص ۴۲، ۴۳)

اس خط سے معلوم ہوا، کہ مامون نے عقیدہ خلق قرآن قبول نہ کرنے والوں کو صرف دو سزائیں دیں (۱) مناصب سے محرومی (۲) عدم قبول شہادت۔

مامون نے اپنے اس خط میں صرف دو قاضیوں کو طلب کرکے عقیدہ خلق قرآن کا اقرار لینے کا حکم دیا، جو لوگ اقرار نہ کریں، ان کی شہادتیں رد کردی جائیں اور ان کو مناصب قضا سے معزول کردیا جائے۔

مکتوب الیہ کو یہ بھی حکم دیا گیا تھا، کہ اس کارروائی کا جو اثر ہو اس سے باخبر کیا جائے۔

بغداد کے نائب حاکم اسحاق بن ابراہیم کے نام دوسرا خط

مامون الرشید نے بغداد کے نائب حاکم اسحاق بن ابراہیم کو لکھا، کہ وہ حسب ذیل سات آدمیوں کو اس کی خدمت میں روانہ کرے!

(۱) محمد بن سعید کاتب الواقدی (۲) ابو مسلم مستملی یزید بن ہارون (۳) یحیٰ بن معین (۴) زہیر بن حرب ابوخیثمہ (۵) اسماعیل بن داؤد (۶) اسماعیل بن ابی مسعود (۷) احمد بن الدورقی۔

اسحاق نے ان لوگوں کو مامون کی خدمت میں روانہ کردیا، مامون نے ان کے

عقائد کا امتحان لیا اور مسئلہ خلق قرآن کے بارے میں ان کی رائے دریافت کی، ان سب نے اعتراف کر لیا، کہ قرآن کریم مخلوق ہے، اس اعتراف کے بعد مامون نے انہیں مدینۃ السلام (بغداد) واپس بھیج دیا۔

اب اسحاق بن ابراہیم نے انہیں اپنے دارالامارت میں طلب کیا، یہ جو کچھ بغداد میں اعتراف کرآئے تھے، اس کو شہرت دی اور اس کا ذکر فقہا اور محدثین کے سامنے کیا، ان ساتوں اصحاب نے جو کچھ مامون کے سامنے کہا، تھا، وہی یہاں بھی دہرادیا یعنی قرآن مخلوق ہے، اسحاق نے ان لوگوں کو آزاد کر دیا، اسحاق نے یہ سب کچھ مامون کے حکم کے مطابق کیا تھا۔

اس واقعہ کے بعد مامون نے اسحاق بن ابراہیم کو ایک اور خط لکھا، جو ذیل میں نقل کیا جاتا ہے:

امابعد! اللہ تعالیٰ نے جن لوگوں کو اس زمین پر اپنا خلیفہ مقرر کیا ہے اور جنہیں اپنے بندوں کے لیے اس نے اپنا امین چنا ہے، ان کا کام یہ ہے، کہ اس کے دین کو قائم کریں اور جن لوگوں کو اس نے اپنی مخلوق کی نگرانی تفویض کی ہے، انہیں اپنے احکام اور قوانین کے نفاذ اور مخلوق الٰہی میں اپنے عدل کو بروئے کار لانے کا ذمہ دار ٹھہرایا ہے۔

ان لوگوں پر (یعنی خلفا پر) خدا کا حق یہ ہے، کہ وہ پوری طرح اس کا حق ادا کریں اور اپنے فرائض کے ادا کرنے میں اس سے خلوص برتیں اور اس علم و معرفت کی وجہ سے جو خدا نے انہیں عطا کیا ہے، لوگوں کو راہ حق پر گامزن کریں، جو راہ حق سے بھٹک جائے یا بچھڑ جائے اسے پھر راہ راست دکھائیں، اپنی رعایا کی راہ نجات کی طرف رہنمائی کریں، اسے ایمان کے حدود اور اصول سمجھائیں اور وہ راستہ بتائیں، جس پر چل کر وہ کامرانی کی منزل تک پہنچ جائیں جن کے بارے میں اللہ نے، اور مہالک سے محفوظ رہیں، دین کے جو امور مشتبہ اور پنہاں ہوں، انہیں صاف اور واضح کر دیں تاکہ شک دور ہو اور دلیل کی روشنی سب کے لے نمایاں ہو جائے۔

یہ کام خلفا کو خود انجام دینا چاہیے کیوں کہ یہ خدمت تمام خدمات کی جامع ہے اس میں رعایا کے دینی اور دنیاوی فوائد شامل ہیں، خلفا کو چاہیے کہ اپنی رعایا کو وہ امور یاد دلاتے رہیں، اللہ نے انہیں منصب خلافت دیتے وقت جن باتوں کی بجا آوری کی توقع فرمائی ہے، کہ وہ اپنے پیش رووں کی طرح بدستور اس خدمت کو انجام دیتے رہیں گے، چنانچہ اس باب میں امیر المومنین صرف خدائے واحد سے توفیق کے طلب گار ہیں، وہی ان کے لیے کافی اور وافی ہے۔

قرآن کے بارے میں جو عقیدہ پیدا ہوا ہے، اس پر کافی غور و فکر اور تلاش و مطالعہ کے بعد امیر المومنین اس نتیجہ پر پہنچے ہیں، کہ یہ ایک بہت بڑا خطرہ ہے، جس کا اثر دین اسلام اور ملت اسلامیہ پر نہایت مضر پڑے گا، کیوں کہ خدا نے قرآن کو ہمارا امام بنایا ہے، اور ہمارے لیے رسول اکرم کا بھی اثر باقی ہے، لوگوں پر حقیقت امر مشتبہ ہو گئی، چنانچہ وہ خیال کرنے لگے، کہ قرآن مخلوق ہے ہی نہیں، اس طرح انہوں نے خدا کی صفت خلق سے بھی انکار کر دیا، حالاں کہ اسی صفت کی وجہ سے وہ اپنی تمام مخلوقات کے مقابلہ میں نمایاں طور پر علاحدہ اور منفرد ہے، کیوں کہ اس نے صرف اپنی حکمت اور قدرت کاملہ سے کام لے کر بغیر کسی ابتدا اور تقدم کے ہر چیز کو خلق فرمایا اور ایجاد کیا۔

خدا کے سوا ہر چیز مخلوق اور حادث ہے، خالق اور موجد تو صرف ذات باری تعالیٰ ہے، خود قرآن اس حقیقت پر ناطق اور دال ہے، اس باب میں جتنے بھی اختلافات ہو سکتے تھے، قرآن نے ان سب کو مٹا دیا۔

ایسا معلوم ہوتا ہے، کہ قرآن کو قدیم ماننے والوں نے عیسائیوں کی تقلید کی ہے، جیسا کہ ان کا دعویٰ ہے، کہ عیسیٰ بن مریم چوں کہ کلمۃ اللہ ہیں اس لیے مخلوق نہیں ہیں، حالاں کہ اس کے برخلاف قرآن کریم کہتا ہے:

اِنَّا جَعَلْنٰهُ قُرْءٰنًا عَرَبِيًّا

یعنی ہم نے اس کو عربی قرآن بنایا ہے۔

''بنایا'' کا مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے، کہ اسے خلق کیا، پیدا کیا، جیسا کہ قرآن کریم میں وارد ہے:

وَجَعَلْنَا الَّيْلَ لِبَاسًا وَجَعَلْنَا النَّهَارَ مَعَاشًا ۔

ہم نے رات کو راحت و آسائش کے لیے اور دن کو معاش کے لیے بنایا۔

ظاہر ہے، یہاں بھی ''بنایا'' کا مطلب یہی ہے، کہ پیدا کیا، اسی طرح قرآن مجید میں آیا ہے:

وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ كُلَّ شَيْءٍ

ہم نے پانی سے ہر چیز کو زندگی بخشی۔

یہاں بھی ''جعلنا'' کے معنی ''خلقنا'' ہوسکتا ہے، ان آیات کی رو سے خدا نے قرآن کو بھی مخلوقیت کے اعتبار سے ان چیزوں کے مساوی قرار دے دیا ہے، جن کے بارے میں پیدائش، صنعت اور خلق جیسے الفاظ وارد ہوئے ہیں، اس نے یہ بھی بتا دیا ہے، کہ وہ تنہا (بلا شرکت غیر) ان چیزوں کا خالق ہے۔

اسی طرح خدائے بزرگ و برتر فرماتا ہے:

بَلْ هُوَ قُرْاٰنٌ مَّجِيْدٌ فِيْ لَوْحٍ مَّحْفُوْظٍ ۔

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے، کہ لوح قرآن کا احاطہ کیے ہوئے ہے اور ظاہر ہے کہ محاط مخلوق ہوتا ہے (پس قرآن بھی مخلوق ہوا)

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں اپنے نبی کو مخاطب کر کے فرماتا ہے:

لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ ۔

پھر فرماتا ہے:

فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِهٖ ۔

اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کی مذمت کی ہے، جن کا قول تھا:

مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى بَشَرٍ مِّنْ شَيْءٍ ۔

اور پھر اپنے رسول ہی کے ذریعہ سے ان کے اس قول کی تکذیب کرائی اور اپنے رسول کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

قُلْ مَنْ اَنْزَلَ الْكِتَابَ الَّذِيْ جَاءَ بِهٖ مُوْسىٰ نُوْرًا ۔

بتاؤ جو پرنور کتاب موسیٰ لائے تھے وہ کس نے نازل کی تھی۔

ان آیات سے معلوم ہوا، کہ اللہ نے قرآن کو "ذکر" "ایمان" "نور" "ہدیٰ مبارکا" "عربیا" اور "قصصا" سے تعبیر فرمایا ہے۔

نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ اَحْسَنَ الْقَصَصِ بِمَآ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ هٰذَا الْقُرْاٰنَ ۔

پھر ارشاد فرمایا:

قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰى اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ ۔

پھر ارشاد ہوا:

قُلْ فَاْتُوْا بِعَشْرِ سُوَرٍ مِّثْلِهٖ مُفْتَرَيٰتٍ ۔

نیز فرمایا:

لَا يَاْتِيْهِ الْبَاطِلُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ ۔

ان آیات کریمہ سے معلوم ہوتا ہے، کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کے لیے اول بھی رکھا ہے اور آخر بھی اس کے اول اور آخر کا ہونا اس بات کی دلیل ہے، کہ محدود اور مخلوق ہے، ان جاہلوں نے قرآن کے متعلق اپنے غلط عقیدہ کا اظہار کر کے اپنے دین اور امانت میں بہت بڑا رخنہ ڈال دیا ہے اور اس طرح دشمنان اسلام کے راستہ کو سہل بنا دیا ہے، اپنے الحاد اور بے دینی کا اعتراف کر لیا ہے، کہ اللہ کی ایک مخلوق شے کو اس صفت سے موصوف کرنے لگے، جو صرف خدا ہی کے لیے خاص ہے، انہوں نے قرآن کو خدا سے تشبیہ دی، حالاں کہ مخلوقات ہی آپس میں ایک دوسرے سے مشابہ ہو سکتی ہیں۔

جو لوگ قرآن کریم مانتے ہیں، امیر المومنین کا ان کے بارے میں خیال ہے، کہ نہ وہ دین میں کچھ درک رکھتے ہیں، نہ یقین و ایمان کی نعمت انہیں حاصل ہے، ایسے لوگوں کے لیے امیر المومنین یہ مناسب نہیں سمجھتے کہ اب ان کی امانت و عدالت یا قول و حکایت پر اعتماد کیا جائے، یہ لوگ اب اس قابل نہیں رہے، کہ حکومت رعایا کے امور میں انہیں کوئی ذمہ داری سونپے، اگرچہ ان میں سے بعض لوگ نیک اور درست اطوار کے ہیں، مگر فروع سے کیا ہوتا ہے؟ اصل چیز تو عقائد ہیں، مدح و ذم کا انحصار، عقائد کی بھلائی اور برائی پر ہوتا ہے، جو شخص ایمان کے اصل اصول یعنی توحید سے پورے طور پر واقف نہ ہو وہ دوسرے احکام اور اصول سے بدرجہ اولیٰ ناواقف اور جاہل ہوگا، ایسا شخص کسی کو راہ ہدایت کیا دکھا سکے گا، جو خود اندھا اور گمراہ ہو۔

امیر المومنین نے تمہیں جو کچھ لکھا ہے، یہ تم جعفر بن عیسیٰ اور عبدالرحمٰن بن اسحاق کو سنا دو اور ان سے دریافت کرو، کہ قرآن کے بارے میں وہ کیا عقیدہ رکھتے ہیں اور یہ بات خوب اچھی طرح انہیں جتا دو، کہ امیر المومنین اس شخص سے کوئی خدمت نہیں لے سکتے، نہ اس پر بھروسہ کر سکتے ہیں، جو اخلاص و توحید کی نعمت سے بہرہ ور نہ ہو اور توحید کا عقیدہ اس وقت تک استوار نہیں ہو سکتا، جب تک قرآن کے مخلوق ہونے کا اقرار نہ کیا جائے۔

پس اگر یہ دونوں امیر المومنین کے ارشاد کو تسلیم کر لیں، تو انہیں حکم دو، کہ فصل خصومات کے وقت جب لوگ اپنے دعاوی کے ثبوت میں شہادتیں پیش کریں، تو ان سے خلق قرآن کے بارے میں دریافت کریں، جو یہ نہ مانتا ہو کہ قرآن مخلوق ہے، اس کی شہادت باطل قرار دیں اور اس کی بات پر اعتماد کرتے ہوئے وہ دونوں کوئی فیصلہ ہرگز صادر نہ کریں، اگرچہ وہ بظاہر کتنا ہی نیک، پارسا اور متقی ہی کیوں نہ ہو۔

تمہارے ماتحت علاقہ میں جتنے قاضی ہیں، ان سب کو یہ حکم پہنچا دو اور امیر المومنین کو اپنے اقدام و عمل کے نتائج سے مطلع کرو۔ (ابن حنبل ص ۴۴ تا ۴۸)

مامون کے حسب الحکم اسحاق بن ابراہیم نے فقہا، حکام اور محدثین کی ایک جماعت کو طلب کیا، تا کہ ان کے عقیدہ کا امتحان لے، چنانچہ ابوحسان زیادی، بشر بن الولید الکندی، علی بن ابی مقاتل، فضل بن غانم، ذیال بن الہیثم، سجادہ، قواریری، احمد بن حنبل، قتیبہ، سعدویہ الواسطی، علی بن الجعد اسحاق بن ابی اسرائیل ابن الہرش، ابن علیۃ الاکبر، یحییٰ بن عبدالرحمٰن العمری نیز حضرت عمر بن الخطاب کی اولاد سے ایک اور مرد بزرگ جورقہ کے قاضی تھے، علاوہ ازیں ابونصر التمار، ابومعمر القطیعی، محمد بن حاتم بن میمون، محمد بن نوح المضر وب، ابن الفرخان اور ایک اور جماعت جس میں نضر بن شمیل ابن علی بن عاصم، ابوالعوام البزاز، ابن شجاع اور عبدالرحمٰن بن اسحاق وغیرہ شامل تھے، یہ سب لوگ حسب الحکم اسحاق کے دربار میں حاضر ہوئے۔

اسحاق نے ان حضرات کے امتحان کا آغاز اس طرح کیا، کہ مامون کا فرمان دو مرتبہ پڑھ کر سنایا، تا کہ یہ لوگ اس کے مفہوم ومعنی سے اچھی طرح واقف ہو جائیں، پھر اس نے سوالات کا سلسلہ شروع کیا۔

اسحاق بن ابراہیم نے بشر بن الولید سے پوچھا، قرآن کے بارے میں تم کیا کہتے ہو؟

بشر بن الولید:۔ میں نے ایک سے زیادہ مرتبہ اپنا خیال امیر المومنین کے سامنے ظاہر کر دیا ہے۔

اسحاق بن ابراہیم:۔ لیکن امیر المومنین کے فرمان کے بعد یہ مبحث از سر نو زیر بحث آ گیا ہے، جیسا کہ تم دیکھ رہے ہو۔

بشر بن الولید:۔ میں کہتا ہوں، قرآن خدا کا کلام ہے۔

اسحاق بن ابراہیم:۔ میں نے تم سے یہ نہیں پوچھا تھا یہ بتاؤ وہ مخلوق ہے یا نہیں؟

بشر بن الولید:۔ اللہ ہر چیز کا خالق ہے۔

اسحاق بن ابراہیم:۔ کیا قرآن چیز ہے؟

بشر بن الولید:۔ ہاں وہ ایک شے ہے۔

اسحاق بن ابراہیم:۔ کیا وہ مخلوق بھی ہے۔

بشر بن الولید:۔ اللہ ہر چیز کا خالق ہے۔

اسحاق بن ابراہیم:۔ میں یہ نہیں پوچھتا، یہ بتاؤ یہاں مخلوق بھی ہے؟

بشر بن الولید:۔ جو کچھ میں نے کہہ دیا ہے، اس پر اضافہ نہیں کر سکتا، میں نے امیر المومنین کے سامنے عہد کیا ہے، کہ اس مسئلہ پر کسی طرح کی گفتگو نہیں کروں گا اور جو کچھ میں کہہ چکا ہوں اس کے علاوہ اب میرے پاس کچھ نہیں ہے۔

یہ سن کر اسحاق بن ابراہیم نے ایک رقعہ اٹھایا،، جو اس کے سامنے رکھا ہوا تھا، سنانے کے بعد اس نے بشر سے دریافت کیا، کیا تم اس سے اتفاق کرتے ہو، کہ خدا کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ واحد اور یکتا ہے، نہ اس سے پہلے کوئی چیز تھی، نہ اس کے بعد کچھ ہے، اس کی مخلوقات میں سے کوئی شے کسی درجہ میں بھی اور کسی طرح بھی اس سے مشابہت نہیں رکھتی۔

بشر نے جواب دیا، ہاں! میں اس سے اتفاق کرتا ہوں اور میں تو ان لوگوں کو پیٹا کرتا تھا، جن کا عقیدہ اس عقیدہ سے مختلف ہوتا تھا۔

اسحاق نے منشی سے کہا، جو کچھ بشر نے کہا ہے، اسے لکھ لو۔

اب اسحاق، علی بن ابی مقاتل کی طرف متوجہ ہوا اور پوچھا، خلق قرآن کے بارے میں علی! تمہاری کیا رائے ہے؟ علی بن ابی مقاتل نے کہا، ایک سے زائد مرتبہ میں امیر المومنین کو اپنے خیال سے آگاہ کر چکا ہوں، جو کچھ وہ مجھ سے سن چکے ہیں، وہی رائے میری اب بھی ہے۔

پھر اسحاق نے رقعہ کے بارے میں ابن ابی مقاتل کا امتحان لیا، اسے سنا کر پوچھا، کیا اس سے تمہیں اتفاق ہے؟ ابن ابی مقاتل نے کہا، ہاں! اس سے متفق ہوں۔

اسحاق بن ابراہیم:۔ تو یہ بات مانتے ہو، کہ قرآن مخلوق ہے؟

ابن ابی مقاتل:۔قرآن خدا کا کلام ہے۔

اسحاق بن ابراہیم:۔ میں تم سے یہ نہیں دریافت کرتا۔

ابن ابی مقاتل:۔ قرآن خدا کا کلام ہے اور اگر امیر المومنین ہمیں کوئی حکم دیں گے تو ہم اسے سنیں گے اور اس کی اطاعت کریں گے۔

اسحاق نے منشی سے کہا، ابن ابی مقاتل نے جو کچھ کہا ہے، اسے نوٹ کرلو!

اب اسحاق نے ذیال سے بھی یہی سوال کیا، اور انہوں نے بھی وہی جواب دیا، جو علی بن ابی مقاتل نے دیا تھا۔

پھر اس نے ابوحسان زیادی سے دریافت کیا، کہو تمہاری کیا رائے ہے؟ زیادی نے کہا، جو کچھ پوچھنا چاہتے ہو پوچھو! اب اسحاق نے مامون کا وہی رقعہ پڑھ کر سنایا اور پوچھا کیا تم اس سے اتفاق رکھتے ہو؟ زیادی نے اقرار کرلیا اور اس کے بعد یہ بھی کہا، جو اس عقیدہ کو نہیں مانتا میرے نزدیک وہ کافر ہے۔

اسحاق نے کہا، تم مانتے ہو، کہ قرآن مخلوق ہے؟

زیادی نے جواب دیا، قرآن کلام الٰہی ہے، خدا ہر شے کا خالق ہے، اس کے سوا ہر چیز مخلوق ہے، امیر المومنین مامون ہمارے امام ہیں، انہی کے ذریعہ سے ہم نے ہر طرح کا علم پایا ہے، وہ جو کچھ سن چکے ہیں، وہ ہم نے نہیں سنا، وہ جو کچھ جانتے ہیں، ہم نہیں جانتے، اللہ نے ہماری باگ ان کے ہاتھ میں دے دی ہے، وہ حج اور نماز میں ہماری امامت کرتے ہیں، انہی کی خدمت میں ہم اپنے اموال کی زکوٰۃ پیش کرتے ہیں، انہی کے ساتھ ہم جہاد کے معرکوں میں شریک ہوتے ہیں، ہم ان کی امامت کو برحق سمجھتے ہیں، وہ ہمیں جو حکم دیں گے ہم اس کی تعمیل کریں گے، وہ ہمیں جس کام سے منع کریں گے ہم، اس سے باز آجائیں گے، وہ جب ہمیں بلائیں گے ہم لبیک کہتے ہوئے ان کی خدمت میں حاضر ہو جائیں گے۔

اسحاق نے یہ باتیں سن کر مزید سوال کیا، یہ ٹھیک ہے، مگر یہ بتاؤ قرآن مخلوق بھی

ہے، اس کے جواب میں ابوحسان زیادی نے پھر وہی باتیں دہرا دیں جو ابھی کہی تھیں۔

اسحاق نے کہا، لیکن امیر المومنین کا تو اس باب میں یہ ارشاد ہے، اس ارشاد کے بارے میں تم کیا کہتے ہو؟

زیادی نے کہا، ہاں! امیر المومنین کا یہ عقیدہ ہوگا، لیکن انہوں نے لوگوں کو یہ حکم تو نہیں دیا ہے، کہ وہ بھی اس عقیدہ کو مان لیں اور نہ انہوں نے اس عقیدہ کی عام دعوت دی ہے اور اگر تم مجھے یہ کہو، کہ امیر المومنین نے تمہیں حکم دیا ہے، کہ میں خلق قرآن کا عقیدہ اختیار کرلوں، تو اگر تم مجھے ایسا حکم دوگے، تو میں اس کے مطابق اپنے عقیدہ کا اظہار کردوں گا، میں تم پر پورا بھروسہ رکھتا ہوں، کہ تم وہی کہو گے، جس کا امیر المومنین نے تمہیں حکم دیا ہے، لہٰذا اگر تم کوئی ایسا حکم مجھ تک پہنچاتے تو میں ضرور اس کی تعمیل کرتا۔

اسحاق نے کہا، بلاشبہ مجھے اس طرح کا کوئی حکم نہیں دیا گیا ہے، کہ میں کوئی بات اس رقعہ کے سوا ان کی طرف سے تم سے کہوں۔

علی بن ابی مقاتل نے کہا، امیر المومنین مامون کا قول خلق قرآن کے بارے میں ایسا ہی ہے جیسا کہ فرائض اور وراثت کے معاملہ میں صحابہ کرام کا اختلاف، لیکن انہوں نے دوسرے کسی شخص کو اپنے اقوال منوانے پر کبھی مجبور نہیں کیا۔

ابوحسان نے کہا، میرے پاس سمع وطاعت کے سوا کچھ نہیں ہے، میں تو بندہ فرمان ہوں، جو حکم ملے گا، اس کی تعمیل کروں گا۔

اسحاق نے اس کے جواب میں کہا، امیر المومنین نے مجھے کوئی ایسا حکم نہیں دیا ہے، جس کی میں آپ حضرات سے تعمیل کراؤں، انہوں نے مجھے صرف یہ حکم دیا تھا، کہ میں آپ صاحبان کا امتحان لوں، وہ فرض میں نے ادا کردیا۔

پھر اسحاق امام احمد کی طرف متوجہ ہوا اور کہا، قرآن کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟

امام احمد:۔ قرآن کلام الٰہی ہے۔

اسحاق بن ابراہیم :۔ کیا وہ مخلوق ہے؟

امام احمد:۔ وہ کلام الٰہی ہے اور میں اس سے زیادہ کچھ کہنے کو تیار نہیں ہوں۔

پھر اسحاق نے امام احمد کو وہ رقعہ سنایا، جو دوسروں کو سنا چکا تھا اور اس کی تائید چاہی جب وہ اس مقام پر پہنچا ''لا یشبہ شیء فی خلقہ فی معنی من المعانی ووجہ من الوجوہ'' یعنی خدا کی مخلوق میں سے کوئی چیز کسی حیثیت سے اور کسی طرح بھی اس سے مشابہت نہیں رکھتی تو اس پر امام احمد نے فرمایا، میں کہتا ہوں ''لیس کمثلہ شیء وھو السمیع البصیر'' خدا کی طرح کوئی چیز نہیں ہے اور وہ سمیع وبصیر ہے۔

تو ابن البکاء الاصغر نے اس پر معترض ہوتے ہوئے کہا، خدا تمہاری اصلاح کرے، یہ احمد کہتے ہیں، کہ خدا کان سے سنتا ہے اور آنکھ سے دیکھتا ہے۔

اسحاق نے امام احمد سے دریافت کیا، خدا کے قول سمیع اور بصیر کا کیا معنی ہے؟

امام احمد نے جواب دیا، اس نے اپنا وصف جیسا بیان کیا ہے، وہ ویسا ہی ہے۔

اسحاق نے پوچھا، اس کے معنی کیا ہوئے؟

امام صاحب نے جواب دیا، میں نہیں جانتا، بس وہ ویسا ہی جیسا اس نے اپنا وصف بیان کیا۔

پھر اسحاق نے سب کو فرداً فرداً بلایا اور یہی سوال کیا سب نے جواب میں کہا، قرآن کلام الٰہی ہے، سوائے حسب ذیل حضرات کے:

قتیبہ، عبید اللہ بن محمد بن حسن، ابن علیہ الاکبر، ابن البکاء، عبدالمنعم بن ادریس، ابن بنت وہب بن منبہ، مظفر بن مرجا اور ایک شخص جو نابینا اور ضعیف تھا، نہ فقیہ تھا، نہ کچھ جانتا تھا، لیکن گھس بیٹھ کر کسی طرح اس مجلس میں پہنچ گیا تھا، اور ایک شخص رقہ کا قاضی جو عمر بن خطاب کی اولاد میں سے تھا اور ابن الاحمر۔

ابن البکاء الاکبر نے اسحاق سے سوال کے جواب میں کہا، قرآن مجعول ہے، کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ''انا جعلناہ قرآنا عربیا''۔

قرآن محدث بھی ہے کیوں کہ خدا خود فرماتا ہے ''ما یاتیھم من ذکر من ربھم محدث''۔

اسحاق نے پوچھا، کیا مجعول مخلوق ہے؟ ابن البکاء الاکبر نے کہا، ہاں! ہے، اسحاق نے پھر کہا، پھر تو قرآن مخلوق ہوا؟ انہوں نے جواب دیا، میں مخلوق تو نہیں کہہ سکتا، لیکن یہ کہتا ہوں کہ وہ مجعول (بنایا ہوا) ہے۔

اسحاق نے یہ بیان لکھ لیا۔

ان حضرات کے امتحان سے جب اسحاق فارغ ہوگیا اور ان کے بیانات اس نے نوٹ کر لیے تو ابن البکاء الاصغر نے اعتراض کرتے ہوئے یہ تجویز پیش کی، کہ ان دونوں قاضیوں کو جو امام ہیں، یہ حکم دیں، کہ اپنے خیالات ظاہر کریں تا کہ ان کے خیالات کی دوسروں سے ہم حکایت کرسکیں۔

اسحاق نے جواب دیا، اگر ان دونوں حضرات کی خدمت میں کبھی تم بطور گواہ کے پیش ہوگئے تو خود ہی جان لوگے، ان کے خیالات کیا ہیں؟

اس کے بعد اسحاق نے جملہ حاضرین کے فرداً فرداً خیالات وعقائد قلم بند کیے اور مامون کی خدمت میں ارسال کردیے، نو دن تک یہ حضرات اسحاق کے پاس مقیم رہے، تا کہ مامون کے پاس سے ان خیالات کو پیش نظر رکھ کر جواب آئے۔

نو دن کے بعد اسحاق نے ان سب حضرات کو دوبارہ طلب کیا، کیوں کہ اس کے خط کا جواب مامون کے پاس سے آچکا تھا۔

مامون کا تیسرا خط

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم اما بعد! امیر المومنین کو تمہارا خط ان کے اس مکتوب کے جواب میں موصول ہوا، جس میں انہوں نے قرآن کے بارے میں ایک بناوٹی اور غلط عقیدہ رکھنے والے لوگوں کا امتحان لینے اور ان کے حالات وکیفیات بیان کرنے کا تمہیں حکم دیا تھا۔

اس خط سے معلوم ہوا، کہ تم نے امیر المومنینؑ کا مکتوب موصول ہونے کے بعد جعفر بن عیسیٰ اور عبدالرحمٰن بن اسحاق کی موجودگی میں مدینۃ السلام (بغداد) کے فقیہوں، محدثوں اور مفتیوں کو سنایا اور پھر ان سے قرآن کے بارے میں ان کا عقیدہ دریافت کیا اور یہ معلوم کیا کہ کون اس بات کا قائل ہے، کوئی چیز بھی کسی طرح خدا سے مشابہت نہیں رکھتی اور یہ کہ قرآن کے بارے میں ان کے خیالات میں کس درجہ اختلافات ہیں، یہ بھی معلوم ہوا، کہ جو شخص خلق قرآن کا قائل نہیں ہے، اسے تم نے علانیہ طور پر درس حدیث اور فتویٰ دینے سے منع کر دیا ہے، نیز یہ بھی معلوم ہوا، کہ تم نے دونوں قاضیوں کی طرح سندی اور عباس مولی امیر المومنین کو حسب ایمائے امیر المومنین حکم دے دیا ہے، کہ جو گواہ ان کے سامنے پیش ہوا کریں، ان کے بارے میں وہ اطمینان کر لیا کریں، کہ خلق قرآن کے سلسلہ میں ان کا عقیدہ کیا ہے؟ علاوہ ازیں یہ کہ تم نے اپنے علاقہ کے تمام قاضیوں کو طلب کیا ہے، تا کہ امیر المومنین کے حسب ارشاد تم ان کا بھی امتحان لو۔

خط کے آخر میں تم نے ان تمام لوگوں کے نام لکھ دیے ہیں، جو حاضر تھے اور ان کے خیالات بھی قلم بند کر دیے ہیں، امیر المومنین تمہارے خط کے مفہوم سے پورے طور پر واقف ہوئے اس تمام کاروائی پر وہ خدائے کریم کا شکر بجالاتے ہیں اور اس سے التجا کرتے ہیں، کہ وہ اپنی رحمت اپنے بندے اور رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل فرمائے، امیر المومنین خدائے قادر و توانا سے مستدعی ہیں، کہ اپنی طاعت کی انہیں توفیق دے اور اپنی رحمت سے نیت کی سلامتی کے ساتھ ان کی مدد کرے۔

اپنے خط میں تم نے جن لوگوں سے قرآن کے بارے میں سوال و جواب کی کیفیت لکھی ہے امیر المومنین نے اس پر غور کیا اور اس نتیجہ پر پہنچے کہ بشر بن الولید نے نفی تشبیہ میں جو کچھ کہا اور جس طرح قرآن کے مخلوق ہونے کے بارے میں خاموش رہا اور یہ دعویٰ کیا کہ وہ اس کے بارے میں امیر المومنین کے سامنے عہد کر چکا ہے، تو واقعہ یہ ہے، کہ بشر نے غلط بیانی سے کام لیا، جھوٹ بولا اور نا قابل تسلیم بات کی ہے، واقعہ یہ

ہے، کہ اس کے اور امیر المومنین کے مابین اس سلسلہ میں نہ کوئی گفتگو ہوئی، نہ معاہدہ، نہ مناظرہ، اس کے برعکس بارہا امیر المومنین کے سامنے دعوائے اخلاص کے ساتھ اس نے اپنے اعتقاد کو بیان کیا ہے اور اعتراف کیا ہے، کہ قرآن مخلوق ہے، لہٰذا تم اسے بلاؤ اور جو کچھ امیر المومنین نے لکھا ہے، اسے بتاؤ اور قرآن کے بارے میں صاف صاف اس کے خیالات معلوم کرو، اور اس سے کہو، کہ توبہ کرے، کیوں کہ امیر المومنین کا یہ خیال ہے، کہ جو شخص قرآن کے بارے میں ایسے خیالات رکھتا ہے، وہ کفر صریح اور شرک محض کا ارتکاب کرتا ہے، پس اگر وہ ان خیالات سے توبہ کرلے، تو تم اس کا اعلان کر دینا اور اگر وہ اپنے شرک پر اصرار اور قرآن کے مخلوق ہونے پر انکار کرے تو اس کفر والحاد کی پاداش میں اس کی گردن اڑا دینا اور امیر المومنین کی خدمت میں اس کا سر بھیج دینا۔

اسی طرح ابراہیم بن مہدی کے ساتھ کرنا، بشر کی طرح ان کا بھی امتحان لو، کیوں کہ وہ بھی بشر کی مانند غلط بیانی کرتا رہتا ہے، امیر المومنین تک اس کی غلط بیانیوں کا طومار پہنچ چکا ہے، پس اگر وہ اقرار کرلے، کہ قرآن مخلوق ہے، تو اس کے اس عقیدہ کو بھی مشتہر کردو اور اسے رہا کردو، بصورت دیگر اس کی گردن ماردو اور امیر المومنین کی خدمت میں اس کا کٹا ہوا سر بھیج دو۔

رہا علی بن ابی مقاتل، تو اس سے پوچھنا، کہ کیا تو نے امیر المومنین سے یہ بات نہیں کہی، کہ تو حرام کو حلال اور حلال کو حرام کر دیتا ہے، اور کیا اس نے قرآن کے بارے میں اپنا وہی عقیدہ نہیں بیان کیا، جو امیر المومنین نے اپنا بیان فرمایا تھا۔

اور ذیال بن ہیثم سے کہنا، کہ تو وہ ہے، جو انبار میں کھانا چرایا کرتا تھا، اور امیر المومنین ابو العباس نے جو خدمت اسے سونپی تھی، کیا وہ مشغلہ اس کے لیے کافی نہیں ہے اور اگر واقعی وہ آثار سلف کی پیروی کرنے والا ہوتا تو کبھی ایمان کے بعد شرک کے راستہ پر نہ جا پڑتا اور احمد بن یزید المعروف بہ ابی العوام نے قرآن کے بارے میں جواب دینا مناسب نہیں سمجھا، اس جاہل کو بتا دینا کہ وہ عقل و دانش کے اعتبار سے ایک طفل کم

سواد سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا، قرآن کے بارے میں اس نے جواب نہیں دیا، لیکن جب وہ تادیب وتعزیر سے دوچار ہوگا، تو جواب دے گا، بہر حال اگر وہ حسب مراد جواب نہ دے تو پھر تلوار سے کام لو۔

اور ہاں احمد بن حنبل کے بارے میں جو کچھ تم نے لکھا، امیر المومنین نے اسے پڑھا، احمد کو بتادو، کہ امیر المومنین اس کے مفہوم ومنشا سے پورے طور پر واقف ہیں، اس مسئلہ میں وہ اس کے جاہلانہ عقیدہ سے مطلع ہوئے، اس کا خمیازہ بہر حال اسے اٹھانا پڑے گا۔

اور فضل بن غانم کو بتادو، کہ ایک سال سے کم کی مدت میں مصر سے اس نے جو روپیہ ناجائز طور پر کمایا، اس کے باعث وہ امیر المومنین سے خائف نہیں ہے، جواب مزید جرم کا ارتکاب کررہا ہے، حالاں کہ اس حرکت پر مطلب بن عبداللہ سے اس کا جھگڑا بھی ہوا تھا، جس شخص کے کردار کی پستی کا یہ عالم ہو اور جو درہم ودینار کا ایسا لالچی ہو اس سے ہرگز یہ بات مستبعد نہیں ہے، کہ وہ اپنا ایمان بھی سیم وزر، اور نفع عاجل کی خاطر بیچ ڈالے، علاوہ ازیں اس نے علی بن ہشام سے اپنا جو عقیدہ بیان کیا تھا، وہ اس سے قطعا مختلف تھا، جس کا اظہار اب وہ کررہا ہے، لہٰذا اس سے دریافت کرو کہ اس انقلاب خیال میں کیا راز ہے؟۔

اور زیادی کو بتادو، کہ وہ اس شخص کی اولاد میں ہے، جس کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم میں سب سے پہلے اختلاف کیا گیا، ظاہر ہے، وہ بھی اپنے باپ ہی کے نقش قدم پر چلے گا، جو جھوٹا مدعی نسب تھا، اسی لیے ابوحسان نے زیادی یا کسی شخص کا مولیٰ بننے سے انکار کردیا، کسی شخص نے بھی اس کا مولیٰ بننا گوارہ نہیں کیا، (بیان کیا جاتا ہے، کہ ایک خاص وجہ سے زیادی کی طرف منسوب کیا گیا تھا۔)

اور جو شخص ابونصر التمار کے نام سے مشہور ہے، اس سے کہہ دو، کہ امیر المومنین کی نگاہ میں جیسی پست اس کی تجارت ہے، ویسی ہی ذلیل اس کی عقل ہے۔

اور فضل بن الفرخان سے کہہ دینا کہ قرآن کے بارے میں یہ عقیدہ اس لیے تو نے اختیار کیا ہے، کہ تو ان امانتوں کو ہضم کر لینا چاہتا ہے، جو عبدالرحمٰن بن اسحاق وغیرہ نے تیری سپردگی میں دی تھیں اور اس امر کا خواہش مند ہے، کہ یہ امانت رکھانے والے کسی طرح ختم ہوں کہ تو تمام مال ومنال پر قبضہ کرے، مگر چوں کہ وہ بہت سن رسیدہ اور بوڑھا ہے، اس لیے اس کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کی جاسکتی، البتہ عبدالرحمٰن بن اسحاق سے کہنا، کہ خدا تجھے جزاے خیر سے محروم رکھے، کہ تو نے ایسے شخص کو قوت پہنچائی اور ایسے شخص کے پاس اپنی امانت رکھوائی جو شرک کا معتقد اور توحید سے برگشتہ ہے۔

محمد بن غانم اور ابن نوح اور ابو معمر سے کہو، کہ یہ سود خوار لوگ بھلا توحید کو کیا سمجھ سکتے ہیں، اور امیر المومنین بھلا ان لوگوں کے خلاف جہاد کو کیسے جائز نہ قرار دیں جب کہ کتاب الٰہی (قرآن) میں ان جیسوں کے لیے جہاد کا حکم وارد ہوا ہے، اور یہ تو دوہرے مجرم ہیں، کہ انہوں نے سود خواری کے ساتھ ساتھ شرک کو بھی اپنا شعار بنالیا ہے اور اس طرح اب وہ مثل نصاریٰ کے ہیں۔

اور احمد بن شجاع سے کہہ دینا، کہ کل کی بات ہے، جب علی بن ہشام کے مال میں سے ناجائز طور پر تو نے بھی ابو معمر کے ساتھ حصہ بٹایا تھا لہٰذا معلوم ہوا تیرا دین ومذہب صرف دینار ودرہم ہیں۔

سعدویہ الواسطی سے کہنا، کہ خدا اس شخص کو غارت کرے، جو ایک طرف تو حدیث نبوی کی زیب وزینت میں لگا رہتا ہے، اور اس کا جویا رہتا ہے، اس فن میں سیادت کا درجہ حاصل کرلے اور دوسری طرف جب امتحان کا وقت آتا ہے، تو درس حدیث کی مسند پر بھی بیٹھتا ہے اور انکار کے رویہ پر بھی قائم رہتا ہے۔

اور وہ شخص جو سجادہ کے نام سے مشہور ہے، جس کا یہ دعویٰ ہے، کہ اس نے اپنے معاصر حضرات اہل حدیث اور اہل فقہ سے کبھی یہ نہیں سنا، کہ قرآن مخلوق ہے، کہہ دو کہ کھجور کی گٹھلیاں شمار کرنے، اپنے لبادے کی درستگی کرنے اور علی بن یحییٰ وغیرہ کی امانتوں

میں تغلب کرنے میں وہ اس قدر مشغول ہے، کہ اس نے توحید کو فراموش کر دیا، اس سے دریافت کرو، کہ اگر تو یوسف بن ابی یوسف اور محمد بن الحسن کی صحبت میں واقعی شریک رہا تو کیوں نہیں بتاتا، کہ خلق قرآن کے بارے میں ان لوگوں کا خیال کیا تھا؟

اور قواریری وہ شخص ہے، کہ جب اس کے احوال کی چھان بین کی گئی تو معلوم ہوا، کہ یہ رشوت لیتا رہا ہے، یہ ایسے امور کا مرتکب رہا ہے، جن سے اس کی بے ایمانی، بد اخلاقی اور سفاہت عقل و دین پورے طور پر ہویدا اور ظاہر ہے، امیر المومنین کے سمع مبارک میں یہ بات بھی پہنچی ہے، کہ وہ جعفر بن عیسی الحسنی کے معاملات کا وکیل اور مختار ہے، پس تم جعفر بن عیسیٰ سے کہہ دو کہ اس سے الگ تھلگ رہے اس پر بھروسہ نہ کرے اور نہ اسے اپنا امین بنائے۔

اور یحییٰ بن عبدالرحمٰن العمری اگر واقعی حضرت عمر بن خطاب کی اولاد میں سے ہیں، تو ان کا جواب معروف و معلوم ہے۔

اور محمد بن حسن بن علی بن عاصم اگر اپنے اسلاف کرام کے نقش قدم پر رہروی کر رہے ہوتے تو ہرگز وہ مسلک نہ اختیار کرتے جس کے بارے میں ان کی شہرت ہو رہی ہے اور پھر وہ ابھی نوعمر ہیں، ان کی تعلیم و تربیت پر زیادہ توجہ کرنے کی ضرورت ہے۔

امیر المومنین تمہارے پاس ابومسہر کو روانہ کرتے ہیں، انہوں نے قرآن کے بارے میں اس کا امتحان لیا، پہلے تو اس نے جواب دینے سے گریز کیا اور ٹال مٹول کی کوشش کی، مگر جب امیر المومنین نے اس کی گردن قلم کرنے کے لیے تلوار طلب کی تو اس نے گڑگڑا کر خلق قرآن کا اقرار کر لیا، پس اگر وہ اس عقیدے پر قائم ہو تو اس کے عقیدے کو شہرت دو!۔

جن لوگوں کے نام تم نے اپنے مکتوب بنام امیر المومنین میں تحریر کیے ہیں، یا جن کے نام امیر المومنین نے لکھے ہیں، یا جن کا ذکر اس خط میں نہیں بھی کیا ہے، تو اگر یہ اپنے

شرک سے باز نہ آئیں اور قرآن کے مخلوق ہونے کا اقرار نہ کریں، تو بشر بن الولید اور ابراہیم بن المہدی کے علاوہ سب کو طوق وسلاسل میں اسیر کر کے سرکاری محافظوں کے ساتھ امیر المومنین کی خدمت میں روانہ کردو، یہاں تک کہ وہ لوگ لشکر امیر المومنین میں پہنچ جائیں اوران لوگوں کی تحویل میں آجائیں، جواس کام پر مامور کیے گئے ہوں، تاکہ امیر المومنین بہ نفس نفیس ان کا امتحان لیں اور اگر وہ اپنے عقیدے سے رجوع نہ کریں اور تائب نہ ہوں توان سب کی گردنیں تلوار سے اڑا دیں، انشاءاللہ ولاقوۃ الا باللہ!

امیر المومنین یہ فرمان دوسرے سرکاری کاغذات کے جمع ہونے کا انتظار کیے بغیر بطور خاص فرض الٰہی سمجھ کر اوراس کے تقرب کی تمنا میں تم کو روانہ کرتے ہیں اور تمہیں ہدایت کرتے ہیں، کہ اس کا نفاذ فوراً کر دینا اوراس کا جواب بھی اسی طرح بطور خاص امیر المومنین کی خدمت میں ارسال کر دینا، تاکہ وہ جان لیں، کہ تم نے اس سلسلہ میں کیا کیا؟ (ایضاص ۴۸ تا ۵۰)

مامون کے خطوط اس حقیقت کو واضح کرتے ہیں، کہ وہ بتدریج منکرین خلق قرآن کی سزاوعقوبت میں اضافہ کرتا رہا اور آخری خط میں اس کا تشدد نقطہ عروج کو پہنچ گیا، چنانچہ اس نے اہل حق کے لیے سزائے موت تجویز کی۔

اس خط کی وصول یابی کے فوراً بعد اسحاق بن ابراہیم نے مامون کے حکم کی تعمیل کردی، فقہاومحدثین اوراصحاب فتویٰ کو بلا کر دھمکی دی، کہ اگرانہوں نے خلق قرآن کے عقیدے کو نہ مانا توانہیں شدید آلام ومصائب سے دوچار ہونا پڑے گا، چنانچہ سب نے بلا روک ٹوک یہ باطل نظریہ تسلیم کرلیا اوراعلانیہ خلق قرآن کے قائل ہوگئے۔

امام احمد بن حنبل اور محمد بن نوح قیدو بند میں

اس کڑی آزمائش میں صرف چار علمی شخصیتیں اپنے موقف پر جمی رہیں وہ حکم خداوندی پر قانع رہے، ان کے پایہ ثبات میں ذرا بھی لغزش نہ آئی، وہ چار بزرگ یہ تھے (۱) امام احمد بن حنبل (۲) محمد بن نوح (۳) قواریری (۴) سجادہ۔

ان چاروں کو بیڑیاں پہنا کر قید خانے میں بھیج دیا گیا، جہاں انہوں نے رات گزاری، جب صبح ہوئی، تو سجادہ نے معتزلہ کی دعوت پر لبیک کہہ دی اور وہ بیڑیوں سے آزاد کر دیا گیا، باقی اسی طرح مقید رہے، اگلے دن ان سے خلق قرآن کے بارے میں دریافت کیا گیا، قواریری کا عقیدہ متزلزل ہو گیا اور اس نے نظریہ خلق قرآن قبول کر لیا، اسے بھی آزادی مل گئی، اب صرف دو مردان حق قید و بند کی صعوبتیں جھیلنے کے لیے باقی رہ گئے، جنہیں طوق و سلاسل میں جکڑ کر مامون کے پاس روانہ کیا گیا، جو اس وقت طرطوس میں مقیم تھا۔

یہ لوگ کوفہ کے علاقے میں تھے، تو بدووں کا ایک غلام جابر بن عامر ان کے پاس آیا اور اس نے سلام کیا اور کہنے لگا، آپ ارباب اقتدار کے پاس جانے والے ہیں، ان کے لیے منحوس نہ بنیں، آج آپ مسلمانوں کے سردار ہیں اور جس بات کی طرف آپ کو دعوت دیتے ہیں، اس کا جواب دینے سے بچیں، ورنہ قیامت کے دن آپ ان کے گناہوں کا بوجھ اٹھائیں گے اور اگر آپ اللہ سے محبت کرتے ہیں، تو آپ جس حالت میں ہیں، اس پر صبر کیجیے، آپ کے بعد جنت کے درمیان صرف آپ کا قتل ہونا ہی باقی ہے اور اگر آپ زندہ رہے، تو قابل تعریف حالت مین زندہ رہیں گے۔

(ابن کثیر ج ۱۰ ص ۸۸۵)

امام احمد کا بیان ہے، کہ اس غلام کی گفتگو نے میرے عقیدے اور عزم کو قوت عطا کی، آپ کہتے ہیں:

سمعت كلمة منذ وقعت فى هذا الامر الذى وقعت فيه اقوى من كلمة اعرابى كلمنى فيها فى رحبة طوق قال لى يا احمد ان يقتلك الحق مت شهيدا وان عشت عشت حميدا قال فقوى قلبى۔ (مناقب ص ۳۹)

جب سے میں اس آزمائش میں مبتلا کیا گیا اس اعرابی کی گفتگو سے

زیادہ قوت دینے والی کوئی بات نہیں سنی، جس نے مجھ سے اسیری کی حالت میں کہا، احمد! اگر حق پر قتل کیے جاؤ گے تو شہید ہو گے اور اگر زندہ رہے تو تمہاری ستائش کی جائے گی۔

احمد کہتے ہیں اس بات نے میرے دل کو مضبوط کر دیا۔

راہ حق کے دونوں باعظمت قیدی جب خلیفہ کی قیام گاہ سے ایک دن کی مسافت پر تھے، تو ایک خادم اپنے آنسو پونچھتے ہوئے حاضر ہوا اور کہنے لگا اے ابو عبداللہ! مجھ پر یہ بات گراں گزرتی ہے، کہ مامون نے ایک تلوار سونتی ہے، جو اس سے پہلے کبھی نہیں سونتی اور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی قرابت داری کی قسم کھا کر کہتا ہے، کہ احمد بن حنبل نے اگر خلق قرآن کے قول کو قبول نہ کیا تو اسے اپنی تلوار سے قتل کر دے گا۔

امام صاحب اپنے گھٹنوں کے بل بیٹھ گئے اور آپ نے آسمان کی طرف دیکھا اور فرمایا، اے میرے اللہ! تیرے حلم نے اس فاجر کو فریب دیا ہے، حتیٰ کہ اس نے تیرے اولیا کے ضرب و قتل پر جرأت کی ہے، اے اللہ! اگر قرآن جو تیرا کلام ہے، غیر مخلوق ہے، تو ہمیں اس کی مشقت سے کفایت کر۔

رات کے آخری پہر خبر آئی، کہ مامون مر گیا اور معتصم کو خلیفہ بنا دیا گیا۔

(ابن کثیر ج ۱۰ ص ۸۸۹)

یہ واقعہ جماد الثانی ۲۱۸ھ میں پیش آیا۔

معتصم باللہ کا دور

مامون نے اپنی موت سے پہلے مستقبل کے ہونے والے خلیفہ کو یہ وصیت کی، ابو اسحاق! آپ میری نصیحت قبول کیجیے اور خلق قرآن کے بارے میں میری ہموار کردہ راہ پر گامزن رہیے۔ (اسلامی مذاہب ص ۲۵۸)

اس وصیت سے اندازہ ہوتا ہے، کہ مامون قرآن کے بارے میں اپنے تشدد پسند نقطہ نظر کا پابند معتصم کو بھی دیکھنا چاہتا تھا، گویا مامون کے اندر اس احساس نے کروٹ

لی تھی، کہ خلق قرآن کا مسئلہ ایک واجب الاتباع دین ہے، جس کی پیروی کرنا، اس کی دعوت دینا اور بزور وجبر لوگوں کو اس کا قائل بنانا خلیفہ کے فرائض میں سے ہے، چنانچہ معتصم نے مامون کی وصیت پر حرف بحرف عمل کیا، مزید برآں مامون نے رئیس المعتزلہ قاضی احمد بن دؤاد کے سلسلے میں معتصم کو یہ بھی وصیت کی تھی، ابوعبداللہ بن دؤاد کو سفر وحضر میں ساتھ رکھنا اور ہر مشورہ میں شریک کرنا، وہ اس کے ہر طرح اہل ہیں۔ (ایضاص ۲۵۵)

محمد بن نوح کی وفات

مامون کی موت نے اہل حق کے خلاف تشدد کی کارروائیوں کو سردست موقوف کردیا، حضرت امام احمد اور محمد بن نوح کو پابہ جولاں بغداد کی طرف روانہ کردیا گیا، اثنائے راہ مقام عافات میں محمد بن نوح کا انتقال ہوگیا، امام احمد نے نماز جنازہ پڑھائی، صبر واستقامت کے پیکر نورانی کو سپرد خاک کردیا گیا، امام احمد فرماتے ہیں:

مارایت احدا علی حداثۃ سنہ وقدر علمہ اقوم بامر اللہ من محمد بن نوح وانی لارجو ان یکون قد ختم لہ بخیر ۔ (تاریخ ذہبی ص ۹۸)

میں نے کسی نوعمر صاحب علم کو محمد بن نوح سے زیادہ اللہ کے حکم کو قائم کرنے والا نہیں دیکھا۔

عزیمت کی اس راہ میں امام احمد کی تنہا ذات جو حوالہ زنداں کردی گئی باختلاف روایت ۲۸/ ماہ یا ۳۰/ ماہ قید وبند کی صعوبتوں سے دوچار رہے۔

امام احمد معتصم کے دربار میں

معتصم باللہ کے مشیر خاص قاضی احمد بن دؤاد اور مامون کی آخری وصیت کی وجہ سے خلق قرآن کا فتنہ مزید زور وشور کے ساتھ اٹھا اور اہل حق کی آزمائشیں سخت سے سخت ہوگئیں اور حوادث وآلام کا سلسلہ پہلے سے بڑھ گیا، زہاد وعباد، علماء وفضلا، محدثین وفقہا اور اہل فتویٰ خصوصی طور پر اس کا شکار ہوئے۔

بغداد پہنچے کے بعد امام صاحب کو کچھ دنوں مقام یاسریہ میں کرایہ کے ایک مکان میں پھر عام جیل میں رکھا گیا، جہاں آپ بیڑیوں میں رہ کر قیدیوں کی امامت کرتے تھے، رمضان المبارک ۲۱۹ھ میں اسحاق بن ابراہیم کے مکان کے قریب منتقل کیے گئے۔(تاریخ ذہبی ج ۱ص ۹۹)

آخر الامر حضرت امام کو پیشی کے لیے بلایا گیا، اسحاق ہی طلبی کا پروانہ لے کر پہنچا، اس نے امام احمد سے کہا:

یا احمد انها نفسك انها لا يقتلك بالسيف انه قد آلیٰ بان لم تجبه ان يضربك ضربا بعد ضرب وان يقتلك فی موضع لايری فيه شمس ولا قمر ۔ (تاریخ ذہبی، ج ۱، ص ۴۳)

اب تم اپنے متعلق خود سوچ لو، خلیفہ تمہیں تلوار سے قتل نہیں کرے گا، وہ اس پر تلا ہوا ہے، کہ اگر تم عقیدہ خلق قرآن پر ہاں نہ کرو تو کوڑے پر کوڑے برسائے گا اور تمہارا خاتمہ ایسی جگہ کرے گا جہاں نہ سورج دکھائی دے نہ چاند۔

پیشی ہوئی، تو سماں یہ تھا، کہ معتصم بیٹھا ہے، قاضی ابن ابی دؤاد پاس موجود ہے اور دربار کے بہت سے لوگ جمع ہیں، صالح بن احمد کی روایت کے مطابق امام پر کوئی ادھر سے سوال کرتا اور وہ اس کا جواب دیتے، کوئی ادھر سے اعتراض کرتا اور وہ اسے رد کرتے، پھر جب کسی شخص کی بات ختم ہو جاتی، تو ابن ابی دؤاد جو امام کی طرف غصہ بھری نظروں سے دیکھتا تھا، خلیفہ سے کہتا ہے، مگر امیر المومنین خدا کی قسم یہ شخص گمراہ بدعتی ہے، یعنی بحث وکلام فضول ہے، مگر معتصم یہ کہتا، کہ اس سے بات کرو، مناظرہ کرو اور امام کا مطالبہ یہ تھا:

اعطونی شيئا من كتاب الله وسنة رسوله حتی اقول به ۔(ایضا)

میرے سامنے کوئی بات خدا کی کتاب اور اس کے رسول کی سنت میں سے لاؤ یہاں تک کہ میں اس کا اقرار کرلوں۔

دراصل امام کا یہ جواب شریعت کے ایک اصل الاصول کا آئینہ دار تو تھا ہی معتزلہ کے نظریات اور ان کے مزاج پر ضرب کاری بھی تھا، ہر دور کے عقل پرستوں نے جب بیرونی اثرات کے تحت سوچنا شروع کیا تو آہستہ آہستہ انہوں نے اپنی عقلیت کو کتاب وسنت کے مقابلے میں بالاتر اتھارٹی بنالیا، ایسے عناصر شریعت کے اصولوں کو مسخ کرنے کے لیے ایک طرف سنت سے بغاوت کا آغاز کرتے ہیں، حدیث نبوی سے روگردانی کرتے ہیں اور پھر قرآن کی آیات سے اپنی پسند کے مفہوم کھینچ کھانچ کر نکال لاتے ہیں، معتزلہ کا مزاج بھی یہی تھا، کہ وہ سنت کو اہمیت نہ دیتے تھے، احادیث کی اسناد ومفہوم میں طرح طرح کے نکتے چھانٹ کر انہیں ساقط الاعتبار اور مشتبہ بنادیتے اور پھر قرآن کو من مانے معنی پہناتے تھے۔

اس کا اندازہ اس واقعہ سے لگایا جاسکتا ہے، کہ امام احمد نے فرمایا:

یا امیرا لمومنین اعطونی شیئا من کتاب اللہ وسنة رسوله حتی اقول به فیقول ابن ابی دؤاد انت لا تقول الا مافی کتاب اللہ وسنة رسول اللہ ؟ فقلت تأولت تأویلا فانت اعلم وما تأولت مایحبس علیه وما یقید علیه ۔(حلیۃ الاولیاءج۹ص۱۹۷)

اے امیر المومنین آپ مجھے اللہ کی کتاب اور سنت رسول سے کوئی چیز پیش کریں تاکہ میں اسے کہوں، اس وقت بن ابی دواد نے کہا اے احمد !تم کتاب وسنت کے سوا کوئی بات نہیں کہتے ہو؟ (وہاں بات سے مراد دلیل تھی، مگر ابن ابی دواد نے امام کے سامنے ہی تحریف کرڈالی) امام صاحب فرماتے ہیں، تم نے جو کچھ تاویلیں کرلی ہیں تم ان کو خود بہتر طور پر جانتے ہو اور تمہاری تاویل تو وہ ہے جس پر لوگوں کو گرفتار اور قید کیا

جا رہا ہے۔

محمد بن ابراہیم البوشنجی بیان کرتے ہیں، میرے بعض اصحابؓ نے کہا، جب ابن ابی دواد مجبور ہو گیا، تو اس نے بڑی لجاجت سے کہا:

یا امیر المومنین واللہ لئن اجابك لهو احب الی من مأة الف دینار ومأة الف دینار ویعد من ذلك ما شاء اللہ ان یعد۔ (حلیۃ الاولیاء ج۹ ص۲۰۱)

اے امیر المومنین اگر یہ شخص مان لے تو یہ بات مجھے سو ہزار دینار اور مزید سو ہزار دینار سے زیادہ مرغوب ہے وہ اپنے جملہ "سو ہزار دینار" کی جب تک چاہا تکرار کرتا رہا۔

وقت کا اقتدار اعلیٰ امام صاحب کی استقامت کے سامنے سرنگوں تھا اور بڑی لجاجت سے کہہ رہا تھا:

واللہ لئن اجابنی لاطلقن عنه بیدی ولارکبن الیه بجندی ولاطئن عقبه۔ (تاریخ ذہبی ج۱ ص۱۰۳)

خدا کی قسم اگر احمد میری بات مان لیں تو میں انہیں اپنے ہاتھ سے آزاد کروں گا خود لشکریوں کے ساتھ سوار ہو کر ان کے پاس جاؤں گا اور ان کے پیچھے پیچھے چلوں گا۔

اقتدار کتنا بے بس تھا ایک آزاد حق گو کے سامنے امام کی جان تو لی جا سکتی ہے، لیکن معتصم اپنی ساری سطوت و جبروت کے باوجود ایک بات ان سے منوانے پر قادر نہ تھا، اسی لیے وہ جبر کے ساتھ لجاجت پر اتر آیا تھا۔

امام احمد پر کوڑوں کی برسات

حسن بن محمد بن عثمان نے دواد بن عرفہ کے واسطے سے میمون بن الاصبغ کا مشاہدہ یوں بیان کیا ہے:

میں بغداد میں تھا، میں نے شور وغل سنا، دریافت کیا، کہ یہ کیا قصہ ہے؟ لوگوں نے بتایا، کہ امام احمد بن حنبل معرض امتحان میں ہیں، تو میں نے اس کے لیے روپیہ لیا اور اسے لے کر کسی ایسے شخص کی طرف چلا، جو مجھے اس مجلس میں پہنچا دے، چنانچہ لوگوں نے مجھے پہنچا دیا، وہاں کیا دیکھا، کہ تلواریں کھنچی ہوئی ہیں، نیزے تنے ہوئے ہیں، زرہیں کسی ہوئی ہیں اور کوڑے تیار رکھے ہیں، پھر انہوں نے مجھے سیاہ رنگ کی قبا پٹی اور تلوار سے آراستہ کیا اور ایسی جگہ ٹھہرایا، کہ میں گفتگو سن سکوں، امیر المومنین نے تخت پر بیٹھ کر امام سے کہا:

وقرابتی من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لاضربنك بالسیاط او تقول کما اقول۔

رسول اللہ سے قرابت کی قسم دے کر کہتا ہوں، کہ میں تمہیں لازماً کوڑے لگواؤں گا یا تم وہ کہو جو میں کہتا ہوں۔

اس کے بعد جب امام نے تعمیل نہیں کی تو کوڑے برسنے لگے، پہلے کوڑے پر امام نے "**بسم اللہ**" کہی، دوسرے کوڑے پر "**لا حول ولاقوۃ الا باللہ**" پڑھا تیسرے پر کہا "**القرآن کلام اللہ غیر مخلوق**" قرآن کلام الٰہی ہے غیر مخلوق ہے، چوتھے پر کہا "**قل لن یصیبنا الا ما کتب اللہ لنا**" کہہ دو ہم کو کوئی مصیبت نہیں آسکتی مگر صرف وہی جو اللہ نے ہمارے لیے لکھ دی ہے، ایک ایک کر کے ۱۹ کوڑے برس گئے۔

امام احمد پر کوڑوں کی سخت بارش ہوتی رہی، جب بے ہوش ہو جاتے ضرب موقوف کر دی جاتی، ہوش میں آتے تو پھر کوڑے برسنے لگتے امام احمد کہتے ہیں، کہ ایک مرتبہ غش کھا کر گرا، جب ہوش آیا تو میں نے دیکھا، کہ معتصم ابن ابی دواد سے مخاطب ہو کر کہہ رہا ہے:

لقد ارتکبت فی امر ھذا الرجل۔

تو نے اس شخص کے معاملے میں زیادتی کی ہے۔

امام احمد کے صبر وضبط نے معتصم کے دل کو تو نرم کر دیا، لیکن قاضی بن ابی دواد کا درباری کردار ملاحظہ کیجیے، وہ مزید ظلم پر ابھارنے کے لیے کہتا ہے:

یا امیر المومنین انه كافر مشرك قد اشرك من غير وجه فلا يزال به حتى يصرفه عما يريد وقد كان اراد تخليتي بغير ضرب فلم يدعه ولا اسحاق بن ابراهيم وعزم حينئذ علي ضربي۔ (تاریخ ذہبی ص ۱۰۹)

اے امیر المومنین خدا کی قسم یہ شخص کافر ومشرک ہے، (نعوذ باللہ) شرک بھی اس نے بلا وجہ کیا ہے اور یہ اس سے باز نہیں آئے گا، جب تک اسے باز نہ رکھا جائے گا امام صاحب خود کہتے ہیں، معتصم کا انداز ایسا تھا، کہ مجھے بے مارے چھوڑ دیتا، مگر ابن ابی دواد اور اسحاق بن ابراہیم نے اس کا پیچھا نہیں چھوڑا، اس نے مجھے مارنے کی ٹھان لی۔

اسحاق بن ابراہیم نے سزا کے لیے دلیل دیتے ہوئے کہا، اس شخص کو یوں ہی چھوڑ دیا گیا تو یہ بات خلافت کے لیے باعث ننگ وعار ہوگی اور اس سے گزشتہ اور موجودہ خلفا کی عظمت پر حرف آئے گا۔

اس سے معلوم ہوتا ہے، کہ فرماں رواؤں کو ان کے حواری اور حاشیہ نشیں مطلق العنان اور جبر وتشدد کا عادی بنا دیا کرتے تھے، یہ بات سننے کے بعد معتصم غضب ناک ہو گیا، حالاں کہ وہ نرم طبیعت انسان تھا۔ امام احمد کہتے ہیں:

اس موقع پر اس نے مجھ سے کہا، اللہ تجھ پر لعنت کرے، میں نے تیرے بارے میں خواہش کی، کہ مجھے جواب دے، لیکن تو نے مجھے جواب نہیں دیا، پھر کہنے لگا، اسے پکڑ لو، اس کے کپڑے اتار دو اور اسے گھسیٹو، امام احمد بیان کرتے ہیں، مجھے پکڑ لیا گیا اور مجھے گھسیٹا گیا اور میرے کپڑے اتارے گئے اور سزا دینے والوں اور کوڑوں کو لایا گیا میں دیکھ رہا تھا، اور میرے پاس رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کچھ موئے مبارک تھے، جو

میرے کپڑے میں بندھے تھے، انہوں نے مجھے کپڑوں سے برہنہ کردیا اور میں عتابوں کے درمیان ہوگیا، میں نے کہا اے امیر المومنین اللہ سے ڈریے، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے "لا الہ الا اللہ" کی شہادت دینے والے کا خون صرف تین باتوں میں سے ایک بات کے پائے جانے پر حلال ہوتا ہے اور میں نے وہ حدیث پڑھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے، مجھے حکم دیا گیا ہے، کہ میں لوگوں سے جنگ کروں، حتیٰ کہ وہ لا الہ الا اللہ کہہ دیں اور جب وہ یہ کہہ دیں تو وہ اپنے خون اور اموال مجھ سے محفوظ کرلیں گے، پس آپ کس وجہ سے میرے خون کو حلال کہتے ہیں؟ حالاں کہ میں نے ان میں سے کوئی کام نہیں کیا ہے، اے امیر المومنین! اللہ کے حضور اپنے کھڑے ہونے کو یاد کیجیے، آپ وہاں ایسے ہی کھڑے ہوں گے جیسے میں آپ کے سامنے کھڑا ہوں یوں معلوم ہوا، کہ گویا وہ رک گیا ہے پھر وہ مسلسل اسے کہتے رہے، اے امیر المومنین یہ ضال مضل اور کافر ہے، اس نے مجھے حکم دیا تو میں عتابوں کے درمیان ہوگیا، اور ایک کرسی لائی گئی اور مجھے اس پر کھڑا کیا گیا اور ان میں سے بعض نے مجھے حکم دیا، کہ میں دونوں ہاتھوں سے ایک لکڑی کو پکڑلوں لیکن میں سمجھ نہیں سکا پس میرے ہاتھ الگ الگ ہوگئے اور مارنے والوں کو لایا گیا اور ان کے پاس کوڑے تھے اور ان میں سے ہر ایک مجھے دو دو کوڑے مارنے لگا اور معتصم اسے کہنے لگا زور سے مار اللہ تیرے ہاتھوں کو قطع کردے اور دوسرے نوکر نے مجھے دو کوڑے مارے پھر تیسرا آگے بڑھا، غرضیکہ انہوں نے مجھے کوڑے مارے اور میں بے ہوش گیا اور کئی بار میری عقل جاتی رہی اور جب مار رک جاتی تو میری عقل واپس آجاتی اور معتصم میرے پاس آکر مجھے ان کے قول کی طرف دعوت دینے لگا، مگر میں نے اسے جواب نہ دیا، پھر وہ دوبارہ میرے پاس آیا مگر میں نے اسے جواب نہ دیا اور وہ کہنے لگے، تو ہلاک ہوجائے، خلیفہ تیرے سر پر کھڑا ہے، مگر میں نے بات نہ مانی تو انہوں نے دوبارہ مارنا شروع کیا، پھر وہ تیسری بار میرے پاس آیا اور اس نے مجھے بلایا تو میں مار کی شدت سے اس کی بات نہ سمجھ سکا، پھر انہوں نے مارنا شروع

کر دیا تو میری عقل جاتی رہی اور میں نے مار کو محسوس نہ کیا اور میرے اس حال نے اسے خوف زدہ کر دیا ور میرے پاؤں سے بیڑیاں کھول دی گئیں۔ یہ ۲۵/رمضان ۲۲۱ھ کا واقعہ ہے، پھر خلیفہ نے آپ کو رہا کر کے آپ کے اہل کے حوالہ کر دیا۔

شاباص کا بیان ہے:

لقد ضربت احمد بن حنبل ثمانین سوطا لو ضربته فیلا لهدته ۔

میں نے احمد بن حنبل کو اسی کوڑے مارے اگر کسی ہاتھی کو مارتا تو وہ چیخ اٹھتا۔

اس مار کی شدت کا اندازہ اس سے کیجیے، کہ ابو محمد الطفاوی نے امام سے حالات پوچھے تو انہوں نے بتایا، کہ جب مجھے مارا جا رہا تھا، تو ایک لمبی ڈاڑھی والا دبلا شخص آیا اور اس نے مجھے تلوار کا دستہ مارا اس وقت میں نے دل میں کہا، کہ شاید اب راہ نجات کھلی، یہ شخص میری گردن اڑا دے گا اور میں اذیتوں سے نجات پا جاؤں گا۔

ابن سماعہ نے تو معتصم سے کہا بھی، کہ حضور! اس شخص کی گردن مار دیجیے، اس کا خون میری گردن پر۔

ذرا ان خوشامدیوں کی خدا سے بے خوفی ملاحظہ ہو۔

اب ابن ابی دواد پینترا بدلتا ہے اور خالص سیاسی مشورہ دیتا ہے، نہیں امیر المومنین ایسا نہ کیجیے یہ اگر آپ کے محل میں مر گیا تو لوگ کہیں گے کہ مار سہتے سہتے آخر مر گیا، پھر وہ اس کو امام بنا لیں گے اور جس خیال پر وہ قائم ہیں، اس پر اور زیادہ جم جائیں گے، پس بہتر ہے، کہ اس موقع پر اسے رہا کر دیا جائے، پھر اگر وہ آپ کے محل سے باہر مر بھی جائے تو لوگ اس کے معاملے میں شبہات میں رہیں گے، چنانچہ امام کو رہا کر دیا گیا اور ان کے چچا کے حوالہ کر دیا گیا۔

امام احمد کا ایک اور بیان

امام احمد اس عظیم واقعہ صبر و استقامت کا ذکر اس طرح کرتے ہیں:

میں جب اس مقام پر پہنچا، جس کا نام باب البستان ہے، تو میرے لیے سواری لائی گئی اور مجھ کو سوار ہونے کا حکم دیا گیا، مجھے اس وقت کوئی سہارا دینے والا نہیں تھا اور میرے پاؤں میں بوجھل بیڑیاں تھیں، سوار ہونے کی کوشش میں کئی مرتبہ اپنے منہ کے بل گرتے گرتے بچا، آخر کسی نہ کسی طرح سوار ہوا اور معتصم کے محل میں پہنچا، مجھے ایک کوٹھری میں داخل کردیا گیا اور دروازہ بند کردیا گیا، آدھی رات کا وقت تھا اور وہاں کوئی چراغ نہیں تھا، میں نے نماز کے لیے مسح کرنا چاہا اور ہاتھ بڑھایا، تو پانی کا ایک پیالا اور طشت رکھا ہوا ملا، میں نے وضو کیا اور نماز پڑھی، اگلے دن معتصم کا قاصد آیا اور مجھے خلیفہ کے دربار میں لے گیا، معتصم بیٹھا ہوا تھا، قاضی القضاۃ ابن ابی دؤاد بھی موجود تھا، اور ان کے ہم خیالوں کی ایک بڑی جمیعت تھی، ابو عبدالرحمٰن الشافعی بھی موجود تھے، اسی وقت دو آدمیوں کی گردنیں بھی اڑائی جا چکی تھیں، میں نے ابو عبدالرحمٰن الشافعی سے کہا، کہ تم کو امام شافعی سے مسح کے بارے میں کچھ یاد ہے؟ ابن ابی دواد نے کہا، کہ اس شخص کو دیکھو، کہ اس کی گردن اڑائی جانے والی ہے اور یہ فقہ کی تحقیق کر رہا ہے، معتصم نے کہا، کہ ان کو میرے پاس لاؤ، وہ برابر مجھے پاس بلاتا رہا، یہاں تک کہ میں اس سے بہت قریب ہوگیا، اس نے کہا، بیٹھ جاؤ، میں بیڑیوں سے تھک گیا تھا اور بوجھل ہو رہا تھا، تھوڑی دیر بعد میں نے کہا، کہ مجھے کچھ کہنے کی اجازت ہے؟ خلیفہ نے کہا، کہو! میں نے کہا:

الی ما دعا اللہ ورسولہ ۔

اللہ اور اس کے رسول نے کس چیز کی طرف دعوت دی ہے؟

تھوڑی دیر کی خاموشی کے بعد اس نے کہا، ''لا الہ الا اللہ'' کی شہادت کی طرف، میں نے کہا، تو میں اس کی شہادت دیتا ہوں پھر میں نے کہا:

ان جدك ابن عباس يقول لما قدم وفد عبدالقيس على رسول اللہ صلى اللہ عليه وسلم سألوه عن الايمان فقال اتدرون ما الايمان قالوا اللہ ورسوله اعلم قال شهادة ان

لاالہ الا اللہ وان محمدا رسول اللہ واقام الصلوۃ وایتاء الزکوۃ وان تعطوا الخمس من المغنم ۔

آپ کے جد امجد ابن عباس کی روایت ہے، کہ جب قبیلہ عبدالقیس کا وفد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، تو انہوں نے ایمان کے بارے میں آپ سے سوال کیا، فرمایا تمہیں معلوم ہے ایمان کیا ہے، انہوں نے کہا اللہ اور اس کے رسول کو زیادہ معلوم ہے، کہ ایمان کیا ہے، فرمایا، اس بات کی گواہی کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد اللہ کے رسول ہیں، نماز کی پابندی، زکوۃ کی ادائیگی اور مال غنیمت میں سے پانچواں حصہ نکالنا۔

اس پر معتصم نے کہا، کہ اگر تم میرے پیش رو کے ہاتھ میں پہلے نہ آگئے ہوتے تو میں تم سے تعرض نہ کرتا، پھر عبدالرحمٰن بن اسحاق کی طرف مخاطب ہو کر کہا، کہ میں نے تم کو حکم نہیں دیا تھا، کہ اس آزمائش کو ختم کرو، امام احمد کہتے ہیں، کہ میں نے کہا، اللہ اکبر اس میں تو مسلمانوں کے لیے کشائش ہے، خلیفہ نے علما و حاضرین سے کہا، کہ ان سے مناظرہ کرو اور گفتگو کرو، پھر عبدالرحمٰن سے کہا، کہ ان سے گفتگو کرو!

ایک آدمی بات کرتا اور میں اس کا جواب دیتا، دوسرا بات کرتا اور میں اس کا جواب دیتا، معتصم کہتا، احمد تم پر خدا رحم کرے، تم کیا کہتے ہو؟ میں کہتا:

اعطونی شیئا من کتاب اللہ اوسنۃ رسول اللہ فاقول بہ ۔

امیر المومنین! مجھے کتاب اللہ یا سنت رسول میں سے کچھ دکھایئے تو میں اس کا قائل ہو جاؤں، معتصم کہتا، کہ اگر یہ میری بات قبول کرلیں تو میں اپنے ہاتھ سے آزاد کردوں اور اپنے فوج و لشکر کے ساتھ ان کے پاس جاؤں اور ان کے آستانہ پر حاضر ہوں پھر کہتا، احمد! میں تم پر بہت شفیق ہوں اور مجھے تمہارا ایسا ہی خیال ہے جیسے اپنے بیٹے ہارون کا تم کیا کہتے ہو، میں وہی جواب دیتا، کہ:

اعطونی شیئا من کتاب اللہ وسنة رسول اللہ فاقول به ۔

جب بہت دیر ہوگئی تو وہ اکتا گیا اور کہا جاؤ اور مجھے قید کر دیا اور میں اپنی پہلی جگہ پر واپس کر دیا گیا، اگلے دن پھر مجھے طلب کیا گیا اور مناظرہ ہوتا رہا اور میں سب کا جواب دیتا رہا، یہاں تک کہ زوال کا وقت ہوگیا اور جب اکتا گیا تو کہا، کہ ان کو لے جاؤ، تیسری رات کو میں سمجھا، کہ کل کچھ ہو کر رہے گا، میں نے ڈوری منگوائی اور اس سے اپنی بیڑیوں کو کس لیا اور جس ازار بند سے میں نے بیڑیاں باندھ رکھی تھیں، اس کو اپنے پائجامے میں ڈال لیا، کہ کہیں کوئی سخت وقت آئے اور میں برہنہ ہو جاؤں، تیسرے روز مجھے پھر طلب کیا گیا میں نے دیکھا دربار بھرا ہوا ہے، میں مختلف ڈیوڑھیاں اور مقامات طے کرتا ہوا آگے بڑھا، کچھ لوگ تلواریں لیے کھڑے تھے، کچھ لوگ کوڑے لیے، اگلے دونوں دن کے بہت سے لوگ آج نہیں تھے، جب میں معتصم کے پاس پہنچا، تو کہا، بیٹھ جاؤ! پھر کہا، ان لوگوں سے مناظرہ کرو اور گفتگو کرو، لوگ مناظرہ کرنے لگے، میں ایک کا جواب دیتا پھر دوسرے کا جواب دیتا، میری آواز سب پر غالب تھی، جب دیر ہوگئی، تو مجھے الگ کر دیا وران کے ساتھ تخلیہ میں کچھ بات کہی، پھر ان کو ہٹا دیا اور مجھے بلایا، پھر کہا احمد! تم پر خدا رحم کرے میری بات مان لو میں تم کو اپنے ہاتھ سے رہا کروں گا میں نے پہلا سا جواب دیا، اس پر اس نے برہم ہو کر کہا، کہ اس کو پکڑو اور کھینچو اور اس کے ہاتھ اکھیڑ دو، معتصم کرسی پر بیٹھ گیا اور جلادوں اور تازیانہ لگانے والوں کو بلایا جلادوں سے کہا، آگے بڑھو ایک آدمی آگے بڑھتا اور مجھے دو کوڑے لگاتا، معتصم کہتا زور سے کوڑے لگاؤ، پھر وہ ہٹ جاتا اور دوسرا آتا اور دو کوڑے لگاتا، انیس کوڑوں کے بعد پھر معتصم میرے پاس آیا اور کہا:

احمد علام تقتل نفسك انی واللہ علیك لشفیق ۔

کیوں احمد اپنی جان کے پیچھے پڑے ہو، بخدا مجھے تمہارا بہت خیال ہے۔

ایک شخص عجیف مجھے اپنی تلوار کے دستے سے چھیڑتا اور کہتا، کہ تم ان سب پر غالب آنا چاہتے ہو دوسرا کہتا، کہ اللہ کے بندے خلیفہ تمہارے سر پر کھڑا ہوا ہے، کوئی

کہتا کہ امیر المومنین آپ روزے سے ہیں اور آپ دھوپ میں کھڑے ہوئے ہیں، معتصم پھر مجھ سے بات کرتا اور میں اس کو وہی جواب دیتا، وہ پھر جلاد کو حکم دیتا، کہ پوری قوت سے کوڑے لگاؤ!

میمون بن اصبغ کہتے ہیں:

وكانت تكة احمد حاشية ثوب فانقطعت فنزل السراويل الى عانته فقلت الساعة ينهتك فرمى احمد طرفه نحو السماء وحرك شفتيه فما كان باسرع من ان ارتقى السراويل ولم ينزل قال ميمون فدخلت عليه بعد سبعة ايام فقلت يا اباعبدالله رايتك يوم ضربوك قد انحل سراويلك فرفعت طرفك نحو السماء ورايت متحرك شفتيك فاى شيء قلت قال قلت اللهم انى اسئلك باسمك الذى ملأت به العرش ان كنت تعلم انى على الصواب فلا تهتك لى سترا ۔ (مناقب ص ۳۱۰)

امام احمد کا ازار بند ضرب کی شدت سے ٹوٹ گیا تو پائجامہ آپ کی ناف تک سرک آیا میں نے اس وقت کہا، یہ چیز آپ کو فریاد پر مجبور کرے گی (چوں کہ آپ کے دست و پا بندھے ہوئے تھے) امام احمد نے آسمان کی طرف نگاہ کی اور اپنے ہونٹوں کو جنبش دی اور پائجامہ جتنی تیزی سے نیچے آرہا تھا رک گیا، میمون نے کہا، میں اس واقعہ کے سات دن بعد امام احمد کی خدمت میں حاضر ہوا، عرض کی اے ابوعبداللہ! جس دن لوگ آپ کو کوڑے مار رہے تھے، میں نے دیکھا، آپ کا ازار بند ٹوٹ گیا تو آپ نے آسمان کی طرف دیکھا اور میں نے آپ کو دیکھا، کہ آپ اپنے ہونٹوں کو حرکت دے رہے ہیں تو آپ نے اس وقت کیا

کہا؟ فرمایا میں نے کہا: اے اللہ! تیرے اس اسم پاک کے وسیلے سے سوال کرتا ہوں، جس کے ذریعہ تو نے عرش کو بھر دیا تو جانتا ہے، کہ میں حق پر ہوں لہذا مجھے بے پردہ نہ فرما۔

حاضرین میں سے ایک شخص نے کہا:

ان کبیناک علی وجھک وطرحنا علی ظھرک باریة ودسناک ۔

ہم نے تم کو اوندھا گرادیا تم کو روندا۔

امام احمد نے فرما:

ماشعرت بذلک

مجھے اس کا مطلق احساس نہیں ہوا، مزید فرماتے ہیں:

واتوا بی بسویق فقالوا لی اشرب وتقیأ فقلت لا افطر ۔

میرے پاس ستو لایا گیا، لوگوں نے کہا، اسے پی لو اور قے کر دو میں نے کہا روزے سے ہوں ابھی افطار نہیں کروں گا۔

امام نے ضعف ونقاہت اور شدید زخم کی حالت میں روزہ مکمل کرلیا، دربار سے اسحاق بن ابراہیم کے گھر لائے گئے ظہر کا وقت آیا تو آپ نے اس حال میں نماز ظہر ادا کی، کہ زخموں سے خون بہہ رہا تھا، فرماتے ہیں:

فتقدم ابن سماعة فصلی فلما انفتل من الصلاة قال لی صلیت والدم یسیل فی ثوبک ؟ فقلت قد صلی عمر وجرحه یثعب دما ۔

ابن سماعہ آگے بڑھا اور نماز پڑھائی جب نماز سے فارغ ہوا تو مجھ سے کہا، تو نے نماز پڑھ لی جب کہ تمہارے جسم سے خون بہہ رہا ہے، میں نے جواب دیا، حضرت عمر نے نماز پڑھی اس حال میں کہ ان کے زخم

سے خون بہہ رہا تھا۔ (تاریخ ذہبی ج ا ص ۱۰۸)

رہائی

یہ واقعہ ۲۵ / رمضان ۲۲۰ھ کو پیش آیا۔

امام احمد کو ان کے چچا کے حوالے کیا گیا، گھر لائے گئے جراح نے آ کر مضروب مقامات کا معائنہ کیا مردہ گوشت و پوست کاٹ ڈالے اور مرہم پٹی کی، اس واقعہ کے بعد معتصم احساس ندامت سے دوچار ہوا اور اپنے کرتوت پر افسوس کرتا۔ نفرت و عداوت کی جگہ اس کے دل میں امام صاحب کی عقیدت و محبت پیدا ہو گئی اور اسحاق بن ابراہیم کو آپ کی خیر و عافیت دریافت کرنے کے لیے روزانہ بھیجتا۔

امام صاحب شفایاب ہو گئے، لیکن سردی کے زمانے میں انگوٹھوں میں تکلیف رہتی یہاں تک کہ گرم پانی سے سینکا جاتا۔ (تاریخ ذہبی ج ا ص ۱۱۵)

عبداللہ بن احمد بن حنبل کہتے ہیں، کہ میں اکثر اپنے والد سے یہ سنتا تھا:

رحم اللہ ابا الھیثم غفر اللہ لابی الھیثم عفا اللہ عن ابی الھیثم۔

اللہ ابو الہیثم پر رحم کرے، اللہ ابو الہیثم کو بخش دے اللہ ابو الہیثم کو معاف کرے۔

میں نے پوچھا، یہ ابو الہیثم کون ہے؟ امام صاحب نے فرمایا، تم اسے نہیں جانتے؟ میں نے کہا، نہیں آپ نے فرمایا جس دن کوڑوں کی ضرب کے لیے لوگ مجھے لے جا رہے تھے، تو ایک شخص نے میرے دامن کو کھینچا اور مجھ سے کہنے لگا آپ مجھے پہچانتے ہیں؟ میں نے کہا، نہیں، کہا میں ابو الہیثم عیار چور راہزن ہوں:

انی ضربت ثمانیة عشر الف سوط وصبرت فی ذلک علی طاعة الشیطان لاجل الدنیا فاصبر انت فی طاعة الرحمن لاجل الدین قال فضربت ثمانیة عشر سوطا بدل ماضرب ثمانیة عشر الفا۔ (مناقب ص ۳۱۲)

مجھے اٹھارہ ہزار کوڑے لگائے گئے اور میں نے شیطان کی اطاعت میں دنیا کے لیے صبر کیا، تو آپ رحمٰن کی اطاعت میں دین کے لیے صبر کریں، امام احمد کہتے ہیں، مجھے اٹھارہ ہزار کوڑوں کے بجائے اٹھارہ کوڑے مارے گئے۔

واثق باللہ کا دور

معتصم کی موت ۲۰ ربیع الاول ۲۲۷ھ کو ہوئی، اس کی جگہ واثق باللہ بن معتصم باللہ سریر آرائے خلافت ہوا، اپنے باپ کی طرح وہ بھی خلق قرآن کا قائل ومبلغ تھا اور قاضی ابن ابی دواد کو دربار خلافت میں سابقہ اہمیت وحیثیت حاصل تھی، اس لیے اس دور میں بھی اہل حق آزمائشوں میں مبتلا کیے گئے، لیکن امام احمد سے اس نے کبھی تعرض نہ کیا، ان کی استقامت فی الدین سے ہمیشہ مرعوب رہا، اسے اندیشہ تھا، کہ اگر امام کسی ایک مقام پر مستقل سکونت گزیں ہو گئے تو ان کی ذات مرجع خلائق بن جائے گی اور لوگوں کا اجتماع خلافت کے لیے مضر ثابت ہوگا، اس لیے اس نے امام کے بارے میں یہ حکم جاری کیا:

لا تجمعن اليك احدا و لا تسكن في بلد انا فيه ۔

تمہارے پاس کسی کو آنے کی اجازت نہیں ہوگی اور نہ اس شہر میں اقامت اختیار کرو جہاں ہمارا قیام ہو۔ (ابن حنبل ص ۱۴۶)

امام احمد بن حنبل اس فرمان کی وجہ سے مختلف شہروں میں منتقل ہوتے اور خانہ نشینی کی زندگی بسر کرتے رہے، لیکن ان کے عزم وحوصلہ اور ثبات وعزیمت نے ایوان اعتزال میں شگاف ڈال دیا تھا، اس کی بنیادیں کھوکھلی ہو رہی تھیں، واثق باللہ خلق قرآن کا قائل ہونے کے باوجود اہل حق پر تشدد کی کارروائیوں میں معتصم کی طرح پرجوش نہیں تھا، آخر میں تو وہ بالکل ہی ٹھنڈا پڑ گیا، ابن ابی دواد کا اثر اس کے ذہن ودماغ سے زائل ہونے لگا، اس سلسلے میں ایک واقعہ نے واثق کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا اور قاضی ابن ابی دواد کی

عظمتوں کا شیش محل ٹوٹ پھوٹ گیا۔ وہ واقعہ یہ ہے:

ایک بوڑھا قیدی جسے انکار خلق قرآن کریم کے جرم میں سجن وزنداں کی عقوبتوں میں مبتلا کیا گیا تھا، اسے واثق باللہ کے روبرو پیش کیا گیا، شیخ نے دربار میں حاضر ہونے کے بعد کہا:

السلام علیك یا امیر المومنین ۔

واثق نے کہا:

لا سلام اللہ علیك ۔

شیخ نے کہا، اے امیر المومنین معلم نے آپ کی کتنی بری تربیت کی، اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَاِذَا حُيِّيْتُمْ بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوْا بِاَحْسَنَ مِنْهَا اَوْ رُدُّوْهَا ۔(سورہ نسا ٨٦)

جب تم سے سلام کیا جائے تو تم اس سے بہتر انداز سے جواب دو یا اسی جیسا۔

ابن ابی دواد نے کہا امیر المومنین! یہ شخص بحث کرنا چاہتا ہے، امیر المومنین نے کہا، آپ اس سے مناظرہ کریں، تو ابن ابی دواد نے کہا بڑے میاں! تم قرآن کے بارے میں کیا کہتے ہو؟ کیا وہ مخلوق ہے؟ شیخ نے کہا، تم نے انصاف کی بات نہیں کی، سوال تو مجھے کرنا ہے، اس نے کہا، کہ اچھا تو تم کہو؟ شیخ نے پوچھا، کہ یہ جو کچھ تم کہتے ہو، کیا یہ سب کچھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، ابوبکر، عمر، عثمان اور علی رضی اللہ عنہم نے اسی طرح سکھایا تھا، یا اس کی تعلیم نہیں دی؟ ابن ابی دواد نے کہا، کہ نہیں سکھایا تھا، شیخ نے کہا، تو پھر کیا تم نے وہ کچھ جان لیا، جو خدا اور رسول نے نہیں سکھایا؟ ابن ابی دواد شرمسار ہو کر چپ ہو گیا، پھر شیخ نے کہا، کہ انہوں نے لوگوں کو اس بات کی طرف دعوت نہیں دی، جس طرف تم دعوت دیتے ہو، پھر کہا، وہ بات کہنا تمہارے لیے کیسے روا ہوئی جس کا انہوں نے اپنے آپ کو مجاز نہ سمجھا تھا، ابن ابی دواد پر شرم کی وجہ سے خاموشی چھا گئی، واثق نے جب یہ بات سنی تو اپنی نشست گاہ سے اچھل پڑا اور شیخ کو انعام واکرام دینا چاہا مگر

انہوں نے قبول نہیں کیا۔

مہدی کا بیان ہے:

ثم قام ابی فدخل مجلس الخلوة واستلقی علی قفاه ووضع احدی رجلیه علی الاخری وهو یقول هذا شیٔ لم یعلمه الله النبی صلی الله علیه وسلم ولا ابوبکر ولاعمر ولا عثمان ولا علی ولاالخلفاء الراشدون علمته انت سبحان الله شی علمه النبی صلی الله علیه وسلم وابوبکر وعمر وعثمان وعلی والخلفاء الراشدون ولم یدعوالناس الیه افلا وسعك ماوسعهم ثم دعا عما را الحاجب فامران یرفع عند القیود ویعطیه اربع مأة دینار ویاذن له فی الرجوع وسقط من عینه ابن ابی دؤاد ولم یمتحن بعد ذلك احدا ۔ (مناقب لابن جوزی ص ۴۳۲)

مہدی کہتا ہے، کہ والد آرام گاہ میں داخل ہوئے تو دیر تک اپنے آپ شیخ کے الفاظ کو دہراتے رہے، کہ کیا تمہارے لیے وہ بات جائز ہوگئی، جس کے مجاز وہ نہ تھے۔

شیخ ابوبکر احمد بن عبدالرحمٰن کہتے ہیں، کہ اس شیخ کا نام ابوعبدالرحمٰن بن محمد بن اسحاق الاذرمی ہے۔ (ایضا)

واثق کی توبہ

مہتدی باللہ کا قول ہے، کہ واثق باللہ نے زندگی کے آخری ایام میں عقیدہ خلق قرآن سے توبہ کرلی تھی۔

ان الواثق مات وقد تاب عن القول بخلق القرآن ۔ (ایضا ص ۴۳۷)

متوکل علی اللہ کا دور اور امام احمد کا اعزاز

واثق کے بعد جب متوکل علی اللہ خلیفہ ہوا، تو اہل حق کی آزمائشوں کا دور ختم ہوگیا

کیوں کہ وہ اپنے باپ دادا کی طرح معتزلی نہیں تھا، بلکہ صحیح العقیدہ سنی اور علمائے حق کا حامی ومددگار تھا، اس نے تمام بلاد محروسہ میں اعلان کرایا، کہ کوئی شخص خلق قرآن کے مسئلہ میں گفتگو نہ کرے، اور اس جرم کے تمام ماخوذین کو رہا کر دیا جائے، پھر اپنے نائب اسحاق بن ابراہیم کو خط لکھا، کہ امام احمد کو بغداد سے انتہائی تعظیم وتکریم کے ساتھ میرے پاس لاؤ! امام کو اسحاق نے بلایا اور ان کی بڑی تعظیم کی اور سامرہ روانہ کیا، لیکن درمیان میں کچھ ایسے واقعات پیش آ گئے کہ امام احمد سے اسحاق خفا ہو گیا اور پھر قدیم عناد لوٹ آیا، جس کے سبب سے امام کو اذیت اٹھانی پڑی تھی، اس نے خلیفہ سے شکایت کی اور خلیفہ نے آپ کو واپس لے جانے کا حکم دیا، امام احمد کو اس واقعہ سے سخت رنج پہنچا اور بغداد واپس آئے۔

ابن ثلجی نے متوکل سے کہا، کہ امام احمد کے تعلقات علوی خاندان سے بہت بڑھ گئے ہیں، اور ان میں کا ایک شخص امام کی خلافت کی بیعت لیتا پھرتا ہے، خلیفہ نے نائب بغداد کو لکھا، کہ امام احمد کے گھر کی تلاشی لی جائے، چنانچہ اس نے ایک رات آپ کے گھر کا محاصرہ کر لیا اور اس سازش کا حال پوچھا، امام احمد نے فرمایا مجھے اس کا کوئی علم نہیں، میں تو امیر المومنین کی ظاہر وباطن میں اطاعت کرتا ہوں، اور میں اللہ تعالیٰ سے ان کے لیے توفیق خیر اور حق پر رہنے کی دعا کرتا رہتا ہوں لہٰذا اس سازش میں کسی قسم کی شرکت کیوں روا رکھوں گا؟ لیکن سپاہیوں نے احتیاطاً مکان کا گوشہ گوشہ چھان ڈالا مگر کچھ بھی نہ ملا اور آپ کی براءت ظاہر ہو گئی۔ خلیفہ کو جب اس کی خبر ملی تو اس نے کہا، کہ لوگ امام کے متعلق بہت نمامی کرتے ہیں، خلیفہ شرمندہ ہوا اور امام کی عزت وحرمت اس کے دل میں نئے سرے سے جاگزیں ہو گئی۔

متوکل نے اپنے ایک حاجب ابو یعقوب بن ابراہیم کی معرفت امام احمد کی خدمت میں دس ہزار درہم بھیجے، امام نے لینے سے انکار کر دیا، ابو یعقوب نے کہا، مصلحت وقت یہی ہے، کہ آپ اسے قبول کر لیں، ورنہ خلیفہ آپ کی طرف سے پھر رنجیدہ

خاطر ہو جائے گا، امام نے قبول تو کر لیا، لیکن عزیزوں کو بلا کر حکم دیا، کہ بغداد اور بصرہ کے افلاس زدہ علما و محدثین کی ایک فہرست تیار کرو اور ساری رقم ان میں تقسیم کر دو، یہ کام اسی وقت ہو جانا چاہیے، ورنہ رات کی نیند مجھ پر حرام ہو جائے گی، چنانچہ یہ رقم اہل علم میں رات ہی رات تقسیم کر دی گئی اور غربت و افلاس کے باوجود گھر کے لیے کچھ بھی نہ رکھا گیا، صرف آپ کے پوتے نے ایک حقیر سی رقم لے لی، جسے دیکھ کر آپ نے سکوت فرمالیا اور کچھ نہ بولے، متوکل کو جب یہ خبر پہنچی، کہ امام نے اس رقم سے کچھ بھی نہ لیا، وہ اس سلسلے میں استفسار کرنا ہی چاہتا تھا، کہ ایک شخص نے کہا، امیر المومنین احمد نے آپ کا ہدیہ قبول کرنے کے بعد تقسیم کیا ہے اور حقیقت بھی یہی ہے، کہ احمد جیسا شخص دینار و درہم لے کر کیا کرتا، انہیں تو صرف دو وقت کی روٹی مل جانی چاہیے، خلیفہ نے کہا، تو سچ کہتا ہے۔

جب عبداللہ بن اسحاق بغداد کا حاکم ہوا، تو متوکل نے اس کو حکم دیا، کہ وہ امام احمد کو میرے پاس لائے، امام صاحب نے بڑھاپے اور ناتوانی کا عذر پیش کیا، خلیفہ نے کہلا بھیجا، کہ میں آپ کے قرب سے برکت حاصل کرنا چاہتا ہوں، تاکہ آپ کی دعا میرے شامل حال ہو، امام اپنے اہل وعیال کے ساتھ بغداد سے نکلے اور دارالخلافہ سامرہ (سرمن رائے) پہنچے، خلیفہ نے اعزاز و اکرام کیا اور دارالیاخ میں ٹھہرایا، آپ کو معلوم ہوا، کہ یہ مکان جائز ملکیت کا نہیں تو دوسرا مکان کرایہ پر لیا اور وہیں اقامت کی، اعیان واشراف زیارت کے لیے اس طرح آتے کہ اپنی زیب وزینت کے لباس اتار دیتے، خلیفہ نے اس مکان کے لیے اعلیٰ درجہ کے سامان بھیجے اور لذیذ ترین کھانوں کا انتظام کیا اور سمجھتا رہا، کہ امام ان چیزوں سے متمتع ہو رہے ہیں، لیکن امام صاحب ان چیزوں سے فائدہ نہیں اٹھاتے اور ہمیشہ روزے سے رہتے، خلیفہ نے عرض کیا، آپ گزشتہ ایام کے مصائب کی تلافی یہاں کریں اور پھر حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا درس دیں، امام نے اپنی بیماری اور دانتوں کے ہلنے کی وجہ سے معذرت کر لی۔

شاہی طعام وفواکہ میں سے کچھ بھی استعمال نہ کرتے، متعدد روزوں کے بعد

ستو گھول کر نوش فرمالیا کرتے۔

خلیفہ نے عبداللہ بن یحییٰ بن خاقان کے بدست ایک بڑی رقم بھیجی، لیکن امام نے قبول نہیں کیا، توان کے صاحب زادوں پر تقسیم کردی گئی۔

پیرانہ سالی میں مسلسل روزہ رکھنے کی وجہ سے ضعف ونقاہت میں اضافہ ہوتا رہا، خلیفہ نے ابن ماسویہ طبیب کو آپ کی دیکھ بھال کے لیے روانہ کیا، اس نے امام صاحب کو دیکھنے کے بعد خلیفہ سے کہا، امام احمد میں اس کے سوا کوئی مرض نہیں، کہ وہ ضرورت کے مطابق غذا استعمال نہیں کرتے اور ان کے سارے مرض کا سبب مسلسل روزہ رکھنا اور عبادت کرنا ہی ہے، کچھ دنوں بعد بغداد جانے کی اجازت ملی، ایک معمولی کشتی پر بغداد پہنچے اور بقیہ زندگی خلیفہ کی اس معیت پر افسوس کرتے رہے، فرمایا، کہ میں اس گروہ سے عمر بھر علاحدہ رہا، لیکن آخری عمر ان کا ساتھ ہو ہی گیا، سفر میں سخت بھوک کے باوجود شاہی زاد سفر استعمال نہ کیا۔

بعض امرا نے خلیفہ سے شکایت کی، کہ امام احمد آپ کی عطا کردہ اشیا استعمال نہیں فرماتے، متوکل نے جواب دیا، واللہ اگر معتصم دوبارہ زندہ ہوکر امام احمد کے متعلق شکایت کریں تو قبول نہ کروں گا اور اس کی حسن عقیدت برابر قائم رہی، دریافت حال کے لیے آدمی بھیجتا رہا۔

کسی نے متوکل کو ایک خط لکھا، کہ امام احمد آپ کے باپ دادا کو زندیق کہتے ہیں، متوکل نے جواب لکھا، کہ مامون نے لوگوں سے میل جول بہت رکھا، اس لیے لوگ اس کی عقل پر مستولی ہوگئے، یعنی اسے گمراہ کردیا، اسی طرح میرا باپ معتصم ایک جنگی آدمی تھا، اس کو علم کلام سے کوئی واسطہ نہ تھا، ناحق اس میں پڑکر خراب ہوا، اور میرا بھائی واثق بے شک زندیق تھا، پھر حکم دیا، کہ اس چغلخور کو سو کوڑے مارے جائیں، عبداللہ بن اسحاق بن ابراہیم نے بجائے سو کے پانچ سو کوڑے مارے، خلیفہ نے اس زیادتی کا سبب پوچھا، تو جواب دیا، کہ دو سو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کے لیے اور دو سو آپ

کی اطاعت کے لیے ایک سواس رجل صالح امام احمد بن حنبل پر قذف کے بدلے۔

خلیفہ متوکل کے نام امام احمد کا خط

متوکل کے دل ودماغ میں امام احمد کی عقیدت وعظمت اس درجہ قائم ہوگئی تھی، کہ وہ ان کے خلاف ادنیٰ شکایت بھی سننا گوارہ نہ کرتا تھا، وہ مسئلہ خلق قرآن سے متعلق شرعی اور دینی نقطہ نظر جاننے کا خواہش مند ہوا تو اس نے ایک استفسار امام کی خدمت میں پیش کیا، جس کے جواب میں آپ نے ایک خط تحریر فرمایا۔

صالح بن احمد بن حنبل کا بیان ہے، کہ عبید اللہ بن یحییٰ نے میرے والد کو خط لکھا، جس میں یہ اطلاع دی، کہ امیر المومنین نے مجھ کو حکم دیا ہے، کہ میں آپ کو ایک خط لکھوں، جس میں قرآن کے بارے میں سوال کروں اور یہ استفسار بغرض امتحان ہو، بلکہ بصیرت اور معرفت حاصل کرنے کے لیے ہو، چنانچہ اس کے جواب میں میرے والد نے عبید اللہ بن یحییٰ کو مجھ سے درج ذیل جواب لکھوایا، اس وقت ان کے پاس صرف میں تھا، کوئی اور شخص موجود نہ تھا۔

اے ابوالحسن! اللہ تعالیٰ دنیا وآخرت کے تمام امور میں تمہارا انجام بخیر کرے اور اپنی رحمت سے تمہاری دنیاوی پریشانیاں دور کردے، اللہ تم سے راضی ہو تم نے مجھے ایک خط لکھا ہے، جس میں مجھ سے قرآن مجید کے بارے میں سوالوں کے جوابات طلب کیے ہیں، جن کے سلسلے میں امیر المومنین میری رائے جاننا چاہتے ہیں۔

صورت حال یہ ہے، کہ لوگ باطل امور میں ڈوب کر شدید اختلاف میں مبتلا تھے، حتیٰ کہ خلافت امیر المومنین کو ملی اور امیر المومنین کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے تمام بدعتوں کو مٹا دیا اور لوگ جس ذلت اور تنگ نظری کی فضا میں زندگی گزار رہے تھے، وہ تاریک فضا چھٹ گئی اور اللہ تعالیٰ نے وہ صورت حال بدل دی اور اس کا سہرا امیر المومنین کے سر پر ہے، امیر المومنین کے اس کارنامے کی وجہ سے انہیں مسلمانوں کی نظروں میں بہت احترام ومقام حاصل ہوگیا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ سے امیر المومنین کے حق

میں دعا کرتے ہیں اور میں بھی اللہ کے حضور دست بہ دعا ہوں کہ وہ امیر المومنین کے حق میں مسلمانوں کی بہترین دعائیں قبول فرمالے اور جو کچھ ان دعاؤں میں مانگا گیا ہے، وہ امیر المومنین کے لیے پورا کرے اور ان کے گھر میں برکت عطا فرمائے اور وہ جو کچھ کرنا چاہتے ہیں، اس میں اللہ تعالیٰ ان کی مدد فرمائے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے بارے میں مذکور ہے، کہ آپ نے کہا:

لا تضربوا کتاب اللہ بعضه ببعض فانه ذلک یوقع الشک فی قلوبکم ۔

کتاب اللہ کے ایک حصے کو دوسرے حصے سے نہ ٹکراؤ، کہ یہ عمل تمہارے دلوں میں شک پیدا کر دے گا۔

اور حضرت عبداللہ بن عمر سے مروی ہے، کہ چند قرا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دروازے پر بیٹھے باہم گفتگو کر رہے تھے، کہ ان میں سے ایک نے کہا، کہ کیا اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا؟

اس پر دوسرے نے کہا، کہ کیا اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا؟ عبداللہ بیان کرتے ہیں، کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ گفتگو سنی تو اس حالت میں باہر تشریف لائے، کہ آپ کا چہرہ مبارک اس قدر سرخ تھا:

کانما فقئ فی وجهه حب الرمان ۔

گویا کہ انار کا رس اس پر انڈیل دیا گیا ہو۔

اور فرمایا، کہ کیا تم کو یہی حکم دیا گیا ہے، کہ کتاب اللہ کے ایک حصے کو دوسرے حصے سے ٹکراؤ، تم سے پہلی امتیں اسی طرز عمل سے گمراہ ہوئی تھیں، تم جو کر رہے ہو یہ انتہائی لاحاصل کام ہے، صحیح طریقہ یہ ہے، کہ یہ دیکھو، کہ تم کو کن کاموں کے کرنے کا حکم دیا گیا ہے، تو ان کو کرو۔ اور دیکھو، کہ تم کو کن باتوں سے منع کیا گیا ہے، تو ان سے رک جاؤ۔

حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے، کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، "مراء فی القرآن کفر" قرآن کے سلسلے میں جھگڑنا کفر ہے۔ اور حضرت ابوجہم جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی ہیں، وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں، کہ آپ نے فرمایا، "لاتماروا فی القرآن فان مراء فیہ کفر" قرآن میں جھگڑا نہ کرو اس لیے کہ قرآن میں جھگڑا کرنا کفر ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس بیان کرتے ہیں، کہ حضرت عمر بن خطاب کے پاس ایک شخص آیا، حضرت عمر اس سے لوگوں کے بارے میں دریافت کرنے لگے، تو اس نے کہا، کہ ان میں سے بعض لوگوں نے قرآن کا یہ اور یہ حصہ پڑھا ہے، ابن عباس بیان کرتے ہیں، کہ میں نے کہا، کہ بخدا مجھے یہ بالکل ناپسند ہے، کہ یہ لوگ ایک دن میں قرآن کے سلسلے میں اس قدر تیزی اور جلد بازی دکھائیں، ابن عباس بیان کرتے ہیں، کہ حضرت عمر نے مجھے جھڑک دیا اور فرمایا، کہ تم خاموش رہو، چنانچہ میں وہاں سے اٹھ کر اپنے گھر اس حالت میں آیا، کہ سخت غمزدہ اور دل گرفتہ تھا، ابھی میں اسی حالت میں تھا، کہ ایک شخص آیا اور اس نے مجھے اطلاع دی، کہ امیر المومنین یاد فرمارہے ہیں، چنانچہ جب میں گھر سے نکلا، تو میں نے دیکھا کہ حضرت عمر دروازہ پر کھڑے میرا انتظار فرمارہے ہیں، مجھے دیکھتے ہی آپ نے میرا ہاتھ پکڑلیا اور تنہائی میں لے جاکر پوچھا اس شخص نے ابھی جو گفتگو کی تھی، اس میں سے تم کو کیا بات بری لگی؟

میں نے عرض کیا، امیر المومنین یہ لوگ جب قرآن کے معاملے میں ایک دوسرے کے مقابلے میں اس قسم کی جلد بازی اور تیزی دکھائیں گے، تو باہم اختلاف کریں گے اور جب اختلاف کریں گے تو جھگڑیں گے اور جب ان میں جھگڑا ہوگا تو مزید اختلاف بڑھے گا اور اس اختلاف کا یہ نتیجہ نکلے گا، کہ ایک دوسرے سے جنگ کریں گے۔

حضرت عمر نے فرمایا، اللہ تمہارے والد سے راضی ہو، بخدا میں یہ حدیث اب

تک لوگوں سے چھپاتا رہا، حتی کہ آج تم نے اسے بیان کر دیا۔ عن جابرؓ بن عبداللہ قال کان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یعرض نفسہ علی الناس بالموقف فیقول ھل من رجل یحملنی الی قومہ فان قریشا قد منعونی ان ابلغ کلام ربی ۔

حضرت جابر بن عبداللہ سے مروی ہے، کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم زمانہ جاہلیت میں ایام حج میں خود کو لوگوں کے سامنے پیش کرتے اور فرماتے کوئی شخص ہے، جو مجھے پناہ دے، کر اپنے قبیلے کے پاس لے چلے تاکہ میں انہیں اپنے رب کا پیغام پہنچا سکوں کیوں کہ قریش نے مجھے اس کام سے روک دیا ہے۔

حضرت جبیر بن نفیر بیان کرتے ہیں، کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ''انکم لن ترجعوا بشیٔ مما خرج منہ یعنی القرآن ''تم ہرگز اپنی کوشش سے کوئی ایسی بات نہیں لا سکتے، جو اس (آپ کی مراد قرآن تھا) کی بات سے بہتر ہو۔

حضرت عبداللہ بن مسعود کے بارے میں روایت ہے، کہ انہوں نے کہا، '' جردوا القرآن لاتکتبوا فیہ شیئا الا کلام اللہ عزوجل'' قرآن کو ہر قسم کی تحریر سے پاک رکھو، اور اس کے اندر سوائے کلام اللہ کے کچھ نہ لکھو اور حضرت عمر سے مروی ہے، کہ آپ نے فرمایا ''ھذا القرآن کلام اللہ فضعوہ مواضعہ'' قرآن کلام اللہ ہے لہٰذا اسے اس کا صحیح مقام و مرتبہ دو۔

اور حضرت حسن بصری سے ایک شخص نے کہا، کہ اے ابوسعید میں جب قرآن پڑھتا ہوں اور اس میں تدبر کرتا ہوں تو ایسی کیفیت طاری ہو جاتی ہے، کہ میں مایوس ہو جاتا ہوں اور اپنی نجات کی امید منقطع ہو جاتی ہے، حضرت حسن بصری نے جواب دیا، ''ان القرآن کلام اللہ واعمال ابن آدم الی الضعف والتقصیر فاعمل وابشر'' قرآن اللہ کا کلام ہے، انسان کے اعمال کمزور ہیں اور ناقص ہیں لہٰذا تم عمل کرتے رہو اور امیدوار رحمت رہو۔

فروہ بن نوفل اشجعی کہتے ہیں، کہ میں حضرت خباب جو کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی ہیں، کا ہمسایہ تھا، میں ایک دن ان کے ساتھ مسجد سے نکلا، اس حالت میں کہ انہوں نے میرا ہاتھ پکڑ رکھا تھا، اور کہہ رہے تھے، اے شخص اپنی استطاعت کے مطابق اللہ کا قرب حاصل کرنے کی کوشش کرو، لیکن اس کا قرب حاصل کرنے کے لیے کوئی چیز اسے اپنے کلام سے زیادہ محبوب نہیں ہے۔

اور ایک شخص نے حکم بن عتبہ سے کہا، اصحاب الاغراض جو کچھ کہہ رہے ہیں، ان کو ان باتوں پر کس چیز نے آمادہ کیا ہے؟ انہوں نے جواب دیا آپس کے جھگڑوں نے۔

اور معاویہ بن قرہ (جن کے والد ان لوگوں میں سے ہیں جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو چکے ہیں) نے کہا، لوگو! اپنے آپ کو ان جھگڑوں سے دور رکھو، کہ یہ جھگڑے اعمال کو برباد کر دیتے ہیں۔

اور ابو قلابہ جو ان لوگوں میں سے ہیں، جنہوں نے ایک سے زیادہ صحابہ کرام کو دیکھا ہے، کہتے ہیں "**لا تجالسوا اصحاب الاھواء او قال اصحاب الخصومات فانی لا آمن ان یغمسو کم فی ضلالتھم ویلبسوا علیکم بعض ما تعرفون**" ان ہوا و ہوس کے بندوں یا آپ نے کہا، ان جھگڑا کرنے والوں کی محفلوں میں مت بیٹھو، کیوں کہ میں اس سے بے خوف نہیں ہوں کہ یہ تمہیں اپنی گمراہی میں گھسیٹ لیں اور تمہارے علم و معرفت میں شبہ و مغالطہ پیدا کر دیں۔

اہل ہوس میں سے دو شخص محمد بن سیرین کے پاس آئے اور کہنے لگے، ہم آپ کو ایک حدیث سناتے ہیں، انہوں نے کہا، نہیں میں نہیں سننا چاہتا، پھر انہوں نے کہا، کہ ہم آپ کو کتاب اللہ کی ایک آیت سنانا چاہتے ہیں، آپ نے فرمایا، نہیں میں نہیں سنوں گا، تم فوراً یہاں سے نکل جاؤ ورنہ میں چلا جاؤں گا، راوی کہتے ہیں، کہ وہ چلے گئے تو کچھ لوگوں نے محمد بن سیرین سے پوچھا، کہ اے ابو بکر! آپ کو کیا نقصان پہنچتا، اگر وہ آپ کو قرآن کی آیت سناتے، تو ابن سیرین نے ان کو جواب دیا، کہ مجھے ڈر ہے، کہ کہیں وہ قرآن کی

آیت سناتے وقت اس میں تحریف نہ کردیں اور وہ اسی طرح میرے حافظے میں اٹک جائے۔

امام محمد کہتے ہیں، کہ اگر مجھے یہ معلوم ہو کہ قیامت آجائے گی تب بھی میں ان اہل ہوا وہوس کی باتیں نہ سنوں۔

ایوب سختیانی سے ایک بدعتی نے کہا، اے ابوبکر میں تم سے ایک بات پوچھنا چاہتا ہوں یہ سنتے ہی انہوں نے منہ پھیر لیا اور ہاتھ کے اشارے سے کہتے جا رہے تھے، نہیں نہیں آدھی بات بھی نہیں۔

ابن طاؤس نے اپنے بیٹے سے کہا، جب وہ ایک بدعتی سے بات کر رہے تھے، کہ اے بیٹے اپنے کانوں میں انگلیاں ٹھونس لو اور اس کی بات نہ سنو اس کے بعد کہا اور سختی سے اپنے کان بند کرلو!

حضرت عمر بن عبدالعزیز نے فرمایا: "من جعل دينه عرضا للخصومات اكثر التنقل" جو شخص اپنے دین کو جھگڑوں کا ذریعہ بنالیتا ہے، وہ موضوع روایات زیادہ بیان کرتا ہے۔

ابراہیم نخعی کا قول ہے، کہ اگر تمہارے پاس لوگوں (اہل ہوس) کی باتوں میں سے کوئی بھی بات نہ پہنچے تو یہ تمہارے اس فضل کے لیے بہتر ہے جو تمہارے پاس موجود ہے۔

حسن بصری کہا کرتے تھے، کہ ان پراگندہ خاطر لوگوں کے دل ہوا وہوس سے آلودہ ہوتے ہیں اور حضرت حذیفہ بن یمان جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی ہیں کہتے ہیں "اتقوا الله معشر القراء وخذوا طريق من كان قبلكم والله لئن استقمتم لسبقتم سبقا بعيدا ولئن تركتموه يمينا وشمالا لقد ضللتم ضلالا بعيدا" اے قاریو! اللہ سے ڈرو! اور ان لوگوں کا راستہ اختیار کرو جو تم سے پہلے تھے، اس لیے کہ بخدا اگر تم ان کے طریقے پر قائم رہتے ہو تو تم بہت سبقت لے جاؤ گے اور

اگر کہیں تم نے ان کے طریقے کو چھوڑ کر دائیں بائیں انحراف اختیار کر لیا تو یقیناً تم گمراہی میں بہت آگے نکل جاؤ گے یا آپ نے کہا، کہ کھلی گمراہی میں مبتلا ہو جاؤ گے۔

میرے والد امام احمد بن حنبل کہتے ہیں، کہ میں نے اس موقع پر سندوں کا ذکر اس لیے چھوڑ دیا ہے، کہ میں اس سلسلے میں قسم کھا چکا ہوں اور اس بات کا امیر المومنین کو بھی پتا ہے، اگر یہ قسم نہ ہوتی تو میں یہاں ہر بات سند کے ساتھ بیان کرتا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ''وَاِنْ اَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ اسْتَجَارَكَ فَاَجِرْهُ حَتّٰى يَسْمَعَ كَلَامَ اللّٰهِ'' اور اگر مشرکین میں سے کوئی شخص پناہ مانگ کر تمہارے پاس آنا چاہے (تا کہ اللہ کا کلام سنے) تو اسے پناہ دے دو یہاں تک کہ وہ اللہ کا کلام سن لے۔
(توبہ)

نیز ارشاد فرمایا ''اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ'' خبردار! اسی کی خلق ہے اور اسی کا امر ہے۔ (اعراف)

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے پہلے خلق کے بارے میں خبر دی ہے، پھر ''والامر'' فرمایا، اسی طرح اللہ تعالیٰ نے یہ بات بتائی ہے، کہ ''الامر'' غیر مخلوق ہے۔

نیز ارشاد ہے ''اَلرَّحْمٰنُ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ خَلَقَ الْاِنْسَانَ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ'' نہایت مہربان خدا نے اس قرآن کی تعلیم دی ہے، اسی نے انسان کو پیدا کیا اور اسے بولنا سکھایا۔ (الرحمٰن)

اللہ تعالیٰ نے یہ بتایا ہے، کہ قرآن علم الٰہی کا حصہ ہے۔

فرمایا ''وَلَنْ تَرْضٰى عَنْكَ الْيَهُوْدُ وَلَا النَّصٰرٰى حَتّٰى تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ قُلْ اِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰى وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ بَعْدَ الَّذِىْ جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ مَا لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ وَّلِىٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ'' یہودی اور عیسائی تم سے ہرگز راضی نہ ہوں گے، جب تک تم ان کے طریقے پر نہ چلنے لگو، صاف کہہ دو کہ راستہ بس وہی ہے، جو اللہ نے بتایا ہے ورنہ اگر اس علم کے بعد جو تمہارے پاس آ چکا ہے، تم نے ان کی خواہشات کی

پیروی کی تو اللہ کی پکڑ سے بچانے والا کوئی دوست اور مدد گار تمہارے لیے نہیں ہے۔ (البقرہ)

ارشاد ربانی ہے "وَلَئِنْ اَتَيْتَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتَابَ بِكُلِّ آيَةٍ مَّا تَبِعُوا قِبْلَتَكَ وَمَا اَنْتَ بِتَابِعٍ قِبْلَتَهُمْ وَمَا بَعْضُهُمْ بِتَابِعٍ قِبْلَةَ بَعْضٍ وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَاءَهُمْ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ اِنَّكَ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِيْنَ" تم ان اہل کتاب کے پاس خواہ کوئی نشانی لے آؤ ممکن نہیں کہ یہ تمہارے قبلے کی پیروی کرنے لگیں اور نہ تمہارے لیے یہ ممکن ہے، کہ تم ان کے قبلے کی پیروی کرو، اور ان میں سے کوئی گروہ بھی دوسرے کے قبلے کی پیروی کے لیے تیار نہیں ہے اور اگر تم نے اس علم کے بعد جو تمہارے پاس آچکا ہے، ان کی خواہشات کی پیروی کی تو یقیناً تمہارا شمار ظالموں میں ہوگا۔ (البقرہ)

فرمان الٰہی ہے " وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنَاهُ حُكْمًا عَرَبِيًّا وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَاءَهُمْ بَعْدَ مَا جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ مَالَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا وَاقٍ' اس ہدایت کے ساتھ ہم نے فرمان عربی تم پر نازل کیا ہے، اب اگر تم نے اس علم کے باوجود جو تمہارے پاس آچکا ہے، لوگوں کی خواہشات کی پیروی کی تو اللہ کے مقابلے میں نہ کوئی تمہارا حامی و مدد گار ہوگا اور نہ کوئی اس کی پکڑ سے بچا سکتا ہے۔ (الرعد)

ان تمام آیتوں سے یہ بات ثابت ہوتی ہے، کہ قرآن علم اللہ میں سے ہے اور یہ بھی ثابت ہوتا ہے، کہ جو کچھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا وہ قرآن ہے۔

وقد روی عن غیر واحد ممن مضی من سلفنا انهم كانوا يقولون القرآن كلام الله ليس بمخلوق وهو الذی اذهب اليه لست بصاحب كلام ولا اری الكلام فی شیٔ من هذا الا ما كان من كتاب الله او فی حديث عن النبی صلی الله عليه وسلم او عن اصحابه او عن التابعين فاما غير ذلك

فان الکلام فیہ غیر محمود ۔

ہمارے اسلاف میں سے متعدد علما کے بارے میں یہ بات مروی ہے، کہ وہ کہا، کرتے تھے، کہ قرآن مجید کلام اللہ اور غیر مخلوق ہے اور یہی وہ مسلک ہے جو میں نے اختیار کیا ہے، میں نہ تو کلامی ہوں اور نہ علم کلام کے بارے میں کچھ جانتا ہوں مجھے تو صرف وہ معلوم ہے، جو کتاب اللہ اور حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں ہے، یا پھر جو کچھ صحابہ کرام اور تابعین عظام سے مروی ہے، اس کے علاوہ جو کچھ ہے، اس کے بارے میں گفتگو کرنا میرے نزدیک ناپسندیدہ ہے۔

امام احمد بن حنبل کے اس تفصیلی مکتوب سے ان کے عقیدہ و مسلک کا اظہار ہوتا ہے اور صحابہ و تابعین کے معتقدات و معاملات پر کاربند رہنے ہی کو مدار نجات سمجھتے ہیں، مذہبی عقائد کے سلسلے میں بے جا بحث و نظر کو وہ لغو جانتے تھے، یہی وجہ ہے، کہ انہوں نے خط کے شروع میں اخبار واحادیث کو بیان کیا، پھر اپنی بات اس قول پر ختم کی "**ولست صاحب کلام و لااری الکلام فی شیء من ھذا** "میں نہ تو صاحب کلام ہوں اور نہ اس مسئلہ میں کلام کا قائل ہوں۔

اس خط سے درج ذیل باتیں سامنے آتی ہیں:

(۱) قرآن مخلوق نہیں ہے (۲) قرآن کلام اللہ ہے جو مخلوق نہیں (۳) قرآن امر ہے اور امر مخلوق نہیں (۴) قرآن اللہ کے علم سے ہے اور اللہ کا علم مخلوق نہیں۔

یہ سارے عقائد قرآن وحدیث سے ثابت اور سلف کا مسلک ہیں۔

امام احمد بن حنبل کی عظمت

سجن و زنداں اور کوڑوں کی صبر آزما صعوبتوں میں امام صبر و استقامت کی مضبوط چٹان بنے رہے، آزمائش وابتلا کے طوفان عزیمت کی اس چٹان سے ٹکراتے رہے، ظلم کی آندھیاں چلتی رہیں اور امام کی زبان کلمہ حق دہراتی رہی، بالآخر جبر و استبداد نے اپنی

شکست تسلیم کر لی اور امام کی عزت وعظمت میں چار چاند لگ گئے۔

اول تو یہ دیکھیے، کہ عین اس لمحے جب کہ امام پر مار پڑ رہی تھی، اور دربار کے چھوٹے سے چھوٹے ملازموں کے دلوں میں ان کی صداقت ان کے صبر اور ان کی عظمت کردار کا اثر تھا، ابراہیم بن مصعب کوتوال کا بیان ہے، کہ میں نے کسی انسان کو بادشاہوں کے آگے احمد بن حنبل سے بڑھ کر غیر مرعوب نہیں پایا، ہم عمال حکومت ان کی نظر میں مکھیوں سے زیادہ وقعت نہیں رکھتے تھے۔

اس کے بعد یہ دیکھیے کہ علمائے وقت کی نگاہوں میں اس کوڑے کھانے والے کو کیا مرتبہ ملا، وہ حق وباطل کی کسوٹی بن گئے، کہا گیا ہے، کہ جب تم دیکھو، کہ کوئی شخص احمد بن حنبل سے محبت کرتا ہے، تو سمجھ لو کہ صاحب سنت ہے، صدانی کا قول تھا، کہ ان کے واسطے سے مسلم اور زندیق میں پہچان ہوتی ہے۔

دربار شاہی کی نگاہ میں بھی امام کا احترام غیر معمولی حد کو پہنچا، معتصم کے دل میں ندامت گھر کر گئی تھی، اپنی زیادتی کی تلافی کے لیے اپنا نائب بھیج کر امام کی خیریت معلوم کراتا رہا، خصوصاً جب متوکل کا دور آیا تو نقشہ بالکل بدل گیا، متوکل کا دور بدعت اور ارباب بدعت کے زوال کا دور تھا، اور سنت صحابہ حدیث کے اعزاز وعروج کا، ابن الجوزی کے بقول متوکل اس فکر میں رہتا کہ پچھلے مظالم کی تلافی کرے، ایک بار بیس ہزار سکے بھیجے، پھر ایک لاکھ درہم بھجوائے، امام نے لینے سے انکار کر دیا متوکل نے کہلوایا، کہ آپ اگر نہیں لیتے تو لڑکے کو اجازت دیجیے، امام نے کہا، کہ لڑکا اپنی مرضی کا خود مختار ہے، لڑکے (عبداللہ) نے بھی رقم واپس کر دی اسحاق بن ابراہیم کے سخت اصرار پر دس ہزار درہم لے لیے، مگر اسی وقت مہاجرین وانصار کی اولاد میں تقسیم کرا دیے، فرمایا "هذا امر اشد علی من ذاك فتنة الدين وهذا فتنة الدنيا" یہ معاملہ تو میرے لیے اس سے زیادہ سخت ہے، وہ تو دین کا فتنہ تھا، یہ دنیا کا فتنہ ہے، امام کا اتنا اثر متوکل پر تھا، کہ اکثر معاملات میں آپ سے مشورہ لیتا۔

ام متوکل نے ایک مرتبہ اپنے بیٹے سے کہا، کہ میری خواہش ہے، کہ امام احمد کی زیارت کروں، اس کا انتظام کیا گیا۔ ام متوکل نے پردے کے پیچھے سے امام کو دیکھا پھر کہا، اے بیٹے! اس شخص کو دیکھ کر اللہ اللہ کرو یہ ایسا آدمی نہیں کہ اس چیز (مال اور اقتدار) کی تمنا کرے، جو تمہارے پاس ہے۔

خود بیٹے کا تاثر یہ تھا: اس نے ماں سے کہا، دیکھو سارا گھر کس طرح روشن ہو گیا ہے۔

کبشہ انماری سے مروی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ثلاث اقسم علیهن واحدثكم حديثا فاحفظوه قال ما نقص مال عبد من صدقة ولا ظلم عبد مظلمة صبر عليها الا زاده الله عزا ولا فتح عبد باب مسئلة الا فتح الله عليه باب فقر او كلمة نحوها ۔(ترمذی ابواب الزہد ج ۲ ص ۵۶)

تین چیزیں ایسی ہیں، جن پر میں قسم کھاتا ہوں اور ان کے بارے میں ایک امر بیان کرتا ہوں، جسے تم لوگ محفوظ کر لو (۱) صدقہ کی وجہ سے مال نہیں گھٹتا (۲) بندے پر ظلم کی وجہ سے اس کی عزت نہیں گھٹتی بلکہ اللہ اس کی عزت میں اضافہ کرتا ہے (۳) جس بندے نے اپنے لیے سوال کا دروازہ کھولا اللہ تعالیٰ اس کے لیے فقر کا دروازہ کھول دیتا ہے۔

حضرت انس سے مروی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اذا اراد الله بعبده الخير عجل له العقوبة فى الدنيا واذا اراد بعبده الشر امسك عنه بذنبه حتى يوافى به يوم القيامة ۔(اتحاف المهرة ج ۲ ص ۳۷)

جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کے حق میں خیر کا ارادہ فرماتا ہے، تو اسے دنیا کے اندر عقوبت سے دوچار کرتا ہے، اور جب اللہ کسی بندے سے شر کا ارادہ فرماتا ہے، تو اسے گناہوں میں روک لیتا ہے یہاں تک کہ

قیامت کے دن ان گناہوں کا بدلہ دے گا۔

حضرت انس بن مالک سے مروی ہے:

ان اعظم الجزاء مع عظم البلاء وان الله اذا احب قوما ابتلاهم فمن رضی فله الرضیٰ ومن سخط فله السخط ۔(ترمذی ابواب الزهد ج ۲ ص ۵٦)

بڑا ثواب بڑی مصیبت پر ہے، جب اللہ کسی قوم کو محبوب رکھتا ہے، تو اسے آزماتا ہے جو بندہ راضی رہا، تو اللہ بھی اس سے راضی ہو گیا اور جو ناراض ہوا اللہ بھی اس سے ناراض ہو جاتا ہے۔

بشر حافی کہتے ہیں ''**ادخل احمد الكير فخرج ذهبا احمر**'' امام احمد کو آزمائش کی بھٹی میں ڈالا گیا تو وہ زرِ خالص بن کر نکلے۔ (ابن کثیر ج ۱۰ ص ۳۵۰)

علی بن مدینی کہتے ہیں ''**ان الله اعز هذا الدين برجلين ليس لهما ثالث ابوبكر الصديق يوم الردة واحمد بن حنبل يوم المحنة**'' بے شک اللہ تعالیٰ نے اس دین کو دو لوگوں کے ذریعہ تقویت بخشی، ان دونوں کا کوئی تیسرا شریک نہیں ابوبکر ردت کے دن اور احمد بن حنبل آزمائش کے دن۔ (تاریخ بغداد ج ۴ ص ۴۱۸)

محمد بن علی بن شعیب اپنے والد کا قول نقل کرتے ہیں، کہ احمد بن حنبل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول کے مطابق تھے، ''**كائن فی امتی ما كان فی بنی اسرائيل حتى ان المنشار ليوضع على فرق راسه ما يصرفه ذلك عن دينه**'' بنی اسرائیل میں جو کچھ ہو چکا ہے، میری امت میں بھی ہوگا، حتیٰ کہ کسی کے سر پر آرا چلایا جائے گا، مگر یہ عمل بھی اس کو اس کے دین سے برگشتہ نہ کر سکے گا۔ (ایضا)

امام احمد اس حدیث رسول کے مصداق ہیں۔

سلمہ بن شعیب کہتے ہیں ''**كنا عند احمد بن حنبل وجاءه شيخ ومعه عكازة فسلم وجلس فقال من منكم احمد بن حنبل فقال احمد انا**

ماحاجتك فقال ضربت اليك من اربع مأة فرسخ اريت الخضر فی المنام فقال لی سر الی احمد بن حنبل وسل عنه وقل له ان ساكن العرش والملائكة راضون بما صبرت نفسك لله عزوجل' ہم امام احمد بن حنبل کے پاس تھے، ایک بوڑھا شخص آیا جس کے ہاتھ میں لاٹھی تھی اس نے سلام کیا اور بیٹھ گیا پھر پوچھا تم میں احمد بن حنبل کون ہیں؟ امام احمد نے فرمایا، میں ہوں، پوچھا تمہاری ضرورت کیا ہے؟ اس نے کہا، میں آپ کے پاس چار سو فرسخ کا سفر طے کر کے آرہا ہوں، میں نے خواب میں خضر کو دیکھا اور انہوں نے مجھ سے کہا تم احمد بن حنبل کے پاس جاؤ اور ان کے بارے میں پوچھو اور ان سے کہو بے شک ساکن عرش اور فرشتے راضی ہیں اس بات سے جو آپ نے اللہ عزوجل کی راہ میں صبر کیا۔

(تاریخ ابن کثیر ج ۱۰ ص ۳۵۷)

تصویر کا دوسرا رخ

رئیس المعتزلہ قاضی احمد بن ابی دواد جس نے اپنی روشن خیالی، تجدد پسندی اور عقلیت پرستی کے جادو سے مامون اور معتصم کو مسحور کر لیا تھا اور ایوان اقتدار وسطوت میں ہر طرف اسی کے جلوے تھے، علمائے حق کا عرصہ حیات اس نے تنگ کر رکھا تھا، مگر اس کی طلسماتی شخصیت کا زوال اس انداز سے ہوا، کہ دنیا والوں کے لیے درس عبرت ونصیحت بن گیا۔

ایسی نمائشی شخصیتیں جن کے اندر ایمان، ضمیر اور کردار کی اصل قوت موجود نہیں ہوتی، بلکہ محض دماغی یا فنی صلاحیتوں کی بنا پر وہ ابھر آتی ہیں، ان کو اندر ہی اندر زوال کا کیڑا کھاتا رہتا ہے، یہاں تک کہ ان کی عظمت کا منارہ اچانک ٹوٹ گرتا ہے، ایک طرف وہ لوگ ہوتے ہیں جو خاک وخون میں لوٹ کر بھی عظیم رہتے ہیں، اور دوسری طرف ایسے بھی ہوتے ہیں، جو زریں مسندوں پر بیٹھ کر بھی پست وادنیٰ رہتے ہیں، بعض کوڑے کھا کر بھی معزز تر ہو جاتے ہیں، بعض اختیارات واعزازات سے آراستہ ہو کر بھی ذلیل رہتے ہیں، کسی کے لیے تختہ دار پر بھی عزت ہی عزت ہوتی

ہے اور کسی کے لیے تخت پر بھی دنائت ہی مقدر رہتی ہے، ابن ابی دواد کی ساری عظمت بھی ایسا ہی ایک فریب نظر تھی، امام کو کوڑے لگواتے ہی یہ عظمت متزلزل ہو گئی۔

یوں تو معتصم کا رنگ بھی قدرے بدل گیا تھا، اور آگے چل کر متوکل کا تو خاصا جھکاؤ امام کی طرف تھا، مگر واثق ہی کے دور میں چوں کہ معتزلہ کے نظریات کی ساکھ بالکل ختم ہو چکی تھی، اس لیے واثق کی نگاہوں میں ابن ابی دواد کی قدر و منزلت بالکل ختم ہو گئی۔

رائے عامہ کا رنگ بھی اس کے متعلق اس حد تک بدلا کہ اس کے پیچھے نفرت کی وجہ سے نماز پڑھنے کو اچھا نہیں سمجھتے تھے، ایک موقع پر تو جمہور کا وفد واثق کے سامنے یہ شکایت لے کر گیا، کہ ابن ابی دواد مسلمانوں کو جبراً مجبور کرتا ہے، کہ وہ اپنے بچوں کو قرآن کے بارے میں ایسا ایسا عقیدہ رکھنے کی تعلیم دیں، پھر انہوں نے اس کی معزولی کا مطالبہ کیا اور صاف صاف کہا کہ اس کا عہدہ قضا پر ہونا ہمیں پسند نہیں ہے، امام احمد بن حنبل کی مظلومی نے لوگوں کو ابن ابی دواد کے مقابلے میں اب اتنا جری کر دیا تھا۔

اس فضا میں جب متوکل کا دور آیا تو وہ ابن ابی دواد اور اس کے بیٹے کے طرز عمل سے ناخوش ہوا اور ان کو قضا کے محکمے سے معزول کر دیا، پھر ان کے تمام اموال و املاک کی ضبطی کا فرمان جاری کیا، اس کے بیٹے کو اور اس کے دوسرے بھائیوں کو قید کر دیا اور ان کے اموال بھی ان سے چھین لیے۔ ابن خلکان کی روایت کے مطابق اس کی اولاد اور خاندان سے امام کی تکلیف دہی کے جرم میں ایک لاکھ ساٹھ ہزار اشرفیاں بہ طور تاوان وصول کی گئیں۔

قابل ذکر واقعہ یہ ہے، کہ خلیفہ متوکل نے خود امام احمد بن حنبل سے ابن ابی دواد کی جائداد ضبط کرنے کا فتویٰ پوچھا، یہ موقع تھا، کہ امام کے اندر کوئی انتقامی جذبہ حرکت میں آجائے، مگر انہوں نے کوئی فتویٰ نہیں دیا، خاموش رہے کجا وہ کردار کہ امام کے لیے سزائے موت اور سزائے تازیانہ کے فتوے دیتا ہے اور کجا یہ کردار کہ خلیفہ خود موقع دے رہا ہے اور امام کا کوئی مطالبہ نہیں۔

مرض الموت اور وفات

حضرت امام احمد بن حنبل سامرہ ہی میں ضعف ونقاہت کا شکار ہو گئے تھے، بغداد آئے، تو روز بروز صحت گرنے لگی، بالآخر ۲؍ربیع الاول ۲۴۱ھ بستر علالت پر پڑ گئے، مرض شدت اختیار کرتا رہا، لوگوں کو خبر ہوئی تو عیادت کے لیے جوق در جوق آنے لگے، لوگوں کے آنے کی کثرت ہوئی، تو حکومت نے دروازہ اور گلی پر پہرہ بٹھا دیا، زائرین کی بھیڑ مسجدوں اور گلیوں میں جمع ہونے لگی، خرید وفروخت میں خلل واقع ہونے لگا، امیر بغداد محمد بن عبداللہ بن طاہر نے اپنے حاجب کے ذریعہ امام صاحب کو سلام بھیج کر پیغام دیا، کہ میں آپ سے ملاقات کرنا چاہتا ہوں، آپ نے جواب دیا، کہ میں اس کو پسند نہیں کرتا، امیر المومنین نے بھی مجھے اس سلسلے میں معاف کر دیا ہے، بنو ہاشم کے اعیان واشراف آئے، تو ان کو اندر آنے کی اجازت دی، قاضیوں کی ایک جماعت آئی جس کو داخلہ کی اجازت نہیں ملی، اسی درمیان ایک بزرگ نے آکر کہا، کہ ابوعبداللہ! دربار خداوندی کی پیشی یاد کرو، امام صاحب یہ سن کر رونے لگے، صالح بن احمد کہتے ہیں، کہ ایک شخص آیا اور کہا، میں امام احمد کی بارگاہ میں حاضر ہونا چاہتا ہوں، میں کوڑوں کی ضرب میں شریک تھا، میں ان سے معافی کا خواستگار ہوں، میں نے کہا، ٹھہرو! امام صاحب نے فرمایا، اسے آنے دو، وہ امام صاحب کے روبرو کھڑا ہو کر رونے لگا، اور کہا، اے ابوعبداللہ! میں آپ کو کوڑے لگانے والوں میں سے ہوں، اب میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوں، اگر آپ بدلہ لینا چاہیں تو میں اس کے لیے آمادہ ہوں، یا معاف کرنا چاہیں، تو معاف کر دیں، امام صاحب نے فرمایا "انی قد جعلتك فی حل" میں نے تم کو معاف کر دیا،

وہ شخص روتا ہوا باہر آیا، جو لوگ موجود تھے وہ بھی رونے لگے۔ (مناقب لابن الجوزی ص ۴۸۹)

امام صاحب کے صاحب زادے صالح کا بیان ہے، کہ جب میرے والد احمد بن حنبل بیمار ہوئے، تو میں نے غذا وغیرہ کے بارے میں پوچھا، فرمایا، باقلا (لوبیا) کے سوا اور کیا استعمال کروں گا؟

امام صاحب نے مرض الموت میں ایک وصیت نامہ تحریر کیا، جس کے الفاظ یہ تھے:

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم ھذا ما اوصیٰ احمد بن محمد بن حنبل اوصیٰ انه یشھد ان لا اله الا اللّٰہ وحده لا شریك له وان محمدا عبده ورسوله ارسله بالھدی ودین الحق لیظھره علی الدین کله ولو کره المشرکون واوصیٰ من اطاعة من اھله وقرابته ان یعبدوا اللّٰہ فی العابدین وان یحمدوه فی الحامدین وان ینصحوا لجماعة المسلین واوصیٰ فی قد رضیت باللّٰہ ربا وبالاسلام دینا وبمحمد نبیا ۔

اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان رحم والا، یہ احمد بن محمد بن حنبل کی وصیت ہے، کہ میں گواہی دیتا ہوں، کہ اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں، وہ تنہا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں اور یہ کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بندے اور اس کے رسول ہیں، جنہیں اس نے ہدایت اور دین کے ساتھ مبعوث فرمایا، تاکہ وہ تمام ادیان پر غالب آجائے، اگرچہ مشرکین پسند نہ کریں، اہل بیت اطہار کی اطاعت کی جائے، عابدین اللہ ہی کی عبادت کریں اور حمادین اسی کی حمد کریں، جماعت مسلمین کے لیے خیر خواہی کی جائے اور میں اللہ کے رب ہونے، اسلام کے دین ہونے

اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نبی ہونے پر راضی ہوں۔

آپ کے پاس حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تین موئے مبارک تھے، بوقت رحلت اپنے بیٹے عبداللہ کو وصیت کی، کہ ایک بال داہنی آنکھ پر ایک بائیں آنکھ پر اور ایک زبان پر رکھ دینا۔ (صفۃ الصفوہ ج ۲ ص ۲۰۱)

۱۲ ربیع الاول ۲۴۱ھ بروز جمعہ بوقت صبح علم وتقویٰ عزیمت واستقامت کے امام نے دار فانی سے رحلت کی، بوقت رحلت عمر شریف ستہتر سال تھی۔

حنبل بن اسحاق کہتے ہیں:

ومات ابوعبداللہ فی سنة احدی واربعین ومأتین فی یوم الجمعة فی ربیع الاول وهو ابن سبع وسبعین سنة۔

(تاریخ بغداد ج ۴ ص ۴۲۲)

انتقال کی خبر سنتے ہی پورا بغداد ماتم کدہ بن گیا، لوگ چیخیں مار مار کر رونے لگے، آہ وبکا کی آوازیں ہر طرف گونجنے لگیں، جمعہ کے بعد جنازہ اٹھا تو بغداد اور نواح بغداد کے تقریباً آٹھ لاکھ مرد اور ساٹھ ہزار عورتیں جنازہ کے ساتھ چلے۔

ابن خلکان نے لکھا ہے:

وحضر من حضر جنازته من الرجال فکانوا ثمان مائة الف ومن النساء ستین الفا۔ (ابن خلکان ج ۱ ص ۴۱)

ایک روایت یہ ہے، کہ نماز جنازہ پڑھنے والوں کی مجموعی تعداد دس لاکھ اسی ہزار تھی، وہ لوگ جو دجلہ میں کشتیوں پر ہی جگہ پاسکے، وہ الگ تھے، بعض روایتوں میں چار لاکھ، ساتھ لاکھ اور پندرہ لاکھ کی تعداد بھی بیان کی گئی ہے، یہ منظر جس کے پس منظر میں اقتدار اور سچائی کی آویزش کار فرما تھی، اسے دیکھ کر بیس ہزار یہود ونصاریٰ اور مجوسی اسلام لائے۔

ابن خلکان رقم طراز ہیں:

قیل انه اسلم یوم مات عشرون الفا من النصاریٰ والیھود والمجوس .(ایضا)

محمد بن عبداللہ بن طاہر نے نماز جنازہ پڑھائی اور آپ کے جسد مبارک کو باب حرب کے مقبرہ میں سپرد خاک کیا گیا۔

انتقال کے ۲۳۰ سال بعد آپ کی قبر کے پہلو میں قبر کھودی گئی، قبر کا ایک حصہ کھل گیا، دیکھا گیا، تو آپ کا کفن صحیح وسالم تھا اور جسم میں کوئی تغیر واقع نہیں ہوا تھا۔

(تہذیب التہذیب ج ا ص ۶۵)

مبشرات

امام ابن جوزی نے اپنی کتاب "اخبار بشر بن الحارث الحافی" میں لکھا ہے:

حدث ابراهیم الحربی قال رایت بشر بن الحارث الحافی فی المنام کانه خارج من باب مسجد الرصافة وفی کمه شیء یتحرك فقلت ما فعل الله بك ؟فقال غفرلی واکرمنی فقلت ماهذاالذی فی کمك؟ قال قدم علینا البارحة روح احمدبن حنبل فنثر علیه الدر والیاقوت فهذا مما التقطت قلت ما فعل یحییٰ بن معین واحمد بن محمد ؟ قال ترکتهما وقد زارا رب العالمین ووضعت لهما الموائد قلت فلم لم تاکل معهما انت ؟ قال قد عرف هو ان الطعام علی فاباحنی النظر الی وجهه الکریم .(وفیات الاعیان ج ا ص ۴۱)

ابراہیم حربی نے کہا، کہ میں نے مسجد رصافہ کے دروازے پر بشر بن حارث حافی کو خواب میں دیکھا، ان کی آستین میں کوئی چیز تھی، جو

حرکت کر رہی تھی، میں نے ان سے کہا، اللہ تعالیٰ نے آپ کے ساتھ کیا معاملہ کیا؟ تو انہوں نے فرمایا، کہ اللہ تعالیٰ نے میری مغفرت فرمائی اور مجھے نوازا، تو میں نے کہا، آپ کی آستین میں یہ کیا ہے؟ تو آپ نے فرمایا، کہ گزشتہ رات ہمارے پاس احمد بن حنبل کی روح آئی، اس پر در وجواہر نچھاور کیے گئے، تو انہیں میں سے چنے ہوئے کچھ موتی ہیں، میں نے کہا، یحییٰ بن معین اور احمد بن حنبل کے ساتھ کیا کیا گیا؟ انہوں نے کہا، میں نے ان دونوں کو اس حال میں چھوڑا ہے کہ وہ دونوں رب العالمین کی زیارت کر رہے تھے، ان کے لیے دستر خوان بچھایا گیا، میں نے کہا، آپ نے ان دونوں کے ساتھ کھانے میں شرکت کیوں نہیں کی؟ انہوں نے کہا، اس نے کھانے کو مجھ پر ہلکا سمجھا، پس اس نے اپنے وجہ کریم کی زیارت میرے لیے مباح کردی۔

ابوالفرح ہندبائی کہتے ہیں:

کنت ازور قبر احمد بن حنبل فترکته مدة فرایت فی المنام قائلا یقول لی لم ترکت

زیارة قبر امام السنة؟ (تاریخ بغداد ج ۴ ص ۴۱۷)

میں احمد بن حنبل کے مزار کی زیارت کیا کرتا تھا، تو میں نے کچھ دنوں کے لیے زیارت کو ترک کر دیا، میں نے خواب میں دیکھا، کہ کوئی کہنے والا کہہ رہا ہے، تم نے کیوں امام السنۃ کی قبر کی زیارت ترک کردی؟

ابوبکر مروزی کا بیان ہے:

رایت احمد بن حنبل فی النوم کانه فی روضة وعلیه حلتان خضراوان وعلی راسه تاج من النور واذا هو یمشی مشیة لم اکن اعرفها فقلت یا احمد ما هذه

المشية التي لم اكن اعرفها لك؟ فقال هذه مشية الخدام
في دا رالسلام فقلت ما هذاالتاج الذي اراه على راسك ؟
فقال ان ربي عز وجل اوقفني وحاسبني حسابا يسيرا
وحباني وقربني واباحني النظر اليه وتوجني بهذا التاج
وقال لي يا احمد هذا تاج الوقار توجتك به كما قلت
القرآن كلامي غير مخلوق ۔ (صفۃ الصفوہ ج۲ ص ۵۲۷)

میں نے احمد بن حنبل کو خواب میں دیکھا، کہ آپ ایک باغ میں جلوہ افروز ہیں اور دو سبز جوڑے پہنے ہوئے ہیں اور آپ کے سر پر ایک ایسا تاج ہے، جو بقعہ نور معلوم ہوتا ہے، اور آپ نئی چال سے چل رہے ہیں، میں نے پوچھا، حضرت یہ کیسی چال ہے ؟ فرمایا دارالسلام کے خدام کی چال یہی ہے، میں نے پوچھا، یہ تاج کیسا ہے؟ فرمایا میرے خدا نے مجھ سے بڑا ہی آسان حساب لے کر میری مغفرت فرمائی اور مجھے اپنے دیدار سے ممتاز کر کے فرمایا، اے احمد! یہ وقار کا تاج ہے، جس طرح تو نے صبر واستقامت سے میرے کلام کو غیر مخلوق کہا، اس کا یہ صلہ ہے۔

ابو یوسف بن لحیان کا بیان ہے:

لما مات احمد بن حنبل راى رجل في منامه كان على كل قبر قنديلا فقال ما هذا ؟ فقيل له اما علمت انه نور لاهل القبور قبورهم بنزول هذالرجل بين اظهرهم قد كان فيهم يعذب فرحم ۔ (ایضاً ص ۵۲۷)

جب امام احمد بن حنبل کا انتقال ہوا، ایک شخص نے خواب میں دیکھا، کہ تمام قبروں پر قندیلیں روشن ہیں، اس نے پوچھا، یہ کیا ہے؟ تو اس سے

کہا گیا، کیا تجھے خبر نہیں ہے، کہ امام احمد کے قبرستان میں دفن ہونے کی وجہ سے تمام مردوں کی قبریں روشن کر دی گئی ہیں اور جو لوگ قبروں میں عذاب دیے جا رہے تھے، ان پر رحم کیا گیا ہے۔

ابو علی بن بناء کہتے ہیں:

لما ماتت ام القطيعي دفنها في جوار احمد بن حنبل فراها بعد ليال فقال ما فعل الله بك؟ فقالت يا بني رضي الله عنك فقد دفنتني في جوار رجل تنزل على قبره في كل ليلة او قال في كل ليلة جمعة رحمة تعم جميع اهل المقبرة وانا منهم ۔ (ایضا)

جب قطیعی کی ماں کا انتقال ہوا، تو اسے احمد بن حنبل کی قبر کے جوار میں دفن کیا گیا، چند راتوں کے بعد اس نے اپنی ماں کو خواب میں دیکھا، پوچھا، اللہ نے تیرے ساتھ کیسا معاملہ کیا؟ اس نے جواب دیا، اے میرے بیٹے! اللہ تجھ سے راضی ہو، تو نے مجھے ایسے مرد صالح کے جوار میں دفن کیا، جس کی قبر پر ہر رات یا کہا، ہر شب جمعہ رحمت کا نزول ہوتا ہے اور وہ رحمت تمام قبرستان والوں کے لیے عام ہوتی ہے، انہیں میں میں بھی ہوں۔

یحییٰ الجلاء نے خواب میں دیکھا، کہ جامع مسجد میں احمد بن حنبل کا حلقہ قائم ہے، دوسرے حلقہ میں ابن ابی دواد ہے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دونوں حلقوں کے درمیان کھڑے ہیں، اور آپ یہ آیت ''فَاِنْ یَّکْفُرْ بِهَا هٰٓؤُلَآءِ '' پڑھ رہے ہیں، اور ابن ابی دواد کے حلقہ کی طرف اشارہ کر رہے ہیں، پھر آپ ''فَقَدْ وَكَّلْنَا بِهَا قَوْمًا لَّيْسُوْا بِهَا بِكٰفِرِيْنَ '' پڑھ کر امام احمد بن حنبل اور آپ کے اصحاب کی طرف اشارہ کر رہے ہیں۔ (تاریخ ابن کثیر ج ۱۰ واقعات ۲۴۱ھ)

خراج عقیدت

مزنی کا خیال ہے، کہ دنیا میں پانچ شخص ایسے ہوئے، جنہوں نے پانچ مواقع پر بے نظیر ہمت نفس وقربانی کا ثبوت دیا، ''ابوبکر یوم الردة وعمر یوم الثقیفة وعثمان یوم الدار وعلی یوم الجمل والصفین واحمد یوم المحنة'' حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اہل ردت کے مقابلے میں، حضرت عمر نے بنی ثقیفہ کے موقع پر، حضرت عثمان نے اپنی محصوری کے زمانہ میں، حضرت علی نے جمل وصفین کے موقع پر اور احمد بن حنبل نے خلق قرآن کے مسئلہ میں۔

قتیبہ فرماتے ہیں ''مات سفیان الثوری ومات الورع ومات الشافعی ومات السنن ویموت احمد بن حنبل وتظهر البدع'' سفیان ثوری نے انتقال کیا، تو تقویٰ مر گیا، شافعی نے وفات کی، تو سنت مری اور احمد بن حنبل کی موت کے بعد اصل دین کے مرنے اور بدعت کے شائع ہونے کا خدشہ ہے۔

قتیبہ نے دوسرے مقام پر کہا ''ان احمد بن حنبل قام فی الامة مقام النبوة'' احمد بن حنبل نے اس امت میں نبوت کے فرائض انجام دیے، یعنی اللہ کی راہ میں ایسا صبر کیا، جو نبیوں کا کام تھا۔

ابوعمرو بن النحاس نے ایک دن امام احمد کا ذکر کیا، تو فرمایا ''رحمه الله فی الدین ما کان ابصره وعن الدنیا ما کان اصبره وفی الزهد ما کان اخبره وبالصالحین ما کان الحقه وبالماضین مکانا اشبهه عرضت علیه الدنیا فاباها والبدع فنفاها'' اللہ ان پر رحم کرے، دین پر کیسے ثابت قدم رہے اور ان کے اوصاف صالحین، صحابہ وتابعین سے کتنے ملتے جلتے تھے، دنیا ان کے سامنے پیش کی گئی تو انہوں نے اس سے انکار کیا، اسی طرح دین ایک نئی صورت میں ان کے سامنے پیش کیا گیا تو اسے بھی انہوں نے قبول نہیں کیا اور قدیم واصلی دین پر قائم رہے۔

حضرت بشر بن حارث حافی رحمۃ اللہ علیہ (مشہور ولی) نے امام احمد کے اس

امتحان کے سلسلے میں فرمایا ''ادخل احمد الکیر فخرج ذھبا احمر'' احمد اپنی اس آزمائش میں کھرے نکلے، جس طرح سونا پرکھنے کے بعد کھرا کھوٹا معلوم ہوتا ہے، اسی طرح احمد آزمائش کے بعد خالص سونا ثابت ہوئے۔

علی بن مدینی نے میمون سے کہا:

یامیمون ماقام احمد فی الاسلام ماقام احمد بن حنبل فعجبت من ھذا عجبا شدیدا وذھبت الی ابی عبید القاسم بن سلام فحکیت لہ مقالۃ علی بن المدینی فقال صدق ان ابابکر وجد یوم الردۃ انصارا واعوانا وان احمد بن حنبل لم یکن لہ انصار ولا اعوان ثم اخذ ابو عبید یطری احمد ویقول لست اعلم فی الاسلام مثلہ۔

اے میمون! احمد نے اسلام میں جو خدمت عظیم انجام دی، وہ کسی سے نہ ہوسکی، مجھے اس سے تعجب ہوا اور میں ابوعبید القاسم کے پاس گیا اور اس واقعہ کو بیان کیا، انہوں نے کہا، ابن المدینی نے سچ کہا، حضرت ابوبکر نے تو یوم ردت میں اعوان وانصار پائے، لیکن احمد نے تو ایک بھی مددگار نہ پایا، پھر ابوعبید نے امام احمد کی بہت توصیف کی اور کہا، میں اہل اسلام میں ان سے بڑا کسی کو نہیں سمجھتا۔

اسحاق بن راہویہ فرماتے ہیں، ''احمد حجۃ بین اللہ وبین عبیدہ فی الارض'' احمد بن حنبل اللہ اور بندوں کے درمیان حجت ہیں۔

علی بن مدینی کہتے ہیں ''اذا ابتلیت بشیء فافتانی احمد بن حنبل لم ابال اذا لقیت ربی کیف کان وقال ایضا انی اتخذت احمد حجۃ فیما بینی وبین اللہ عز وجل ثم قال من یقوی علی مایقوی علیہ ابو عبداللہ؟'' جب میں کسی آزمائش میں پڑ جاؤں اور امام احمد بن حنبل مجھے فتویٰ دے دیں اور

جب میں اپنے رب سے ملوں گا تو مجھے کچھ پرواہ نہ ہوگی، کہ وہ کیا کرتا ہے، نیز فرمایا، میں نے اپنے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان حضرت امام احمد کو حجت بنالیا ہے، پھر فرمایا، جس بات کی قوت ابوعبداللہ رکھتے ہیں کون اس کی قوت رکھتا ہے؟

یحییٰ بن معین نے فرمایا، ''کان فی احمد بن حنبل خصال ما رایتها فی عالم قط کان محدثا حافظا وکان عالما وکان ورعا وکان زاهدا وکان عاقلا وقال یحییٰ بن معین ایضا اراد الناس منا ان نکون مثل احمد بن حنبل والله ما نقوی ان نکون مثله ولا نطیق سلوك طریقه'' یحییٰ بن معین نے فرمایا ہے، حضرت امام احمد بن حنبل میں کچھ خصائل ہیں، جنہیں میں نے کبھی کسی عالم میں نہیں دیکھا، آپ محدث، حافظ، عالم، متقی، زاہد اور عاقل تھے، نیز فرمایا، لوگوں نے چاہا، کہ امام احمد بن حنبل کی مانند ہو جائیں، قسم بخدا ہم آپ کے مانند ہونے کی طاقت نہیں رکھتے اور نہ آپ کے طریق پر چلنے کی طاقت رکھتے ہیں۔

ابوبکر بن داؤد نے بیان کیا ہے ''احمد بن حنبل مقدم علی کل من یحمل بیده قلما ومحبرة'' امام احمد بن حنبل اپنے زمانہ میں ہر ایں شخص سے مقدم تھے، جو اپنے ہاتھ میں قلم اور دوات اٹھاتا ہے۔

ابوبکر محمد بن محمد بن رجا کہتے ہیں ''ما رایت مثل احمد بن حنبل ولا رایت من رای مثله'' میں نے امام احمد بن حنبل کا مثل نہیں دیکھا اور نہ اس شخص کو دیکھا، جس نے آپ کا مثل دیکھا ہو۔

یحییٰ بن الذہلی کہتے ہیں، کہ احمد ہمارے اور خدا کے درمیان حجت ہیں۔

ہلال بن المعلیٰ الرقی فرماتے ہیں، کہ اللہ تعالیٰ نے اس امت پر چار آدمی کے ذریعہ بڑا احسان کیا، ایک شافعی سے انہوں نے حدیث رسول کو صحیح طور پر سمجھا، پھر اس کے مجمل، مفسر، خاص، عام، ناسخ، منسوخ کو بتایا اور دوسرے ابوعبید جنہوں نے غریب

احادیث سے آگہی بخشی اور تیسرے یحییٰ بن معین جنہون نے جھوٹی حدیثوں سے قوم کو آگاہ کیا اور چوتھے احمد بن حنبل جو امتحان شدید کے وقت ثابت قدم رہے۔

عبداللہ بن اسحاق مدائنی اپنے والد سے روایت کرتے ہیں "رایت کان الناس قد جمعوا الی مکة و کان الحجر الاسود انصدع فخرج منه لواء فقلت ماهذا؟ فقیل له احمد بن حنبل بایع الله عز وجل" میں نے خواب میں دیکھا، کہ لوگ مکہ میں جمع ہوئے اور حجر اسود شق ہو گیا، تو اس سے ایک جھنڈا برآمد ہوا، میں نے پوچھا، یہ کیا ہے؟ مجھ سے کہا گیا، کہ احمد بن حنبل نے اللہ عزوجل سے بیعت کی

(تاریخ بغداد ج ۴ ص ۴۱۸)

یحییٰ بن محمد العنبری نے کہا، ابوعبداللہ السندی نے امام احمد کی توصیف میں یہ اشعار کہے۔

ان بن حنبل ان سالت امامنا

وبه الائمة فی الانام تمسکوا

خلق النبی محمد بعد الالی

خلعوا الخلائف بعده تهلکوا

حذو الشراك علی الشراك وانما

یحذوا المثال مثاله المتمسك

اگر تو ہمارے امام کے متعلق دریافت کرے، تو وہ احمد بن حنبل ہیں، اور مخلوق میں ائمہ نے آپ ہی سے تمسک کیا ہے۔ آپ ان لوگوں کے بعد حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے جانشین ہیں، جنہوں نے خلفا کی جانشینی کی ہے اور فوت ہو گئے ہیں۔ وہ تسمے پر تسمے کی مانند ہیں اور مثال کی برابری ملتی جلتی مثال ہی کرتی ہے۔

صحیح بخاری میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ہے:

لاتزال طائفة من امتی علی الحق ظاهرین لا یضرهم من خذلهم ولا من خالفهم حتی یاتی امر الله وهم علی ذلك .

(ابن کثیر ج ۱۰ ص ۳۵۱)

میری امت کا ایک گروہ ہمیشہ ہی حق پر غالب رہنے والا ہے، ان کو چھوڑنے والا اور ان کی مخالفت کرنے والا کوئی بھی ان کو نقصان نہیں پہنچائے گا، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کا حکم آجائے اور وہ اسی حالت میں ہوں گے۔

ازواج واولاد

حضرت امام احمد بن حنبل نے پہلی شادی عباسہ بنت فضل سے کی، جن کے بطن سے صالح پیدا ہوئے، تقریباً ۳۰ سال تک یہ نیک سیرت خاتون شرف رفاقت سے بہرہ مند رہیں، بڑی خوشگوار ازدواجی زندگی بسر ہوئی، ان کے انتقال کے بعد ریحانہ سے شادی کی، جو ایک آنکھ کی زخمی تھیں۔

چنانچہ احمد بن عتبہ فرماتے ہیں:

لما مات ام صالح قال احمد لامرأة عندهم اذهبی الی فلانة ابنة عمی فاخطبیها لی من نفسها قال فاتتها فاجابته فلما رجعت الیه قال کانت اختها تسمع کلامك ؟ قال و کانت بعین واحدة ؟ قالت له نعم قال فاذهبی فاخطبی تلك التی بعین واحدة فاتتها فاجابتها وهی ام عبدالله فاقام معها سبعا ثم قالت له کیف رایت یا ابن عم انکرت شیئا ؟ قال لا الا ان نعلك هذه تصر . (صفۃ الصفوۃ ج ۲ ص ۵۱۹)

جب ام صالح کا انتقال ہوا، تو اپنی قوم کی ایک عورت سے کہا، میرے چچا کی فلاں بیٹی کے پاس جاؤ اور اس کو میرا پیغام نکاح دو، راوی کا

بیان ہے، کہ اس نے پیغام دیا، تو اس عورت نے قبول کرلیا، جب ان کے پاس واپس ہوئی، آپ نے فرمایا، کیا اس کی بہن تیری بات سن رہی تھی؟ پوچھا، کیا وہ ایک آنکھ کی ہے؟ پیغام رساں نے آپ سے کہا، ہاں! کہا، تو جا! اور ایک آنکھ والی لڑکی کو پیغام دے، وہ آئی، تو اس نے ایک آنکھ والی لڑکی کو پیغام دیا، اس نے آپ کا پیغام قبول کرلیا، اور وہ عبداللہ کی ماں ریحانہ تھیں، تو وہ سات روز تک ان کے پاس رہیں، پھر پوچھا، اے ابن عم آپ نے مجھ کو کیسا پایا؟ کیا کوئی چیز آپ کو ناگوار گزری؟ فرمایا نہیں! مگر یہ کہ تو ثابت قدم رہے۔

دوسری بیوی سے ۲۱۳ھ میں عبداللہ پیدا ہوئے، جو صالح سے ۱۰ رسال چھوٹے تھے، ریحانہ کے انتقال کے بعد امام صاحب نے ایک حسن نامی باندی خریدی جس کے بطن سے صاحب زادی ام علی تولد ہوئیں، اس کے بعد حسن وحسین دو بچے ایک ساتھ (توامین) پیدا ہوئے، جو جلد ہی انتقال کر گئے، پھر حسن، محمد اور سعید پیدا ہوئے، مرض الموت میں آپ کے دونوں چھوٹے بچے پاس لائے گئے سر پر دست شفقت پھیرا، دعا دی، اور فرمایا، بڑھاپے میں ان سے کیا فائدہ حاصل کروں گا؟ لوگوں نے کہا، یہ آپ کے بعد دعائے خیر کریں گے، فرمایا، جب تو ٹھیک ہے۔

عظمت کردار

امام احمد کی معیشت

امام احمد کی زندگی فقر و فاقہ، غربت و فلاکت سے عبارت تھی، انہوں نے کبھی بھی فراغت اور بے فکری کی زندگی بسر نہیں کی، وہ بھوکے رہنے کو ایسی مالداری پر ترجیح دیتے تھے، جس میں یہ امتیاز نہ ہو کہ یہ حلال خالص ہے یا کسی کے عطیے کا رہین منت۔

آپ کو وراثت میں ایک مکان اور کپڑے کی چھپائی کا کارخانہ ملا تھا، مکان کے سامنے زمین تھی، جس پر آپ کاشت کیا کرتے تھے، زمین کی پیداوار اور کارخانے کے کرایہ پر ہی پوری زندگی تنگ دستی میں گزاردی۔

ابن کثیر لکھتے ہیں:

وکانت غلته من ملك له في كل شهر سبعة عشر درهما ينفقها علي عياله ويتقنع بذلك رحمه الله صابرا محتسبا۔

(ابن حنبل ص ۵۹)

امام احمد کو اپنی جائداد کے کرایہ سے جو آمدنی ہوتی تھی، وہ سترہ درہم ماہوار تھی، جسے وہ اپنے اہل وعیال پر صرف کرتے تھے، اور اس پر قناعت کرتے ہوئے صبر و شکر کے ساتھ زندگی بسر کرتے تھے۔

کوئی شبہ نہیں کہ یہ آمدنی بہت کم تھی، ان کی آمدنی اتنی ہی تھی، کہ اگر ان میں محنت، مشقت کرکے روزی کمانے کا حوصلہ نہ ہوتا اور اگر ان کے پاس صبر و قناعت کی دولت نہ ہوتی تو ضروریات زندگی کا پورا ہونا بھی مشکل تھا، انہیں صرف ایک بات کی حرص تھی، کہ ان کی آمدنی کا وسیلہ غیر مشکوک اور حلال ہو اور یہ آبائی جائداد بھی جو ان کے

رزق محدود کا سبب تھی، اس لیے قبول کر لی تھی، کہ اس میں غیر حلال کا کوئی شائبہ نہیں تھا، اگر کوئی مدعی سامنے آتا تو اس سے بھی دست بردار ہو جاتے۔

ابن جوزی لکھتے ہیں:

سال رجل احمد بن حنبل عن العقار الذی کان یشغله ویسکن دارا منه کیف سبیله عنه قال له هذا شیٔ قد ورثته عن ابی فان جاء نی رجل فصح انه له خرجت عنه ودفعته الیه ۔ (ابن حنبل ص ۵۹)

ایک آدمی نے امام احمد سے اس جائداد کے بارے میں جس کے کرایہ پر ان کا مدار معاش تھا اور اس مکان کے بارے میں جہاں وہ بود و باش رکھتے تھے، دریافت کیا، انہوں نے جواب دیا، یہ وہ چیز ہے، جو مجھے اپنے والد سے ورثہ میں ملی ہے، اگر میرے پاس کوئی شخص آئے اور ثابت کر دے، کہ یہ اس کی ہے تو بے تامل میں اسے سونپ دوں۔

جب فلاکت حد سے زیادہ بڑھ جاتی تو پارچہ بافوں کے یہاں مزدوری کرتے، ادریس حداد کا بیان ہے:

کان احمد بن حنبل اذا ضاق به الامر اجر نفسه من الحاکة فسوی لهم ۔

امام احمد بن حنبل کو جب تنگ دستی ہو جاتی تو پارچہ بافوں کے یہاں مزدوری کر کے ان کے کام کرتے تھے۔

اگر سفر میں ہوتے اور فقر و فاقہ کی نوبت آتی، تو محنت و مزدوری سے کام چلاتے، ان کے لیے یہ بات نا قابل برداشت تھی، کہ وہ مشکلات میں کسی کے تعاون اور عطیہ کے رہین منت ہوں، وہ اپنے جسم کو تکلیف پہنچانا گوارہ کر لیتے تھے، لیکن اپنی عزت نفس کو مجروح نہیں ہونے دیتے تھے۔

ایسا بھی ہوا ہے، کہ حالات نے زیادہ نازک صورت اختیار کر لی، فاقہ کشی کی حالت پیدا ہوگئی پھر بھی دوسروں کے عطیے انہوں نے رد کر دیے، کہ کسی کا ممنون کرم بننا زیادہ تکلیف دہ ہے بنسبت فقر و فاقہ کی زندگی بسر کرنے کے، چنانچہ وہ شدت و عسرت کو قبول کر لیتے تھے اور تحائف و عطایا کے قبول کرنے سے انکار کر دیتے تھے، سدرمق، قوت لایموت اور اہل و عیال کی حاجت برآری کے لیے مندرجہ ذیل تین طریقوں میں سے ایک پر عمل کرتے تھے۔

اول:۔ کھیتی باڑی کے بعد کوڑا کرکٹ سمجھ کر جو کچھ چھوڑ دیا جاتا تھا، جو مباح کے حکم میں ہوتا ہے، اسے چن لیتے تھے اور اس سے اپنی ضروریات پوری کرتے تھے، چنانچہ بارہا ایسا ہوا ہے، کہ یہ عالم جلیل اور محدث بے بدیل رسی کاندھے پر رکھے ہوئے جارہا ہے اور کھیت کی بچی کھچی گری پڑی چیزیں جن پر کسی کا دعویٰ نہیں ہوتا، چن چن کر لا رہا ہے، امام احمد اس بات کا بہت خیال رکھتے تھے، کہ کسی کی زمین پر بغیر اس کی اجازت کے قدم نہ رکھیں، نہ کسی کے کھیت کو پامال اور خراب کریں چنانچہ ان سے روایت ہے:

خرجت الی الثغر علی قدمی فالتقطنا قد رایت قوما یفسدون مزارع الناس لا ینبغی لاحد ان یدخل مزرعة رجل الا باذنه ۔(مناقب لابن الجوزی ص ۲۹۰)

میں پا پیادہ ایک سرحد پر گیا، پھر ہم بچی کھچی چیزیں چننے لگے، میں نے بہت سے لوگوں کو دیکھا، جو دوسروں کے کھیت کھلیان خراب کر رہے تھے، کسی شخص کے لیے یہ جائز نہیں ہے، کہ وہ کسی دوسرے کے کھیت میں بغیر اس کی اجازت کے قدم رکھے۔

دوم:۔ اور یہ کام بھی وہ اس وقت کرتے تھے، جب محنت مزدوری کے لیے کوئی کام نہیں ملتا تھا، اگر کوئی مشقت کا کام مل جاتا تھا، تو پھر وہ اسی کو ترجیح دیتے تھے، کہ کام کریں اور روزی پیدا کریں، یہ حلال معیشت کا دوسرا طریقہ تھا، انہیں کسی طرح کا کام

کرنے سے عار نہیں تھا، چاہے وہ کسی نوعیت اور کسی قسم کا کیوں نہ ہو؟ بشرطیکہ وہ لوگوں کے لیے نفع بخش ہو اور ان کی اپنی ضرورت پوری ہو جاتی ہو۔

محنت مزدوری کے علاوہ اجرت پر لکھنے پڑھنے کا کام بھی کیا کرتے تھے۔ علی بن الجہم کہتے ہیں، ہمارا ایک پڑوسی تھا، جو ہمارے پاس ایک خط لایا اور پوچھا، کیا تم اس سواد خط کو پہچانتے ہو؟ ہم نے کہا، یہ تو احمد بن حنبل کا خط ہے، تمہیں انہوں نے کیوں لکھا تھا، کہنے لگا، ہم مکہ میں سفیان بن عیینہ کے یہاں مقیم تھے، احمد بھی ہمارے ساتھ تھے، ایک مرتبہ کئی دنوں تک وہ لاپتہ رہے، آخر ایک دن خود ہی ان کے یہاں آئے تو دروازہ بند تھا، میں نے پوچھا، کیا بات ہے، کیوں غائب رہے؟ کہنے لگے، میرے کپڑے چوری ہو گئے ہیں، میں نے کہا، میرے پاس کافی دینار ہیں، چاہے یوں ہی لے لو، خواہ قرض کے طور پر، لیکن انہوں نے نہ یونہی لینا پسند کیا، نہ قرض کے طور پر، تو میں نے کہا، اجرت پر میرے لیے کچھ لکھ دو؟ اس پر راضی ہو گئے، میں نے انہیں ایک دینار دیا، کہنے لگے، میرے لیے اس رقم کا کپڑا خرید لاؤ اور اس کے دو ٹکڑے کر دو، ایک تہہ بند ایک چادر اور ایک ورق کاغذ لاؤ میں نے تعمیل کی، تو انہوں نے یہ خط لکھ دیا۔ (مناقب لابن الجوزی ص ۲۹۵)

کسب معاش کے لیے کبھی وہ کپڑا بنتے تھے:

وکان ینسج احیانا ویبیع ماینسجه ویاکل منه ۔ (ابن حنبل ص ۶۰)

اسحاق بن راہویہ کہتے ہیں، کہ میں اور احمد بن حنبل یمن میں عبدالرزاق کے ساتھ ساتھ تھے، میں مکان کے بالائی حصہ میں رہتا تھا اور احمد نچلے حصہ میں، وہاں سے کوچ کیا، تو معلوم ہوا، کہ احمد کا زادراہ ختم ہو چکا ہے، میں نے کچھ رقم پیش کی، انہوں نے اسے قبول نہیں کیا، میں نے کہا، چاہے قرض لے لیجیے، خواہ یوں ہی، لیکن انہوں نے اس سے بھی انکار کیا، پھر میں نے دیکھا، کہ وہ بیٹھے سوت کات رہے ہیں، پھر اسے جا کر بیچ آئے اور اپنا کام چلایا۔ (ایضا)

علم و فضل کا مینارہ نور کسب حلال کے لیے کسی بھی کام میں ہتک محسوس نہیں

کرتا، بشرطیکہ کام کی نوعیت جائز اور حلال ہو، حیات انسانی کا یہی قانون سربلندی کا ضامن ہے، وہ نزاہت نفس کو ہمیشہ مدنظر رکھتے تھے اور اس اصول پر سختی سے کاربند تھے، کہ وہ کوئی ایسا مال نہیں لیں گے، جو حلال نہ ہو، انسان کا شرف ذاتی اس کے نفس کی نزاہت پر مبنی ہوتا ہے۔

سوم:۔ کبھی شدید ضرورت کے وقت قرض بھی اس صورت میں لے لیا کرتے تھے، کہ انہیں اس بات کا یقین ہو، کہ اس کی ادائیگی جلد ممکن ہو سکے گی اور یہ بھی اعتماد ہو، کہ قرض دینے والا عطیہ نہیں، بلکہ قرض دے رہا ہے، اس لیے حالت سفر میں کبھی قرض نہیں لیتے، کیوں کہ سفر میں اس کی ادائیگی کے امکانات یقینی نہیں ہوتے۔

ایک مرتبہ امام صاحب نے اپنے ہم عصر سے دو تین سو درہم قرض لیے، جن کے مال کے بارے میں یہ بات طے تھی، کہ وہ مال حلال ہے، کچھ عرصہ کے بعد وہ یہ رقم واپس دینے کے لیے اس کے پاس گئے، اس نے کہا:

یا ابا عبداللہ ما دفعتها وانا انوی ان اخذها منك فقال وانا ما اخذتها الا وانا انوی ان اردها علیك .

اے ابو عبداللہ! میں نے جب یہ رقم تمہیں دی تھی، تو یہ نیت کر لی تھی، کہ واپس نہیں لوں گا، امام احمد نے جواب دیا، میں نے جب یہ رقم لی تھی، تو نیت کر لی تھی، کہ اسے ضرور واپس کر کے رہوں گا۔

(حلیۃ الاولیاء ج ۹ ص ۱۷۵ مناقب لابن الجوزی ص ۲۹۷)

روایت ہے، کہ ایک مرتبہ ایک قرض کے سلسلہ میں انہوں نے سونے کی کوئی چیز رہن رکھ دی، جب ان کے پاس روپے کا بندوبست ہو گیا، تو وہ دائن کے پاس گئے، کہ اسے رقم دے کر اپنی چیز واپس لے لیں، دائن جب رہن شدہ چیز واپس دینے لگا تو اسے کچھ شبہ پیدا ہو گیا، کیوں کہ اس کے پاس ویسی ہی ایک اور چیز بھی رہن تھی، اس نے دونوں چیزیں امام احمد کی طرف بڑھا دیں، اور کہا، ان میں سے جو آپ کی ہو لے لیجیے،

لیکن امام احمد کی حد درجہ احتیاط پسندی کا یہ عالم تھا، کہ انہوں نے دونوں چیزیں واپس کر دیں اور کچھ نہیں لیا، یعنی انہوں نے اپنے ایک جائز حق سے دست بردار ہونا اور نقصان اٹھانا گوارا کر لیا لیکن مشکوک و مشتبہ چیز لینا گوارہ نہ کیا اور قرض ادا کر کے چلے آئے۔ (ابن حنبل ص ۶۱)

خلفا کے ہدایا سے انکار

امام احمد اپنی غیور طبیعت اور زاہدانہ استغنا کی وجہ سے عوام تو عوام اہل صفا بزرگوں کے ہدیوں اور اعانتوں کو قبول کرنے سے ہمیشہ محترز رہے، وہ اپنی موروثی ملکیت کی قلیل آمدنی اور بسا اوقات محنت و مزدوری سے حاصل کی ہوئی رقم پر قناعت و توکل کی سادہ و بے تکلف زندگی کو عیش و تنعم کی فراوانی پر ہمیشہ ترجیح دیتے رہے، ان کا مسلک تقویٰ یہ تھا، کہ ضروریات زندگی کی تکمیل کسب حلال سے کی جائے، حرام و ناجائز مال تو در کنار مشتبہ اور مشکوک مال کی ذرا سی آمیزش بھی ان کی شان زہد و اتقا کے منافی تھی، وہ بڑی سختی کے ساتھ اس بات کا لحاظ رکھتے، کہ کوئی ایسا مال اپنے ہاتھ میں نہ آنے دیں، جس کی حلت مشکوک ہو یا اس میں ذرا بھی خبث اور حرمت کا شائبہ ہو۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان کو ایسی غیرت و خودداری عطا فرمائی تھی، کہ وہ کسی بھی حال میں کسی کی داد و دہش کا احسان مند ہونا گوارہ نہ کرتے تھے، خواہ وہ اساتذہ ہوں یا شاگرد یا عوام میں سے کوئی ہو۔

صالح بن احمد کا بیان ہے، کہ بغداد کے ایک صراف کا لڑکا والد کی مجلس درس میں شریک ہوتا تھا، ایک دن آپ نے اس کو ایک درہم کاغذ خریدنے کے لیے دیا، اس نے کاغذ خرید کر اس میں پانچ سو دینار لپیٹ کر پیش کر دیے، آپ نے گھر والوں سے کاغذ کے بارے میں دریافت کیا، تو بتایا گیا، کہ کوئی بیاض آئی ہے، جب آپ نے اس کو کھولا تو دینار نظر آئے، آپ نے لڑکے کے سامنے کاغذ اور تمام دینار رکھ کر کہا، کہ ان کو لے جاؤ، جوان کہتا رہا، کہ کاغذ تو آپ کی رقم سے خریدا گیا ہے، مگر آپ نے اسے بھی لینے سے انکار

کر دیا۔ (ابن عساکر ج ۲ص ۳۸/۳۹)

امام صاحب خوشحالی کی زندگی پر فقر و فاقہ کی زندگی کو ترجیح دیتے تھے، اسی لیے اپنی قلیل معیشت ہی پر اکتفا کرتے، زاہدوں کا یہی شعار اور عابدوں کا یہی کردار ہوتا ہے۔

رمادی کہتے ہیں، میں نے عبدالرزاق کو سنا، انہوں نے احمد بن حنبل کا ذکر کیا، تو آنکھیں چھلک پڑیں، فرمایا، احمد میرے یہاں آئے، مجھے معلوم ہوا، کہ ان کا توشہ ختم ہو چکا ہے، تو میں نے دس دینار لیے اور دروازے کے پیچھے ان کو کھڑا کیا، جب میرے اور ان کے علاوہ کوئی اور نہ رہا، تو میں نے کہا، میرے پاس دینار اکٹھا نہیں ہوتے، اس وقت میں نے عورتوں کے پاس یہ دینار پائے ہیں، تو انہیں آپ لے لیں، مجھے امید ہے، کہ ہمارے پاس کچھ جمع ہونے تک یہ خرچ نہ ہوگا، احمد مسکرائے اور کہا" یا ابابکر لو قبلت شیئا من الناس قبلت منك" اے ابوبکر! اگر میں لوگوں سے کچھ قبول کرتا تو آپ سے بھی یہ ہدیہ قبول کر لیتا اور انہوں نے قبول نہ کیا۔ (صفۃ الصفوۃ ج ۲ص ۵۱۹)

علما سے قبول نذر میں جب یہ احتیاط تھی، تو وہ خلفا اور امرا کی اعانتوں کو کیسے قبول کر لیتے؟ امام صاحب اگر دوسرے علما و مشائخ کی طرح سلطانی ہدیے قبول کر لیتے تو کوئی گناہ نہ تھا، کیوں کہ بیت المال کا مصرف مصالح امت ہے، حضرت امام نے اپنی پوری زندگی تحصیل و اشاعت علم میں بسر کی، مصالح دینی میں علما و مشائخ کی اعانت بھی شامل ہے۔

امام صاحب کی زندگی کا ایک روشن باب یہ بھی ہے، کہ انہوں نے خلفا کا دیا ہوا کوئی منصب اور ان کا بخشا ہوا کوئی عطیہ قبول نہیں کیا، بلکہ اس مسلک پر ان کی سختی کا عالم یہ تھا، کہ وہ ایسے لوگوں کا مال قبول کرنے سے بھی انکار کرتے تھے، جنہوں نے کبھی اور کسی وقت بھی سلطان وقت کے مال سے فائدہ اٹھایا ہو۔

امام احمد ان شاہی عطیوں کو بھی قبول نہیں کرتے تھے، جو ان کی ذات سے مخصوص

نہیں ہوتے، بلکہ اپنی نوعیت کے اعتبار سے عام ہوتے تھے۔

مامون الرشید نے اس زمانہ میں جب وہ علما و مشائخ سے بیزار نہیں ہوا تھا، ایک خطیر رقم ایک بزرگ کے پاس بھیجی کہ وہ اسے علماے حدیث کے درمیان تقسیم کر دیں، اس طرح ان کی مدد معاش ہو جائے، چنانچہ تمام ضرورت مند علما نے حسب ضرورت روپے لے لیے، صرف امام احمد بن حنبل نے لینے سے صاف انکار کر دیا۔

(حلیۃ الاولیاء ج۹ ص۱۸۱)

مامون کے آخر دور سے عہد معتصم تک امام صاحب کو قید و بند اور کوڑوں کی مار کی شدتیں جھلینی پڑیں، واثق باللہ کے زمانہ میں بھی تقریباً نظر بندی کی زندگی گزاری، مگر متوکل کا زمانہ آیا، تو ان کی ہر قسم کی جسمانی آزمائشوں کا دور ختم ہو گیا، متوکل آپ کا عقیدت کیش بن گیا اور اس نے انعام و اکرام کی بارش کرنی چاہی، قدموں کے نیچے درہم و دینار کا ڈھیر لگانا چاہا، لیکن امام صاحب نے اصرار کے باوجود ہمیشہ انکار کیا، انہوں نے ایک آن کے لیے بھی شاہی رقوم کو اپنے ہاتھ میں لے کر حاجت مندوں میں تقسیم کرنا بھی گوارہ نہیں کیا، ان کا خیال تھا، کہ یہ عمل بھی اہل نزاہت کے لیے جائز نہیں، کبھی دراندازوں کے دفع شر کے لیے ایسی رقم رد نہیں فرمائی، تو اسے ہاتھ بھی نہیں لگایا اور بالا ہی بالا غریبوں اور محتاجوں میں تقسیم کرا دی۔

جب متوکل کی نظر میں امام صاحب کی عزیمت مآب شخصیت کا وقار قائم ہو گیا، تو انہوں نے خلیفہ کی طرف اہل حاجت میں تقسیم کے لیے آنے والی رقموں کو بھی اپنی معرفت تقسیم کرنے سے انکار کر دیا، چنانچہ ایک مرتبہ متوکل نے ایک ہزار دینار ان کی خدمت میں بھیجے تاکہ اس رقم کو وہ ضرورت مندوں میں تقسیم کر دیں، تو انہوں نے فرمایا:

انا فی البیت منقطع عن الناس وقد اعطانی امیر المومنین بما اکرہ وھذا ما اکرہ۔ (ابن حنبل ص۶۴)

میں اپنے گھر میں لوگوں سے منقطع ہو کر بیٹھ گیا ہوں اور امیر المومنین

نے مجھے اجازت دے رکھی ہے، جو بات مجھے اچھی نہ لگے وہ نہ کروں
اور اس رقم کو قبول کرنا میں ناپسند کرتا ہوں۔

زہد و اتقا کا پیکر جمیل اس مال میں بھی ہاتھ لگانا گوارہ نہ کرتا تھا، جس میں شاہی عطیوں کی آمیزش ہوتی، امام صاحب کے بعض فرزند اور قرابت دار سرکاری وظائف قبول کرلیا کرتے تھے، امام صاحب نے انہیں باز رکھنے کی کوشش کی، لیکن وہ نہ مانے امام صاحب ان سے فرمایا کرتے تھے:

لم تاخذونه والثغور معطلة غير مشحونة والفيء غير مقسوم بين اهله ۔(ایضا)

تم یہ مال کیوں لیتے ہو، جب کہ سرحدیں معطل اور غیر آباد ہیں اور فے مستحق لوگوں میں تقسیم نہیں ہو پاتی۔

ان حضرات نے شاہی ہدایا اور وظائف لینے سے احتراز نہ کیا، تو امام صاحب نے ان سے راہ و رسم منقطع کرلی، حتی کہ ان کے تنور میں جو روٹی پک کر آتی تھی، اسے بھی ہاتھ نہ لگاتے تھے، ایک مرتبہ انہیں معلوم ہوا، کہ دسترخوان پر جو روٹی رکھی گئی ہے، ان کے ایک صاحبزادے کے تنور سے پک کر آئی ہے، جو شاہی ہدیہ قبول کرتے ہیں، تو انہوں نے اس کے کھانے سے انکار کردیا۔

امام صاحب کے طرز عمل سے ایسا محسوس ہوتا ہے، کہ وہ شاہی ہدایا کو حرام سمجھتے تھے، ایسی بات نہیں، بلکہ وہ اسے مشکوک سمجھتے تھے، لیکن امام صاحب کے لیے مشکوک و مشتبہ مال قبول کرنا نزاہت نفس کے منافی تھا، وہ اسی مال کو تصرف میں لانا گوارہ کرتے تھے، جس میں حرمت کا شائبہ تک نہ ہو ایک موقع پر آپ نے اپنے فرزند سے خلفا کے ہدیوں کے بارے میں فرمایا:

يا بني ليس هو عندي بحرام ولكني تنزهت عنه ۔(ایضاص ۶۵)

بیٹے میں خلیفہ کے عطیہ کو حرام نہیں سمجھتا لیکن اسے قبول کرنا نزاہت نفس کے

خلاف سمجھتا ہوں۔

امام احمد کسی حال میں کسی کا ممنون احسان ہونا گوارہ نہ کرتے تھے، ان کے بیٹے عبداللہ کہتے ہیں:

كنت اسمع ابى كثيرا يقول فى دبر الصلاة اللهم كما صنت وجهى عن السجود لغيرك صنه عن المسالة لغيرك . (صفۃ الصفوۃ ج۲ ص ۵۲۳)

میں اپنے والد کو اکثر نماز کے بعد یہ دعا کرتے ہوئے سنتا، اے اللہ! جس طرح تو نے میرے چہرے کو اپنے غیر کے سجدہ کرنے سے محفوظ رکھا تو اسے غیر کے سامنے سوال کرنے سے بھی محفوظ رکھ۔

صبر و تحمل

امام احمد کی ذات میں خداوند تعالیٰ نے صبر و تحمل اور قوت برداشت کا ایسا بے نظیر ملکہ ودیعت کیا تھا، جس کی مثال صدیوں میں کبھی کبھی نظر آتی ہے، یہ وصف تھا، جو امام احمد کی زندگی اور ان کے تجدیدی کارناموں کی اساس و بنیاد تھا اور اسی کے گرد ان کے مکارم اخلاق کی گردش تھی اور یہ صفت مبنی تھی، قوت ارادی، صدق و عزیمت اور عالی ہمتی پر جس کے باعث انہوں نے اپنے جسم ناتواں کو آماجگاہ مصائب بنانے سے کبھی گریز نہیں کیا اور یہ صفت ان کی عادت ثانیہ بن گئی تھی، جس نے ان کی طبیعت میں فقر، جود و سخا، عفت و عصمت، اذیتوں کے برداشت کا حوصلہ اور عفو و درگزر کا مادہ پیدا کر دیا تھا، یہی چیز تھی، جس نے تنگ حالی کے باوجود طلب علم کی راہ میں صحرا، وادی، میدان اور نشیب و فراز کی نہ جانے کتنی منزلیں طے کرنے کی قوت و ہمت پیدا کر دی تھی، سواری نہ ہونے کی صورت میں پاپیادہ سفر کرتے، طلب حدیث کے سلسلے میں بعض مقامات کے سفر کئی بار کیے، راستے میں فاقوں کی نوبت آئی تو سد رمق کے لیے حمالی کا کام کیا کرتے۔

ابتلا و آزمائش کا دور آیا، تو مامون سے لے کر متوکل تک آزمائشوں کی آماجگاہ بنے رہے، طوق وسلاسل، سجن وزنداں، کوڑوں کی ضرب پوری ثبات قدمی کے ساتھ برداشت کرتے تھے اور ایک مومن کی شان کے ساتھ تمام دکھوں اور تکلیفوں کا سامنا کرتے تھے، دست ظلم شل ہو گیا، لیکن صبر واستقامت کی یہ چٹان اپنی جگہ پر مستقیم رہی، انہوں نے مصائب کے طوفان جھیل لیے، مگر قرآن کے مخلوق ہونے کا اقرار نہیں کیا، ابتلا و آزمائش کی سختیاں ختم ہوئیں اور آپ کی عزیمت مآب علمی شخصیت کا اعتراف ایوان خلافت میں کیا جانے لگا، خلیفہ متوکل ماضی کے مظالم کی تلافی، انعام واکرام اور اعزاز واحترام سے کرنا چاہتا تھا، قدموں میں زروجواہر کے ڈھیر اور عطایا وتحائف کی بارش ہونے لگی، امام احمد کی معیشت اور اولاد واحفاد کی حاجتمندی متقاضی تھی، کہ دولت دنیا سے کھل کر فائدہ حاصل کیا جائے، لیکن امام صاحب نے اپنی قوت ارادی، صدق وعزیمت کی بدولت پہلے سے بھی زیادہ کٹھن دور ابتلا کو برداشت کر لیا، اپنی نزاہت نفس کی خاطر ہر عطیہ انہوں نے نہایت سیر چشمی کے ساتھ واپس کر دیا، انہوں نے اپنے آپ کو صرف آستانہ الٰہی کا گدا بنائے رکھا اور بندگان خدا کے مال وزر سے ہرگز سروکار نہ رکھا، ان کا یہ جہاد پہلے جہاد سے کسی طرح کم نہ تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث پر عمل پیرا رہے "الید العلیا خیر من الید السفلی"۔ (اتحاف السھرۃ ج ۳ ص ۳۲۲)

امام صاحب کا صبر صبر جمیل تھا، یہ ایسا صبر ہے، جو شکوہ وشکایت، صدمہ وقلق، رنج والم کے اظہار سے یکسر خالی ہے، ان پر مصائب کے پہاڑ ٹوٹے، لیکن نہ انہوں نے کبھی زبان کو حرف شکایت سے آلودہ کیا، نہ انہوں نے بے قراری وبے تابی ظاہر کی، بڑی ثابت قدمی کے ساتھ ہر مصیبت جھیلی، نہ طیش وغضب، نہ التجائے رحم وکرم اور نہ ظالم کے لیے ہلاکت کی دعا۔

آزمائش کے موقع پر ان سے کہا گیا، کہ ظالم کے لیے ہلاکت کی دعا کیجیے، تو فرمایا "لیس بصابر من دعا علی ظالم" وہ شخص صابر نہیں، جو ظالم کے لیے بددعا

کرے۔ (مناقب لابن الجوزی ص ۳۱۴)

بغوی کہتے ہیں، ابوعبداللہ احمد بن حنبل کو ۲۲۸ھ کے اوائل میں سنا، وہ حضرت معاویہ کی سند سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث بیان کر رہے تھے، سرکار نے فرمایا ''لم یبق من الدنیا الا بلاء وفتنة فاعدوا للبلاء صبرا'' دنیا میں فتنہ و بلا کے سوا کچھ باقی نہیں رہا، تو تم بلائیں جھیلنے کے لیے تیار رہو۔

امام احمد نے حدیث بیان کرنے کے بعد فرمایا ''اللھم رضینا اللھم رضینا''
(مناقب لابن الجوزی ص ۳۲۹)

توکل علی اللہ

امام احمد کی قوت صبر کا راز یہ تھا، کہ وہ اللہ ہی پر بھروسہ کرتے تھے، اس عقیدے نے انہیں تمام آلام وشدائد کو خندہ پیشانی کے ساتھ جھیلنے کا حوصلہ عطا کیا، اللہ پر اعتماد کلی ان کے دل میں راسخ ہو چکا تھا، لہٰذا ہر چیز آسان ہوگئی، شدائد ومصائب بھی آسان ہو گئے، آفات ونوائب بھی سہل معلوم ہونے لگے، زندگی کی زینت ہیچ معلوم ہونے لگی، اس کے مفاخر نظر سے گر گئے، متاع قلیل پر راضی ہو گئے۔

بیہقی کا بیان ہے، کہ آپ سے توکل کی تعریف پوچھی گئی، تو آپ نے فرمایا، جو غیر اللہ سے ہر قسم کی توقعات کو منقطع کر دے، آپ سے پوچھا گیا، اس پر کوئی دلیل بھی ہے؟ آپ نے فرمایا، ہاں! حضرت ابراہیم جب منجنیق سے آگ کی طرف پھینکے گئے تو جبرئیل نے زمین وآسمان کے درمیان آپ سے پوچھا، کہ آپ کو کوئی ضرورت بھی ہے؟ آپ نے فرمایا، ہے، لیکن تم سے نہیں، جبرئیل نے کہا، تو اسی سے کہیے جس سے کہنا چاہتے ہیں، آپ نے فرمایا میرے نزدیک وہ امر پسندیدہ ہے جو خدا کو پسند ہے۔

عفو و درگزر

اللہ پر اعتماد کے عقیدے نے امام احمد کے کردار کو بہت بلند کر دیا تھا اور عفو و درگزر کی بے نظیر صفت ان میں پیدا ہو گئی تھی، وہ ہر ظلم وجور اور اہانت کو برداشت کر لیتے، لیکن

انتقام تو درکنار زبان پر حرف شکایت کبھی نہ لاتے اور اپنے دشمنوں کو ہمیشہ معاف کر دیا کرتے، چنانچہ ایک آدمی نے ان کی غیبت کی، پھر ان کے پاس آ کر عرض گزار ہوا، آپ نے فرمایا، میں تمہیں معاف کرتا ہوں، لیکن اب ایسی حرکت نہ کرنا "انت فی حل ان لم تعد" (ابن حنبل ص ۷۰)

خلق قرآن کے مسئلہ میں امام صاحب پر ظلم و ستم جبر و استبداد کے پہاڑ توڑے گئے، ہر ظلم و ستم کو حق کی راہ میں بڑی پامردی اور صبر کے ساتھ جھیل گئے، نہ رحم کی درخواست کی اور نہ کوڑوں کی ضرب میں اف تک کی، امام صاحب کی سیرت کا یہ کتنا روشن باب ہے، کہ انہوں نے اپنے تمام مخالفین اور اذیت رسانوں کو معاف فرما دیا، وہ کہا کرتے تھے، کہ میرے مارنے والوں کو جو مر چکے ہیں، میں نے معاف کر دیا، میں نے یہ آیت پڑھی، "فَمَنْ عَفَا وَاَصْلَحَ فَاَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ" اور اس کی تفسیر دیکھی، تو حسن بصری کا یہ قول ملا، کہ قیامت کے دن تمام امتیں اللہ تعالیٰ کے سامنے لائی جائیں گی اور ندا ہوگی، کہ جس کا اجر اللہ کے ذمہ ہے، کھڑا ہو جائے، اس وقت وہی آدمی کھڑا ہوگا، جس نے دنیا میں عفو و درگزر کیا، اس لیے میں نے اپنے مارنے والوں میں سے جو فوت ہو گئے ہیں، ان کو معاف کر دیا، پھر کہا، کہ اس میں آدمی کا کیا نقصان ہے، کہ اس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کسی کو عذاب سے محفوظ رکھے، معتصم نے جس دن بابل یا عموریہ فتح کیا، امام صاحب نے کہا، کہ اس کو میں نے معاف کر دیا۔

ابن کثیر لکھتے ہیں:

وجعل من آذاه فی حل الا اهل البدعة وكان يتلو فی ذلك قوله تعالىٰ وَلْيَعْفُوْا وَلْيَصْفَحُوْا الآية ويقول ما ذا ينفعك ان يعذب اخوك المسلم بسببك ؟ وقد قال تعالىٰ فمن عفا واصلح فاجره على الله انه لا يحب الظالمين وينادی المنادی يوم القيامة ليقم من اجره

علی اللہ فلا یقوم الا من عفا ۔

وفی صحیح المسلم عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ثلاث اقسم علیھن مانقص مال من صدقۃ وما زاد اللہ عبدا بعفو الا عزا ومن تواضع للہ رفعہ اللہ ۔ (تاریخ ابن کثیر ج ۱۰ ص ۳۴۹)

احمد بن حنبل نے بدعتیوں کے علاوہ ہر اس شخص کو معاف کر دیا، جس نے آپ کو اذیت دی تھی، اور آپ اس آیت کریمہ کی تلاوت کرتے تھے "اور چاہیے کہ وہ معاف کریں اور درگزر کریں" اور وہ کہتے تھے، کہ تیری وجہ سے تیرے مسلم بھائی کو عذاب ہو تو تجھے کیا فائدہ پہنچے گا؟ اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "پس جو معاف کرے اور اصلاح کرے تو اس کا اجر اللہ کے ذمہ ہے، یقیناً وہ ظالموں کو پسند نہیں فرماتا ہے" اور قیامت کے دن منادی ندا کرے گا، جس کا اجر اللہ کے ذمہ ہے، وہ کھڑا ہو جائے، تو صرف معاف کرنے والا ہی کھڑا ہوگا۔

صحیح مسلم میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے، کہ میں تین باتوں پر قسم کھاتا ہوں، صدقہ سے کوئی مال کم نہیں ہوتا اور عفو سے اللہ تعالیٰ عزت میں اضافہ فرماتا ہے اور جو شخص اللہ کے لیے تواضع کرے گا، اللہ تعالیٰ اسے بلند کرے گا۔

زہد و تقویٰ

امام احمد دنیا اور اہل دنیا سے پرہیز کرتے رہے، حرص و ہوا سے ان کا دامن ہمیشہ بے غبار رہا، ان کے صبر و استغنا نے اعتماد و یقین کی ایسی فضا پیدا کر دی تھی، جس میں دنیا سے بے پروائی کے ساتھ زندگی کے لیل و نہار بسر کرتے تھے، انہوں نے قوت لایموت کی حد تک مال دنیا سے سروکار رکھا، جاہ و حشم، کثرت مال کو اپنے قریب پھٹکنے نہیں دیا،

ارباب دنیا سے بے تعلقی ان کا شعار تھا، اس وصف میں اپنے تمام اقران ومعاصرین سے آگے تھے خورد ونوش، لباس اور زندگی کے ہر معاملہ میں سادگی، کفایت شعاری اور زہد وتقویٰ پیش نظر رہتا تھا۔

علی بن مدینی کہتے ہیں:

قال لی احمد بن حنبل انی لاحب ان اصحبك الی مكة وما یمنعنی من ذاك الا انی اخاف ان املك او تملنی قال فلما ودعته قلت یا ابا عبدالله توصینی بشیٔ قال نعم الزم ال تقویٰ قلبك والزم الآخرة امامك ۔ (صفۃ الصفوۃ ج۲ص ۵۱۹)

مجھ سے احمد بن حنبل نے کہا، میں تمہارے ساتھ سفر مکہ کی خواہش ظاہر کرتا ہوں، مجھ کو اس سے کوئی چیز روک نہیں سکتی، مگر میں اندیشہ کرتا ہوں، کہ میں آپ سے بیزار ہو جاؤں، جب میں ان سے جدا ہونے لگا، میں نے کہا، اے ابوعبداللہ! مجھے آپ کوئی وصیت کریں گے؟ انہوں نے کہا، ہاں! دل سے تقویٰ اختیار کرو اور آخرت کو اپنے آگے رکھو!

ابوداؤد سجستانی کہتے ہیں:

کانت مجالسة احمد بن حنبل مجالسة الآخرة لا یذكر فیها شیٔ من امر الدنیا ماراىت احمد بن حنبل ذكر الدنیا قط ۔ (ایضا)

احمد بن حنبل کی مجلسوں میں آخرت کا تذکرہ ہوتا، دنیا کے معاملات ہرگز بیان نہیں ہوتے، میں نے احمد بن حنبل کو کبھی دنیا کا ذکر کرتے ہوئے نہیں سنا۔

امام شافعی کا ارشاد ہے:

خرجت من بغداد وماخلفت بها احدا اتقیٰ ولا اورع ولا

افقه اظنه قال ولا اعلم من احمد بن حنبل ۔

(تاریخ بغداد ج ۴ ص ۴۱۹)

میں بغداد سے نکلا، تو میں نے امام احمد بن حنبل سے بڑھ کر متقی، پرہیز گار، فقیہ کسی کو نہیں چھوڑا اور کہا، امام احمد سے بڑھ کر کوئی عالم نہ تھا۔

ابو حفص عمر بن سلیمان المودب امام احمد کے بارے میں کہتے ہیں، میں نے احمد بن حنبل کے ساتھ تراویح پڑھی، اور ابن عمیر نماز پڑھا رہے تھے، جب وتر پڑھی، تو اپنے ہاتھوں کو سینے تک اٹھایا، میں نے ان سے کوئی دعا نہیں سنی اور نہ مسجد والوں میں سے کسی سے، ان کے زینے پر ایک چراغ تھا، اس میں نہ قندیل تھی، نہ ان کے پاس کوئی چٹائی تھی اور نہ کوئی خوشبو۔ (مناقب لابن الجوزی ص ۳۱۰)

ابو محمد عبداللہ بن عبدالرحمٰن کہتے ہیں:

احمد بن حنبل صبر علی الفقر سبعین سنة (ایضا)

امام احمد نے ستر سال تک فقر پر صبر کیا۔

صالح بن احمد بن حنبل کہتے ہیں، میں نے اپنے والد سے کہا، کہ احمد دورقی نے آپ کو ایک ہزار دیے؟ تو فرمایا، "یَا بُنَیَّ! وَرِزْقُ رَبِّكَ خَيْرٌ وَأَبْقَىٰ" اے بیٹے! تیرے رب کا رزق بہتر اور دیرپا ہے۔ (ایضا ص ۳۱۱)

نیز انہیں سے روایت ہے، میرے والد نے مجھ سے فرمایا، تیری ماں تنگ دستی میں باریک دھاگے کاتتی اور اسے کم وبیش دو درہم میں فروخت کرتی، تو اس پر ہماری گزر اوقات ہوتی۔ (ایضا)

ابو عبداللہ کہتے ہیں، میں نے اپنی باندی سے تکیہ اور مسند لیا، دروازے پر بچھا دیا، تو امام احمد باہر تشریف لائے، ان کے ساتھ کتابیں اور دوات تھی، انہوں نے چٹائی اور مسند کی طرف دیکھا، فرمایا، یہ کیا ہے؟ میں نے کہا، یہ آپ کے بیٹھنے کے لیے ہے، تو فرمایا، "**ارفعه الزهد لایحسن الا بالزهد**" اسے تم اٹھالو، زہد زہد ہی سے نکھرتا ہے،

میں نے اسے اٹھالیا اور امام زمین پر بیٹھ گئے۔ (ایضا)

عہدہ قضا سے انکار

امام احمد نے شاہی تحائف وہدایا سے ہمیشہ اجتناب کیا، ساتھ ہی انہوں نے پوری زندگی سرکاری عہدوں اور مناصب سے پرہیز کیا، امام صاحب طلب حدیث کے سلسلے میں امام عبدالرزاق بن ہمام کی خدمت میں یمن کے سفر کا ارادہ رکھتے تھے، امام شافعی جوان دنوں بغداد میں مقیم تھے، جن کی بارگاہ میں امام احمد روزانہ نیازمندی کے ساتھ حاضر ہوا کرتے تھے، امام شافعی کو آپ کی فلاکت وعسرت کا خوب اندازہ تھا، انہیں دنوں خلیفہ امین الرشید نے امام شافعی کو یمن کے لیے ایک قاضی کے انتخاب پر مامور کیا، انہوں نے محسوس کیا، کہ اگر احمد کو یمن کا قاضی بنادیا جائے تو ان کی یہ دشواری ختم ہوجائے گی، بغیر کسی زحمت اور مصیبت سے دوچار ہوئے، وہ عبدالرزاق سے حدیث کی سماعت کرسکیں گے، یہ سوچ کر انہوں نے احمد کو اس منصب کی پیش کش کی، لیکن انہوں نے انکار کردیا، دوبارہ پھر اصرار کے ساتھ یہ پیش کش دہرائی، اس کے جواب میں امام صاحب نے امام شافعی سے کہا:

یاابا عبداللہ ان سمعت منك هذا ثانيا لم ترنی عندك .

(مناقب لابن الجوزی ص ۱۷۲)

اے ابوعبداللہ! اگر میں نے یہ پیش کش آپ سے پھر دوبارہ سنی تو آپ مجھے کبھی بھی اپنے حضور میں حاضر ہوتے نہیں دیکھیں گے۔

امام احمد نے اپنے استاذ کی یہ معزز اور مایہ افتخار پیش کش مسترد کردی، اس لیے کہ وہ اس عزم پر سختی کے ساتھ قائم تھے، کہ اپنے آپ کو صرف علم کے لیے وقف رکھیں، دوسری چیزوں میں اپنا دامن نہ الجھائیں، نیز یہ کہ اپنے پاس کسی ایسے مال کو نہ پھٹکنے دیں جس میں حرمت کا ذرا سا بھی شائبہ ہو، وہ علم کی راہ میں اذیت ومشقت کو خندہ پیشانی سے قبول کرنے کے قائل تھے، امام اعظم کی طرح منصب قضا قبول کرنے کو جائز

نہیں سمجھتے تھے۔

ذوق عبادت

امام احمد علم و فضل کے ساتھ عبادت وریاضت میں بھی کامل انہماک رکھتے تھے، ذوق عبادت کے لیے وہ بچپن ہی سے مشہور تھے، ورع وتقویٰ، عبادت وریاضت ان کا شعار حیات تھا، نوافل کی کثرت، قرآن حکیم کی تلاوت انتہائی سوز واخلاص کے ساتھ کرتے، صاحبزادے عبداللہ بن احمد ارشاد فرماتے ہیں:

کان ابی اصبر الناس علی الوحدة لم یره احد الا فی مسجد او حضور جنازة او عیادة مریض و کان یکره المشی فی الاسواق ۔

وعنه قال کان ابی یصلی فی کل یوم ولیلة ثلاث مائة رکعة فلما مرض من تلک الاسواط اضعفته فکان یصلی فی کل یوم ولیلة مائة وخمسین رکعة وقد کان قرب من الثمانین وکان یقرأ فی کل یوم سبعا یختم سبعة ایام وکانت له ختمة فی کل سبع لیال سوی صلاة النهار وکان ساعة یصلی عشاء الآخرة ینام نومة خفیفة ثم یقوم الی الصباح یصلی ویدعو وحج ابی خمس حجات ثلاث حجج ماشیا واثنتین راکبا وانفق فی بعض حجاته عشرین درهما ۔ (صفۃ الصفوۃ ج ۲ ص ۵۲۳)

میرے والد لوگوں میں سب سے زیادہ صبر کا مادہ رکھتے تھے، آپ کو کوئی شخص مسجد یا جنازے میں شرکت یا مریض کی عیادت کے علاوہ کہیں اور نہیں دیکھ سکتا تھا، اور آپ بازاروں میں چلنا پھرنا ناپسند کرتے تھے۔

عبداللہ ہی کا بیان ہے، میرے باپ روزانہ رات دن میں تین سو رکعت

نفل نماز پڑھتے تھے، درہ زنی کے بعد بیمار ہو گئے رات دن میں ڈیڑھ
سو رکعت پڑھتے تھے، اس وقت ان کی عمر اسی سال کے قریب تھی،
روزانہ ساتواں حصہ قرآن پڑھتے تھے، عشا کے بعد کچھ دیر سو کر صبح تک
نماز میں مشغول رہتے تھے میرے باپ نے پانچ حج کیے، تین حج پیدل
اور دو حج سواری پر ایک مرتبہ حج میں صرف بیس درہم خرچ کیے۔

ابوبکر مروزی کہتے ہیں، ایک بار احمد بن حنبل نے کہا، کہ بعض لوگوں نے سفر حج میں مکہ سے بغداد تک صرف چودہ درہم خرچ کیے، پوچھا گیا، وہ کون تھا؟ کہا، میں تھا۔

امام احمد کا ذوق عبادت اتنا بڑھا ہوا تھا، کہ آپ صوم وصال رکھا کرتے تھے، امام شعرانی لکھتے ہیں، امام احمد بن حنبل ہر تین دن کے بعد کھجور اور ستو سے روزہ افطار کرتے۔ (طبقات شعرانی ص ۱۴۳)

عشق رسول

امام احمد کے مکارم اخلاق کا سر چشمہ ذات رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ والہانہ عشق ومحبت کا پاکیزہ رویہ تھا، عقیدت وارادت کے اسی داعیہ نے انہیں پوری زندگی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث وسنن کی جمع وترتیب اور اس کی اشاعت میں مصروف رکھا، انہوں نے سنت رسول کے سانچے میں اپنی زندگی ڈھال لی تھی، انہیں رسول گرامی صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلقات سے بھی حد درجہ والہانہ شیفتگی تھی، آپ کے پاس سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے موئے مبارک تھے، انہیں بڑی حفاظت سے رکھتے۔

صاحبزادے عبداللہ بیان کرتے ہیں، میں نے والد کو دیکھا، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا موئے مبارک منہ سے لگاتے بوسہ دیتے اور دونوں آنکھوں پر رکھتے اور اس کو پانی میں ڈبو کر پیتے اور شفا حاصل کرتے تھے۔

جب معتصم کے دربار میں درہ زنی کے لیے آپ کی قمیص اتاری گئی، اس وقت ان کی آستین میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے موئے مبارک تھے، تو اسحاق بن ابراہیم

ادھر متوجہ ہوا، اے قیدی! تیری قمیص کی آستین میں کیا ہے؟ جواب دیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے موئے مبارک، بعض لوگ میری طرف بڑھے اور قمیص کو چاک کرنا چاہا تو معتصم نے ان سے کہا، قمیص نہ پھاڑو، قمیص اتاری گئی، امام صاحب کہتے ہیں، مجھے ڈر تھا، کہ کہیں قمیص پھاڑ دی جائے اور موئے مبارک کی بے حرمتی نہ ہو جائے۔

(تاریخ ذہبی ج۱ص۱۰۷)

غذا، لباس اور حلیہ

امام احمد نے غذا قوت لا یموت ہی کی مقدار استعمال کی، اس میں بھی حد درجہ سادگی پسند فرماتے تھے، ان کے دستر خوان پر خورد و نوش کی نفیس اشیا ہر گز نہ ہوتی تھیں، عام طور پر روٹی کے ٹکڑے پانی میں بھگو کر استعمال کیا کرتے تھے، صاحبزادے صالح کا بیان ہے:

ربما رایت ابی یاخذ الکسر فینفض الغبار عنها ثم یصیرها فی قصعة ثم یصب علیها ماء حتی تبتل ثم یاکلها بالملح وما رایته قط اشتری رمانا و لا سفرجلا ولا شیئا من الفاکهة الا ان یکون یشتری بطیخة فیاکلها بخبز او عنبا او تمرا فاما غیر ذلك فما رایته قط اشتراه وربما خبز له فیجعل فی فخارة عدسا وشحما وتمرات شهریز فیخص الصبیان بقصعة فیصوت ببعضهم فیدفعه الیهم فیضحکون ولا یاکلون وکان کثیرا ما یاتدم بالخل کان یشتری له شحم بدرهم فکان یاکل منه شهرا فلما قدم من عند المتوکل ادمن الصوم وجعل لا یاکل الدسم فتوهمت انه کان جعل علی نفسه ان سلم ان یفعل ذلك۔

(صفۃ الصفوۃ ج۲ص۵۲۱)

میں والد صاحب کو بسا اوقات دیکھتا تھا، کہ روٹی کے ٹکڑے لے کر غبار صاف کرتے اور پیالے میں رکھ کر پانی سے تر کرتے اور اس کے بعد نمک سے کھاتے تھے، میں نے ان کو کبھی انار، بہی اور کسی قسم کا کوئی پھل خریدتے ہوئے نہیں دیکھا، البتہ تربوز، انگور اور کھجور خرید کر روٹی سے کھایا کرتے تھے، اور اس کے علاوہ میں نے ان کو کبھی دوسری چیز خریدتے ہوئے نہیں دیکھا، بسا اوقات آپ کے لیے روٹی بنائی جاتی اور ہانڈی میں دال، چربی، کھجور رکھ لیتے، پس ایک پیالا بچوں کے لیے خاص کر دیتے، بعض بچوں کو آواز دیتے اور انہیں پیالا دے دیتے، تو بچے ہنستے اور نہیں کھاتے، آپ اکثر سرکہ کا شوربا بناتے، آپ کے لیے ایک درہم کی چربی خریدی جاتی، آپ اسے ایک مہینہ کھاتے، جب آپ متوکل کے پاس سے آئے، تو مستقل روزہ رکھنے لگے اور روغن کھانا چھوڑ دیا، مجھے گمان ہوا، کہ انہوں نے اپنے اوپر یہ لازم کرلیا ہے، کہ وہ اگر زندہ رہے تو ایسا ہی کرتے رہیں گے۔

ابوبکر مروزی کہتے ہیں:

سمعت ابا عبداللہ یقول انما ھو طعام دون طعام ولباس دون لباس وانھا ایام قلائل وقال سمعت ابا عبداللہ یقول اسر ایامی الی یوم اصبح ولیس عندی شیء۔ (ایضا)

میں نے ابو عبداللہ کو سنا، وہ کہتے ہیں، کہ ان کا کھانا اور کپڑا معمولی ہوتا تھا، بے شک زندگی کے ایام مختصر ہیں، اور کہا، میں نے ابو عبداللہ کو سنا، وہ کہتے ہیں، میرے نزدیک سب سے خوش حالی کا وہ دن ہے، جس صبح میرے پاس کچھ بھی نہ ہو۔

امام احمد سادہ لباس استعمال کرتے، ایسے لباس سے پرہیز کرتے، جس سے کبر

اور تصنع ظاہر ہو اور جس سے دینی اور علمی وقار مجروح ہو۔

محمد بن عباس بن ولید نحوی اپنے والد سے روایت کرتے ہیں، کہ میں نے امام احمد بن حنبل کو دیکھا ہے، نہایت خوبصورت، میانہ قد تھے، حنا کا خضاب استعمال کرتے تھے، جو بہت زیادہ سرخ نہیں ہوتا تھا، ان کی ڈاڑھی میں چند بال کالے تھے، میں نے ان کے کپڑے دیکھے ہیں جو موٹے اور سفید تھے، عمامہ بھی باندھتے تھے۔ جسم پر چادر بھی ہوا کرتی تھی۔ (تاریخ ابن عساکر ج ۲ ص ۳۱)

آپ کے کپڑے عام طور پر سفید روئی کے ہوتے تھے نہ بہت زیادہ موٹے، نہ بہت زیادہ باریک، البتہ آخری دور میں جب اپنے لڑکوں کے خرچ سے بے نیاز ہو گئے تو اپنی آمدنی سے اچھے لباس استعمال کرنے لگے۔

احمد بن محمد تستری کہتے ہیں:

ذکروا لی ان احمد بن حنبل اتی علیه ثلاثة ایام ماکان طعم فیها فبعث الی صدیق له فاستقرض شیئا من الدقیق فعرفوا فی البیت شدة حاجته الی الطعام فخبزوه عاجلا فلما وضع بین یدیه قال کیف خبزتم هذا بسرعة؟ قیل له کان التنور فی دار صالح ابنه مسجوراً فخبزنا عاجلا فقال ارفعوا ولم یاکل وامر بسد بابه الی دار صالح۔

(صفۃ الصفوۃ ج ۲ ص ۵۲۲)

لوگوں نے مجھ سے بیان کیا، کہ ایک دفعہ آپ نے تین دن تک کھانے کی کوئی چیز نہ پائی، حتی کہ آپ نے اپنے ایک ساتھی کے پاس پیغام بھیجا اور آٹا قرض لیا، تو اس کے اہل کو معلوم ہوا، کہ آپ کو کھانے کی حاجت ہے، پس انہوں نے جلدی سے آٹا گوندھا اور سرعت کے ساتھ آپ کے لیے روٹی پکائی، آپ نے پوچھا، یہ عجلت کیسی ہے؟ تم نے روٹی

کیسے پکائی؟ انہوں نے کہا، ہم نے صالح کے گھر کے تنور کو گرم پایا تو اس میں ہم نے آپ کے لیے روٹی پکائی، آپ نے فرمایا، روٹی اٹھالو اور آپ نے اسے نہ کھایا، اور صالح کے گھر کی طرف آپ کا جو دروازہ کھلتا تھا، اسے بند کرنے کا حکم دے دیا آپ نے صاحبزادے صالح کے تنور میں پکی ہوئی روٹی اس لیے نہیں کھائی، کہ انہوں نے متوکل کا عطیہ قبول کرلیا تھا۔

خلیفہ متوکل نے اعزاز و اکرام کے ساتھ اپنے پاس بلایا، سولہ دن تک خلیفہ کے یہاں مہمان رہے، صبح وشام انواع واقسام کے لذیذ کھانے اور ہر قسم کے عمدہ پھل خلیفہ کی طرف سے بھیجے جاتے، لیکن آپ نے انہیں کبھی ہاتھ نہ لگایا، بیشتر روزے رکھتے اور جب افطار کرنا ہوتا، ستو گھول کر پی لیتے، صاحبزادے عبداللہ کا بیان ہے، میرے والد فوج کے ساتھ خلیفہ کے پاس سولہ دن ٹھہرے اور ان دنوں میں آپ نے صرف ایک چوتھائی مد ستو کھائے، آپ ہر تین راتوں کے بعد مٹھی بھر ستو پھانک لیتے تھے، حتی کہ آپ اپنے گھر واپس آگئے، اور چھ ماہ بعد آپ کی صحت واپس آئی، میں نے دیکھا، کہ آپ کے آنکھیں دھنس گئی ہیں۔ (تاریخ ابن کثیر ج ۱۰ واقعات ۲۴۱ھ)

خیر خواہی

امام احمد کے مکارم اخلاق کا ایک درخشاں باب امت اسلام کی خیر خواہی تھا، انہوں نے اپنے علم کے ذریعہ پوری زندگی ملت کی خیر خواہی کی، طالبان علوم نبوی کو حدیث وفقہ کے زیور سے آراستہ کیا، عام لوگوں کو علم وتقویٰ کی شاہراہ پر چلایا، لوگوں کو بدعت وضلالت سے باز رکھنے کی کوشش کی، ان کا دل ایسے لوگوں کی ہدایت کے لیے بھی بے چین رہتا، جو صراط مستقیم سے بھٹک گئے تھے، وہ ان کے لیے دعائیں فرمایا کرتے تھے۔

ابوالفضل تمیمی نے کہا، امام احمد سجدوں میں یہ دعا کرتے تھے، اے اللہ! اس

امت کا جو شخص حق پر نہیں، اور وہ اپنے آپ کو حق پر خیال کرتا ہے، اسے حق کی طرف واپس لاتا کہ وہ اہل حق میں سے ہو جائے، اے اللہ! اگر تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کی طرف سے فدیہ قبول کرے تو مجھے ان کا فدیہ بنا دے۔ (تاریخ ابن کثیر ج ۱۰)

عبدالرحمٰن بن زاذان کا بیان ہے:

عن ابی عیسی عبدالرحمن بن زاذان قال صلینا وابو عبداللہ احمد بن حنبل حاضر فسمعته یقول اللهم من كان على هوى او على راى وهو يظن انه على الحق وليس هو الحق فرده الى الحق حتى لا يضل من هذه الامة احد اللهم لا تشغل قلوبنا بما تكفلت لنا به ولا تجعلنا فى رزقك خوفا لغيرك ولا تمنعنا خير ما عندك بشر ما عندنا ولا ترنا حيث نهيتنا ولا تفقدنا من حيث امرتنا اعزنا ولا تذلنا اعزنا بالطاعة ولا تذلنا بالمعصية ۔

(صفۃ الصفوۃ ج ۲ ص ۵۲۳)

ابو عیسیٰ عبدالرحمٰن بن زاذان سے روایت ہے، انہوں نے کہا، ہم نے نماز پڑھی اور ابو عبداللہ احمد بن حنبل بھی موجود تھے، میں نے سنا، وہ یہ دعا کر رہے تھے، اے اللہ! اس امت کا جو شخص حق پر نہیں ہے اور وہ اپنے آپ کو حق پر خیال کرتا ہے، اسے حق کی طرف واپس لاتا کہ وہ اہل حق میں سے ہو جائے امت مسلمہ کا کوئی شخص گمراہی پر نہ رہے، اے اللہ! تو ہمارے دلوں کو اس میں مشغول نہ کر جس کا تو ہمارے لیے کفیل ہوا، تو رزق میں مجھے اپنے غیر کا محتاج نہ بنا، ہمارے شر کی وجہ سے اپنے خیر کو نہ روک، نواہی سے بچنے اور اوامر کی تعمیل کی توفیق عطا فرما، ہمیں عزت بخش، ذلیل نہ کر، طاعت کے

ذریعہ ہمیں عزت عطا فرما اور معصیت کے ذریعہ ہمیں ذلیل نہ فرما۔

قبولیتِ دعا

اللہ تبارک وتعالیٰ نے امام احمد کی زبان میں ایسی تاثیر عطا کی تھی، کہ جو دعا فرماتے، اللہ تعالیٰ اسے قبول فرماتا، وہ عالم نبیل اور مستجاب الدعوات ولی تھے۔ علی بن ابی حرارہ کا بیان ہے:

كانت امي مقعدة نحو عشرين سنة فقالت لي يوما اذهب لي احمد بن حنبل فسله ان يدعو الله لي فمضيت فدققت عليه الباب فقال من هذا؟ فقلت رجل من اهل ذلك الجانب سالتني امي وهي زمنة مقعدة ان اسالك ان تدعوا الله لها فسمعت كلامه كلام رجل مغضب وقال نحن احوج ان تدعو الله لنا فوليت منصرفا فخرجت عجوز من داره فقالت انت الذي كلمت ابا عبدالله ؟ قلت نعم قالت قد تركته يدعو الله لها قال فجئت من فوري الي البيت فدققت الباب فخرجت علي رجليها تمشي حتي فتحت لي الباب وقالت قد وهب الله لي العافية .

(صفۃ الصفوۃ ج ۲ ص ۵۲۳)

میری ماں بیس سال سے لنجی ہو کر بیٹھ گئی تھی، تو اس نے ایک دن مجھ سے کہا، تم احمد بن حنبل کے پاس جاؤ، ان سے درخواست کرو، کہ وہ میرے لیے دعا کریں، میں گیا اور دروازہ کھٹکھٹایا پوچھا کون؟ میں نے کہا اسی طرف کا ایک آدمی ہوں، میری ماں ایک زمانے سے لنجی ہے، اس نے مجھ سے کہا، ہے کہ مین آپ سے اس کے لیے دعا کی

درخواست کروں، تو انہوں نے بے نیاز ہو کر فرمایا، ہم اس بات کے زیادہ محتاج ہیں، کہ وہ ہمارے لیے دعا کرے تو میں پلٹا پھر ایک بڑھیا گھر سے باہر آئی، تو اس نے کہا، ابوعبداللہ سے گفتگو کرنے والے تمہیں ہو؟ میں نے کہا، ہاں! اس نے کہا، میں نے ان کو اس حال میں چھوڑا ہے، کہ وہ اللہ سے دعا کر رہے ہیں، اس نے کہا، میں فوراً گھر آیا میں نے دروازے پر دستک دی، تو میری ماں اپنے پیروں پر چل کر آئی، دروازہ کھولا اور اس نے کہا، اللہ نے مجھے صحت و عافیت عطا کی۔

جب معتصم کے روبرو آپ کے جسم مبارک پر کوڑے برس رہے تھے، اس وقت آپ کا ازار بند ٹوٹ گیا اور پاجامہ نیچے سرکنے لگا، قریب تھا، کہ بے ستری ہو جاتی اس وقت امام احمد نے آسمان کی طرف سر اٹھایا اور ہونٹوں کو حرکت دی فوراً ہی ازار کا نیچے آنا رک گیا۔

و کانت تکة احمد حاشیة ثوب فانقطعت فنزل السراویل الی عانته فرمی احمد طرفه الی السماء و حرك شفتیه فما کان باسرع ان بقی السراویل لم ینزل ۔(ایضاً ص ۵۲۴)

علم وفضل

علم وفضل کی طلب کا راستہ بہت پرخار اور پر پیچ ہوتا ہے، اس راہ پر چل کر منزل مقصود وہی پاسکتا ہے، جس کے اندر صبر واستقامت، قوت برداشت نقطہ عروج کو پہنچی ہوئی ہو، امام صاحب عزیمت واستقامت کا عظیم پیکر تھے، اس لیے انہوں نے اپنے جسم کو ابتلا وآزمائش اور سخت کوشی سے کبھی دور نہ رکھا، نہ آلام ومصائب کی شدت میں حرف شکایت زبان پر آیا، صبر وتحمل کی صفت ان کی عادت ثانیہ بن گئی تھیں، جس کے سبب ان میں فقر وجوع، عفت وعزت نفس، اذیتوں کی قوت برداشت کا ملکہ پیدا ہو گیا تھا، یہی چیز تھی، جس نے ان کے اندر یہ حوصلہ پیدا کیا، کہ بغیر ضعف اور تھکن محسوس کیے ہوئے طلب علم کی راہ میں انہوں نے صحرا، وادی، میدان اور نشیب وفراز کی نہ جانے کتنی دشوار گزار منزلیں طے کر لیں، کبھی سواری پر اور کبھی پاپیادہ ایک شہر سے دوسرے شہر کی خاک چھانی، ضرورت ہوئی تو سختی کے وقت مزدوری کی، صنعت وحرفت کے جوہر دکھائے، یہ سب کچھ انہوں نے انبیا وصالحین کی اقتدا میں کیا، کسی کے سامنے ہاتھ پھیلانا تو درکنار خوشی سے دینے والوں کے عطیے بھی قبول نہ کیے اور حدیث نبوی ''الید العلیا خیر من الید السفلی'' پر پوری زندگی عامل رہے۔

ان صفات عالیہ کے ساتھ فضل وکمال کی جس بلند منزل تک پہنچے، وہ اپنے معاصرین میں ممتاز ہی نہیں رہے، بلکہ اسلام کی علمی تاریخ کے بہت اہم علمی ستون بن گئے، جس منارہ نور سے آج تک روشنی حاصل کی جارہی ہے، امام احمد قرآن، حدیث، تفسیر، فقہ، عقائد وکلام، عربیت میں ید طولیٰ رکھتے تھے، وہ فارسی زبان سے بھی آشنا تھے،

ان کی علمی شوکت اور فنی جلالت کا اعتراف بڑے بڑے علما و محدثین نے کیا ہے۔

☆محمد بن ابراہیم بوشنجی:۔"مارایت اجمع فی کل شئ من احمد ولا اعقل وھو عندی افضلُ وافقہ من الثوری "میں نے احمد کے سوا کسی کو سارے علوم جمع کرنے والا نہیں دیکھا، اور نہ ان سے بڑا اعقل مند وہ میرے نزدیک سفیان ثوری سے افضل اور افقہ ہیں۔ (تہذیب التہذیب ج ۱ ص ۶۱)

☆ابن حبان:۔"کان حافظا متقنا فقیھا ملازما للورع الخفی مواظبا علی العبادۃ الدائمۃ اغاث اللہ بہ امۃ محمد صلی اللہ علیہ وسلم وذالك انہ ثبت فی المحنۃ وبذل نفسہ للہ حتی ضرب بالبساط للقتل فعصمہ اللہ تعالیٰ عن الکفر وجعلہ علما یقتدی بہ وملجا یلجا الیہ" حافظ متقن، فقیہ، ورع کو لازم پکڑنے والے عبادت پر ہمیشہ مواظبت کرنے والے تھے، ان کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے امت محمدیہ کی مدد فرمائی، اس لیے کہ وہ مشکلات میں ثابت قدم اور اللہ کے لیے اپنی ذات کو قربان کرنے والے تھے، حتی کہ ان کو کوڑوں سے مارا گیا تو اللہ نے انہیں اس آزمائش میں بھی کفر سے محفوظ رکھا اور انہیں ایسا علم (فقہ) عطا کیا، جس کی پیروی کی جاتی ہے اور وہ ایسے ملجا ہیں، جس کی پناہ حاصل کی جاتی ہے۔ (ایضا)

☆ابراہیم حربی:۔"رایت احمد کان اللہ قد جمع لہ علم الاولین والآخرین' میں نے امام احمد کو دیکھا ہے، کہ اللہ تعالیٰ نے اگلے پچھلے سب لوگوں کا علم ان کے سینہ میں جمع کر دیا ہے۔ (تذکرہ ج ۲ ص ۱۷)

☆ابوعبید:۔ "انتھی العلم الی اربعۃ افقھھم احمد' سب لوگوں کا علم چار آدمیوں کے پاس جمع ہو گیا اور ان میں سب سے بڑے فقیہ احمد ہیں۔ (ایضا ص ۱۸)

☆ابو ہمام سکونی:۔"ما رای احمد بن حنبل مثل نفسہ' احمد بن حنبل نے

اپنے جیسا کوئی آدمی نہیں دیکھا۔ (ایضا)

☆ابن مدینی:۔"لیس فی اصحابنا افضل منه" ہمارے اصحاب میں ان سے بڑا حافظ حدیث کوئی نہیں۔ (تہذیب ج ۱ ص ۶۴)

☆امام عبدالرزاق:۔"ما رایت افقه من احمد بن حنبل ولا اورع......ماقدم علینا یشبه احمد بن حنبل ......ان یعیش هذاالرجل یکن خلفا من العلماء یعنی اباعبدالله" میں نے احمد بن حنبل سے بڑا فقیہ اور صاحب ورع انسان نہیں دیکھا ہے...... ہمارے پاس احمد بن حنبل جیسا کوئی شخص نہ آیا...... یہ شخص یعنی ابوعبداللہ اگر زندہ رہا تو علما اس کے پیچھے چلیں گے۔ (مناقب ابن جوزی ص ۹۶)

☆وکیع بن جراح:۔ "ماقدم بالکوفة مثل ذالك الفتی" اس جوان کے مانند کوئی شخص کوفہ میں نہیں آیا۔ (ایضا ص ۹۹)

☆عبدالرحمٰن بن مہدی:۔"کاد هذا الغلام ان یکون امام فی بطن امه یعنی احمد بن حنبل" یہ لڑکا ماں کے پیٹ ہی سے امام ہے۔

☆یحییٰ بن سعید القطان:۔ "ماقدم علی مثل احمد بن حنبل" میرے پاس احمد بن حنبل جیسا کوئی نہیں آیا۔ (ایضا ص ۱۰۳)

☆ابن معین:۔ "ما رایت خیرا من احمدما افتخر علینا بالعربیة قط" میں نے احمد بن حنبل سے بہتر کسی کو نہیں دیکھا اور انہوں نے عربیت پر کبھی فخر نہیں کیا۔ (تہذیب التہذیب ج ۱ ص ۶۳)

☆وکیع بن الجراح وحفص بن غیاث:۔ "ماقدم الکوفة مثل ذالك الفتی یعنی احمد" کوفہ میں اس جوان یعنی احمد بن حنبل جیسا کوئی شخص نہیں آیا۔ (ایضا)

☆سعید القطان:۔ "ماقدم علی مثل احمد ۔حبر من احبارهذه الامة" میرے پاس احمد جیسا کوئی بڑا عالم نہیں آیا، وہ اس امت کے حبر (بڑے عالم) تھے۔ (ایضا ص ۶۴)

☆ابوعبید:۔ ”لست اعلم فی الاسلام مثله“ میں اسلام میں ان کے مانند کسی کو نہیں جانتا۔(ایضا)

☆عجلی:۔ ”ثقة ثبت فی الحدیث نزه النفس فقیه فی الحدیث متبع الآثار صاحب سنة وخبر“ حدیث میں وہ ثقہ اور ثبت ہیں، پاکیزہ نفس، فقیہ الحدیث، آثار کی پیروی کرنے والے، صاحب سنت وخبر ہیں۔(ایضا)

☆حجاج بن الشاعر:۔”مارات عینای روحا فی جسد افضل من احمد بن حنبل“ میری آنکھوں نے احمد بن حنبل سے افضل کسی کی روح کو جسم میں نہیں دیکھا۔(ایضا)

☆ابوثور:۔ ”احمد شیخنا وامامنا“ احمد ہمارے شیخ اور ہمارے امام ہیں۔ (ایضا)

☆ابوحاتم:۔ ”هو امام وهو حجة“ وہ امام اور حجت ہیں۔(ایضا)

☆ابن ماکولا:۔”کان اعلم الناس بمذاهب الصحابة والتابعین“ لوگوں میں صحابہ اور تابعین کے مذاہب کے سب سے بڑے عالم تھے۔(ایضا)

قوت حفظ وضبط اور شعور

امام احمد بن حنبل اکابر محدثین ومجتہدین کے حلقہ درس سے وابستہ رہے اور ان گنت شیوخ سے کسب فیض کیا، ان کی ذات علوم وعرفان کا پیکر بن گئی، اس سلسلے میں ان کی وہ ذاتی صفات جن کی بدولت علم کا عظیم ذخیرہ ان کے دامن میں جمع ہو گیا تھا، ان کا قدرتی حافظہ اور فہم وفراست کی فطری دولت ہے، یہ موہبات الٰہیہ ہر ایک کو حاصل نہیں ہوتے، ہزاروں میں بعض ہی ایسے خوش نصیب ہوتے ہیں، جن کو ذوق علم کے ساتھ قوت حفظ وضبط کا الٰہی عطیہ حاصل ہوتا ہے، قوت حفظ وضبط محدثین کا خاصہ ہوتا ہے، مگر قدرت نے جس فیاضی کے ساتھ اس صفت سے انہیں نوازا تھا، وہ اپنی مثال آپ ہے، یہ حافظہ ہر علم وفضل کی اساس ہے اور اللہ تعالیٰ نے امام احمد کو یہ صفت بڑی فراوانی کے

ساتھ عطا فرمائی تھی، اس سلسلے میں امام احمد کی ایک روایت ہے وہ فرماتے ہیں:

کنت ذاکر وکیعا بحدیث الثوری فکان اذا صلی العشاء خرج من المسجد الی منزله فکنت اذاکره فربما ذکر تسعة احادیث اوالعشرة فاحفظها فا ذا دخل قال لی اصحاب الحدیث امل علینا فاملینا علیهم فیکتبونها ۔ (ابن حنبل ص ۲۷)

میں وکیع سے ثوری کی حدیثیں یاد کیا کرتا تھا، جب وہ عشا کی نماز پڑھ کر مسجد سے گھر کی طرف جانے لگتے تھے، تو میں ان سے نو یا دس سے زیادہ حدیثیں سن کر یاد کر لیتا تھا، جب وہ گھر میں داخل ہو جاتے تھے تو طالبان حدیث فرمائش کرتے تھے ہمیں وہ حدیثیں املا کرا دیں، چنانچہ میں املا کرا دیتا تھا اور وہ انہیں لکھ لیتے تھے۔

امام صاحب کے ہم عصر حضرت ابوزرعہ سے پوچھا گیا:

من رایت من المشایخ المحدثین احفظ قال احمد بن حنبل ؟ (ایضا)

مشایخ محدثین میں سب سے زیادہ قوی الحافظ آپ نے کسے پایا؟ فرمایا، احمد بن حنبل کو۔

امام احمد نادر قوت حفظ وضبط کے ساتھ فہم وفراست اور شعور وفکر کی قوت سے بھی مالا مال تھے، وہ احادیث کے ساتھ صحابہ وتابعین کے فتاوی اور آثار پر بھی گہری نظر رکھتے تھے، اسی فہم کے لحاظ سے آپ اپنے دور کے محدثین پر فوقیت رکھتے تھے، کیوں کہ ان کے معاصر محدثین فقہ ودرایت سے الگ رہ کر صرف روایت حدیث میں مشغول ومنہمک رہتے تھے، لیکن امام احمد ذخیرہ احادیث کے ساتھ ساتھ فقہ واجتہاد کی قوت بلیغ سے بھی مالا مال تھے۔ اسحاق بن راہویہ کا قول ہے:

کنت اجالس بالعراق احمد بن حنبل ویحییٰ بن معین

واصحابنا فکنا نتذاکر الحدیث من طریق وطریقین وثلاثة فاقول ماامراده؟ ما تفسیره؟ مافقهه؟ فیقفون کلهم الا احمد بن حنبل وقد کان علمه بالحدیث والسنة وفتاوی التابعین واستنباطه الاحکام منها سببها فی ان کان امام فی الحدیث واماما فی الفقه حتی لقد قال فی ذلك ابراهیم الحربی ادرکت ثلاثة لم یر مثلهم ویعجز النساء ان یلدن مثلهم رایت ابا عبیدا لقاسم بن سلام ما امثله الا بجبل نافع فیه روح ورایت بشر بن الحارث فما شبهته الا برجل عجز من قرنه ای قدمه عقلا ورایت احمد بن حنبل فرایت کان اللّٰه جمع له علم الاولین والآخرین من کل صنف یقول ماشاء و یمسك ماشاء وجمعه لعلم الاولین والآخرین هو بحفظه للاحادیث وآثار السلف وفهم فقهها

(ابن حنبل ص ۶۸)

میں عراق میں احمد بن حنبل، یحییٰ بن معین اور دوسرے علمائے حدیث کی مجالس میں بیٹھا کرتا تھا، تو ہم لوگ حدیث کو ایک طریقہ یا دو تین طریقوں سے زیر بحث لایا کرتے تھے، پھر جب میں کسی حدیث کے بارے میں سوال کرتا تھا، کہ اس کی تفسیر کیا ہے؟ اس میں فقہ کا کون سا مسئلہ نکلتا ہے؟ تو سوائے احمد بن حنبل کے سب خاموش ہو جاتے تھے، حدیث وسنت اور فتاویٰ تابعین اور استنباط احکام کے سلسلے میں احمد کا علم بہت کامل تھا، اس لیے کہ وہ فن حدیث کے امام تھے، اور فقہ کا جہاں تک تعلق تھا، ان کے شاگرد ابراہیم حربی کہتے ہیں، میں نے تین آدمی

ایسے دیکھے ہیں کہ ان کا مثل میری نظر سے نہیں گزرا، میں نے ابو عبید قاسم بن سلام کو دیکھا، وہ علم کا پہاڑ تھے، جس میں روح پھونک دی گئی تھی، میں نے بشر بن حارث کو دیکھا، میں انہیں ایسے شخص سے تشبیہ دے سکتا ہوں، جو سر سے قدم تک عقل ہی عقل تھے، میں نے احمد بن حنبل کو دیکھا تو میں نے ایسا محسوس کیا کہ گویا خدا نے ان میں اگلوں اور پچھلوں کا علم جمع کر دیا ہے۔ اور یہ جو اگلوں اور پچھلوں کا علم ان میں جمع ہو گیا تھا، اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ حدیث اور آثار سلف کے حافظ تھے اور اس دور کی فقہ پر مہارت رکھتے تھے۔

علم حدیث

امام احمد بن حنبل اپنے زمانہ کے عظیم القدر محدث تھے، انہوں نے اس مقدس علم کی تحصیل سولہ سال کی عمر سے شروع کی اور عمر کا ایک طویل حصہ اس کے لیے وقف کر دیا، انہوں نے صرف اپنے شہر بغداد اور اس کے اطراف میں مقیم شیوخ حدیث ہی سے کسب علم نہیں کیا بلکہ حدیث وسنت کی جستجو اور طلب میں اسلامی شہروں اور قصبوں کا چپہ چپہ چھان مارا اور ثقہ متدین علمائے حدیث سے سماع کیا، راہ طلب کا یہ مسافر اپنی دھن کا پکا اولوالعزمی اور حوصلہ مندی کی مضبوط چٹان بن کر، اخلاص وایثار کے جذبات سے سرشار تھا، اس نے جہاں بھی حدیث وسنت کی خوشبو محسوس کی، اسے حاصل کرنے کے لیے چل پڑا، سفر کی صعوبتیں برداشت کیں، رنج وتعب جھیلے، مگر پائے ثبات میں نہ کبھی لغزش آئی اور نہ پیشانی پر ناگواری کی لکیر ابھری، اس طرح انہوں نے اسلامی دنیا کے بیشتر ثقہ محدثین کی مرویات سے اپنے دامن فضل وکمال کو مالا مال کر لیا تھا، جب مسند درس پر جلوہ افروز ہوئے تو طالبان علم نبوت کو خوب خوب سیراب کیا، آپ کے حلقہ درس میں دنیائے اسلام کے بڑے بڑے محدثین شامل تھے، بڑے بڑے ائمہ حدیث نے آپ کی

ثقاہت وعدالت، حفظ وضبط اور کثرت روایت کا اعتراف کیا۔

☆ابن خلکان:۔"کان امام المحدثین صنف کتابه المسند وجمع فیه من الحدیث مالم یتفق لغیره "امام احمد محدثین کے امام تھے، انہوں نے کتاب المسند لکھی اور اس میں انہوں نے اتنی حدیثیں جمع کیں، جس کی توفیق دوسروں کو نہ ہوئی۔ (وفیات الاعیان ج۲ص۴۰)

☆ابن سعد:۔ "ثقة ثبت صدوق کثیر الحدیث" ثقہ، صدوق او رکثیر الحدیث تھے۔ (تہذیب التہذیب ج۱ص۶۵)

☆حافظ ذہبی:۔"شیخ الاسلام وسید المسلمین فی عصرہ الحافظ الحجة" امام احمد بن حنبل اپنے زمانہ کے شیخ الاسلام، سید المسلمین، بلند پایہ حافظ حدیث اور حجت ہیں۔

(تذکرہ ج۲ص۱۷)

☆ابوزرعہ رازی:۔"امام صاحب کو ایک لاکھ احادیث زبانی یاد تھیں۔

(طبقات الشافعیہ الکبری ج۲ص۲۷)

مسند امام احمد بن حنبل

امام احمد بن حنبل کے طلب حدیث کا یہ اسلوب تھا، کہ وہ شیوخ حدیث کی بیان کردہ مرویات کو حافظے میں محفوظ بھی کرتے اور صفحہ قرطاس پر تحریر بھی کر لیتے، وہ کتابت حدیث کو ضروری خیال کرتے تھے ان کا اور یحییٰ بن معین کا قول ہے، "کل من لم یکتب العلم لا یومن علیه الغلط" ہر وہ شخص جو علم (حدیث) کو نہیں لکھتا ہے، غلطی کے اندیشے سے مامون نہیں ہوتا ہے۔

طلب علم کے ساتھ ضبط تحریر میں لانے کا ذوق اتنا بڑھا، کہ انہوں نے پوری زندگی میں جمع کی ہوئی حدیثوں کو چھان پھٹک کر کتابی صورت میں جمع کرنے کا اہتمام فرمایا۔

حدیث میں امام احمد کا سب سے بڑا کارنامہ ان کی کتاب ''المسند'' ہے، جسے انہوں نے خود جمع کیا، یہ ایسی کتاب ہے، جس کی ان کی طرف نسبت ہر شک وشبہ سے بالاتر ہے، ثقات نے اسے روایت کیا اور اس کی کتابت خود امام احمد نے کی ہے اور اپنے شاگردوں اور ساتھیوں کو اس کا املا کرایا ہے اس کی تحریر وکتابت پر وہ بہت زیادہ حریص تھے تاکہ یہ لوگوں کے لیے راہ نما ثابت ہو۔

اس کتاب کی ترتیب کے لیے انہوں نے اسلامی دنیا کا سفر کیا اور شیوخ حدیث سے حدیثوں کا بہت بڑا ذخیرہ اکٹھا کیا، یہ مسند اسی ذخیرے سے انتخاب ہے، جسے آپ نے مسند کی طرز تالیف پر تحریر کیا، اس میں عام کتب مسانید کی طرح صحابہ کی ترتیب پر حدیثیں مرتب کی گئی ہیں، مسند احمد تقریباً ۱۷۲ اجزا پر مشتمل اور سات سو صحابہ کی حدیثوں کا مجموعہ ہے، حدیثوں کی تعداد عام طور سے تیس ہزار اور چالیس ہزار بتائی جاتی ہے۔ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی لکھتے ہیں:

مشہور ہے، کہ مسند میں اصل سے تیس ہزار حدیثیں ہیں اور جب ان کے بیٹے عبداللہ کی زیادات کو ملا لیا جائے تو چالیس ہزار حدیثیں ہوتی ہیں، لیکن بعض محدثین نے اپنے شیوخ اور بعض ثقات سے یہ نقل کیا ہے، کہ کل تیس ہزار حدیثیں ہیں۔ واللہ اعلم۔ (بستان المحدثین ص ۵۳)

امام احمد نے اس کتاب کی ترتیب وتدوین کا کام تحصیل علم کے ساتھ ساتھ شروع کر دیا تھا، علماے سنت اس بات کے معترف ہیں، کہ انہوں نے مسند کی جمع وتدوین کا کام ۱۸۰ھ میں شروع کر دیا تھا، اور وہ پوری عمر اس میں ترمیم وتنقیح کرتے رہے۔

امام احمد حدیث کے علاوہ دوسری چیزوں کو لکھنا پسند نہیں کرتے تھے، انہوں نے مسند کی جمع وترتیب کا کام اپنے مطلع حیات میں شروع کر دیا تھا، جس کے مقصد کی طرف انہوں نے خود ہی اشارہ کیا، آپ کے صاحبزادے عبداللہ فرماتے ہیں:

قلت لابی لم کرهت وضع الكتب وقد عملت المسند

فقال له عملت هذاالكتاب اماما اذااختلف الناس في سنة عن رسول الله صلى الله عليه وسلم رجع اليه(ابن حنبل ص ۱۲۷)

میں نے اپنے والد (احمد بن حنبل) سے دریافت کیا، کہ آپ کتابیں مرتب کرنے سے کیوں منع کرتے ہیں؟ حالاں کہ آپ نے خود بھی مسند لکھی ہے؟ جواب میں آپ نے فرمایا، یہ کتاب میں نے لوگوں کی رہنمائی کے لیے لکھی ہے، جب سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے سلسلہ میں لوگوں کے مابین کوئی اختلاف رونما ہوگا، وہ اس کی طرف رجوع کریں گے۔

امام احمد مسند کی جمع وتدوین میں زندگی کے آخری لمحوں تک مصروف رہے، لیکن اس کام کو آخری اور حتمی شکل دینے نہیں پائے تھے، کہ پیام اجل آگیا، انہیں جب قرب اجل کا احساس ہوگیا تو اپنے صاحبزادوں اور مخصوص شاگردوں کو جمع کیا، اور جو کچھ لکھا تھا، انہیں بتمامہ املا کرادیا، اگرچہ اس سے قبل اپنے حلقہ درس میں تلامذہ کو بھی اسی مجموعے سے حدیثیں نقل کرائی تھیں، لیکن ضرورت کے مطابق جگہ جگہ سے املا کرایا تھا۔

حافظ شمس الدین رقم طراز ہیں:

ان الامام احمد شرع في جمع المسند فكتبه في اوراق منفردة وفرقه في اجزاء منفردة على نحو ماتكون المسودة ثم جاء حلول المنية قبل حصول الامنية فبادر باسماعه لاولاده واهل بيته ومات قبل تنقيحه وتهذيبه فبقي على حاله ثم ان ابنه عبدالله الحق به مايشاكله وضم اليه من سموعاته مايشابهه ويماثله ۔(ابن حنبل ص ۱۲۸)

امام احمد نے مسند کی جمع وتدوین کا کام شروع کیا، اسے الگ الگ ورقوں میں لکھا، پھر اسے جدا جدا اجزا میں تقسیم کیا، یہاں

تک کہ اس نے ایک مسودہ کی صورت اختیار کر لی، پھر قبل اس
کے کہ آرزو پوری ہو، پیام اجل آ پہنچا، تو انہوں نے اپنی اولاد
اور اہل بیت کو اسے پہلی فرصت میں سنا ڈالا اور قبل اس کے کہ
اس کی تنقیح وتہذیب اتمام تک پہنچے، وہ اس دنیا سے رخصت
ہو گئے اور مسودہ جوں کا توں قائم رہا، پھر ان کے صاحبزادے
عبداللہ نے ان روایات کے مشابہ مماثل روایات اس میں شامل
کر دیں۔

امام احمد بن حنبل کے بھتیجے حنبل بن اسحاق بیان کرتے ہیں، کہ عم محترم نے
مجھے اور دونوں صاحبزادگان صالح اور عبداللہ کو جمع کر کے ہمارے سامنے مسند کی
قرات کی، ہمارے سوا کسی دوسرے نے آپ سے اس کتاب کو بتمامہ نہیں سنا ہے، پھر
ہم سے فرمایا، کہ میں نے اسے ساڑھے سات لاکھ سے زائد احادیث سے منتخب کیا
ہے، پس حضور اقدس کی جس حدیث میں مسلمانوں کا اختلاف ہو تو اس کتاب کی
طرف رجوع کرو اگر وہ روایت اس میں موجود ہو فبہا ورنہ حجت نہیں۔

(طبقات الشافعیہ الکبریٰ ج ۲ ص ۲۰۲)

امام احمد نے مسند کو مختلف اجزا میں جمع کیا تھا، آپ کے بعد اس میں اضافے
بھی کیے جاتے رہے، شاہ عبدالعزیز لکھتے ہیں ''مسند احمد بن حنبل اگرچہ خود امام عالی
مقام کی تصنیف ہے، لیکن اس میں بہت سے زیادات ان کے بیٹے عبداللہ کے ہیں اور
بعض زیادات ابوبکر قطیعی کے بھی ہیں، یہ کتاب مستطاب ۱۸ر مسندوں پر مشتمل ہے،
مسند عشر مبشرہ، مسند اہل بیت نبوی، مسند ابن مسعود مسند عبداللہ بن عمر، مسند عباس
وصاحبزادگان، مسند عبداللہ بن عباس، مسند ابی ہریرہ، مسند انس بن مالک، مسند ابوسعید
خدری، مسند جابر بن عبداللہ، مسند مدنیاں، مسند مکیاں، مسند کوفیاں، مسند بصریاں، مسند
شامیاں، مسند انصار، مسند عائشہ مع مسند النساء۔ (بستان المحدثین ص ۵۲)

امام عبداللہ

امام احمد کی وفات کے بعد ان کے لائق صاحبزادے امام عبداللہ نے مسند کی ترتیب وتہذیب کا اہم کام انجام دیا اور ان میں امام احمد کے اصول اخذ روایت کو ملحوظ رکھتے ہوئے اضافے بھی کیے، مسند کا جو نسخہ عالم اسلام میں شائع ہے، اس کے راوی اور مرتب عبداللہ بن احمد ہی ہیں، بلاشبہ عظیم محدث اور اپنے پدر بزرگوار کے معتمد علیہ تھے، امام صاحب صاحبزادے کے شغف بالحدیث کو پسندیدگی کی نظر سے دیکھتے تھے ''ابنی عبداللہ محظوظ من علم الحدیث'' میرا بیٹا عبداللہ علم حدیث میں حظ وافر رکھتا ہے۔ (ابن حنبل ص ۱۲۹)

عبداللہ نے حدیث کا علم اپنے والد اور اپنے عہد کے ان شیوخ حدیث سے حاصل کیا تھا، جن کی جلالت شان کے معترف خود امام احمد بھی تھے، یہی وجہ تھی، کہ خود امام احمد اپنے بیٹے عبداللہ کی مرویات کو قبول کرلیا کرتے تھے، اس طرح عبداللہ اپنے والد کے زمانے ہی میں مرتبہ کمال کو پہنچ گئے تھے:

> قبل عبداللہ بابیہ و لہ فی نفسہ محل من العلم احیا علم ابیہ بمسند الذی قرأہ علیہ خصوصا ولم یکتب عن احد الا من امر ابوہ ان یکتب عنہ ۔
>
> ابن عدی کہتے ہیں، عبداللہ اپنے والد کے سامنے ہی مرتبہ کمال کو پہنچ گئے تھے، امام احمد کے دل میں بیٹے کی فضیلت ومنزلت کا احساس تھا، عبداللہ نے مسند کے ذریعہ اپنے والد کے علم کو حیات دوام بخشا، جس کی باپ نے بیٹے کے سامنے خصوصی طور پر قرات کی تھی، عبداللہ نے کسی سے کوئی حدیث اگر لکھی ہے، تو اپنے والد کی اجازت سے۔

(ابن حنبل ص ۱۲۹)

امام عبداللہ نے اکثر وبیشتر روایتیں اپنے والد ہی سے کی ہیں، ابن ابی یعلی

طبقات میں رقم طراز ہیں، صالح نے اپنے والد (امام احمد) سے بہت کم لکھا ہے، لیکن عبداللہ نے اپنے والد سے اتنی زیادہ روایت کی ہے، کہ دنیا میں کوئی ان کا حریف نہیں بن سکتا، انہوں نے مسند، تفسیر، ناسخ ومنسوخ، تاریخ حدیث آیات کتاب اللہ کی تقدیم وتاخیر جو آیات قرآن اور مناسک کبیر وصغیر کا علم حاصل کیا، اس کے علاوہ دوسرے مصنفات اور حدیث شیوخ کا مطالعہ کیا، چنانچہ ہم دیکھتے ہیں، کہ ہمارے اکابر شیوخ عبداللہ کی معرفت رجال اور معرفت فن علل احادیث کے قائل چلے آرہے ہیں، امام عبداللہ طلب حدیث میں ہمیشہ سرگرم رہے، اسے بھی سب مانتے ہیں، غرض سلف سے خلف تک عبداللہ کے علم وفضل اور جلالت شان کا اقرار واعتراف چلا آرہا ہے۔

(ابن حنبل ص ۱۲۹)

امام عبداللہ نے اپنے والد سے مسند کی روایت کی اور ان کا علم لوگوں میں پھیلایا، پھر ان کے بعد وقت کے ثقات وحفاظ سے روایت کا ایک تسلسل قائم ہوگیا، یہاں تک کہ نسلاً بعد نسل اس کا اعادہ ہوتا رہا اور اس میں ایک ایسا دینی اور علمی ذخیرہ رچ گیا جسے وقت کے علما نے حفظ کیا اور سند قبول عطا کی۔

چھ ضخیم جلدوں میں سات سو صحابہ کرام کی مرفوع احادیث کا یہ مجموعہ مسند ہونے کے ساتھ ساتھ یک گونہ مُعجم بھی ہے، کیوں کہ اس میں صحابہ کی ترتیب کے مطابق حدیثیں درج ہیں، مولف کتاب نے یہ بھی التزام کیا ہے، کہ ہر صحابی کی مرویات کو جتنے شیوخ سے سنا ہے، یک جا کردیا ہے، ابتدا عشرہ مبشرہ کی احادیث سے کی گئی ہے، پھر اس کے بعد جو ان سے قریب تر ہوں یہاں تک کہ یہ سلسلہ تابعین تک پہنچ جاتا ہے، پھر ان کی بھی یہی ترتیب قرار پائی، اس کتاب کی جامعیت کا یہ عالم ہے، کہ چند احادیث کے علاوہ تمام متون ومجامع حدیث کی حدیثیں اس میں ہیں۔

مشہور ہے، کہ امام احمد نے ساڑھے سات لاکھ حدیثوں میں سے انتخاب کر کے مسند کی تالیف کی ہے اور کسی ایسے استاذ سے سنی ہوئی حدیث اس میں درج نہیں کی، جس

کے صدق و دیانت پر انہیں یقین و اطمینان نہ تھا۔

حضرت امام احمد بن حنبل ثقہ راویوں کی مرویات کو قید تحریر میں لاتے، انہوں نے اپنے علم میں کسی ضعیف شخص سے روایت نہیں کی، اگر روایت کرنے کے بعد معلوم ہوتا کہ یہ راوی ثقہ نہیں، تو وہ اس کی حدیث ساقط کر دیتے، یہی وجہ ہے، کہ مسند میں برابر حذف و تغییر کا سلسلہ جاری رہا، اپنی اولاد اور مخصوص لوگوں کو پوری مسند املا کرانے کے بعد بھی حذف و تغییر کرتے رہے، مسند کے مقدمہ میں کتاب ''خصائص المسند'' (مصنفہ حافظ ابوموسیٰ مدینی) میں ذکر کیا گیا ہے، کہ:

ومن الدليل لي ان ما اودعه الامام أحمد رحمه الله تعالىٰ مسنده قد احتاط فيه اسنادا ومتنا ولم يورد فيه الا ماصح عنده ما اخبرنا انه روى بالسند المتصل الى ابي هريرة ان النبي صلى الله عليه وسلم قال يهلك امتي هذا الحي من قريش قالوا فما تامرنا يارسول الله قال لو ان الناس اعتزلوهم قال عبدالله قال ابي في مرضه الذي مات فيه اضرب على هذاالحديث فانه خلاف الاحاديث عن النبي صلى الله عليه وسلم .

(ابن حنبل ص ۱۳۱)

امام احمد نے مسند میں بہت محتاط طریقہ اختیار کیا ہے، اسناد میں بھی اور متن میں بھی، وہ صرف وہی روایت اور سند قبول کرتے تھے، جو ان کے نزدیک بالکل صحیح ہو، انہوں نے سند متصل کے ساتھ حضرت ابوہریرہ سے ایک روایت بیان کی، بے شک نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، میری امت اس قبیلہ قریش کی وجہ سے ہلاک ہو جائے گی، لوگوں نے عرض کی، اے اللہ کے رسول! آپ ہمیں کیا حکم دیتے ہیں؟

فرمایا، کاش لوگ ان سے جدا ہو جاتے، عبداللہ نے فرمایا، کہ میرے
والد نے اپنے مرض الموت میں فرمایا، اس حدیث کو (کتاب) سے
کاٹ دو، کیوں کہ یہ حدیث نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف ہے۔

اس سے معلوم ہوا، کہ امام احمد نے مسند کی حدیثوں کی تنقیح کا سلسلہ آخری عمر تک قائم رکھا، وہ ہر ایسی حدیث کو حذف کر دیتے تھے، جس کے بارے میں انہیں یقین ہو جاتا، کہ مشہور صحیح حدیثوں سے اس کا تعارض ہے، امام احمد متن حدیث اور مسند پر نقد کیا کرتے تھے۔

فقہ واجتہاد

امام احمد بن حنبل کی جلالت فی العلم اوران کا زہدوورع، صلاح وتقویٰ سب کے نزدیک مسلم ہے، بلا ریب وہ حدیث کے امام اور فقیہ ومجتہد تھے، لیکن بعض اصحاب علم نے آپ کو فقیہ ومجتہد تسلیم نہیں کیا ہے، ابن جریر طبری نے اپنی کتاب ''اختلاف الفقہاء'' میں امام احمد کے مسلک کا ذکر نہیں کیا ہے، وہ آپ کے بارے میں کہتے ہیں:

انه رجل حديث لا رجل فقه وامتحن لذالك ۔

وہ محدث تھے، فقیہ نہیں تھے، اس لیے انہیں آزمائش میں ڈالا گیا۔

بعض وہ فقہا جو خلافیات کے مسائل میں بحث کرتے ہیں، ان کا ذکر نہیں کرتے، مثلاً طحاوی، دبوسی، نسفی، اصیلی، مالکی اور غزالی وغیرہ نے اختلافی مسائل میں ان کا ذکر نہیں کیا ہے، اسی طرح ابن قتیبہ نے اپنی کتاب ''المعارف'' میں فقہا میں ان کا شمار نہیں کیا ہے، مقدسی نے اپنی کتاب ''احسن التقاسیم'' میں انہیں اصحاب حدیث میں شمار کیا ہے، قاضی عیاض اپنی کتاب ''مدارک'' میں کہتے ہیں:

انه دون الامامة فی الفقه وجودة النظر فی ماخذه ۔

امام احمد، امام فقہ نہ تھے، نہ فقہی ماخذوں پر جودت نظر کے حامل تھے۔

(ابن حنبل ص ۸)

امام احمد کی اجتہادی شان اور ملکہ فقہ کا انکار کرنے والوں کے سامنے صرف حدیث میں ان کی عظمت ورفعت کا اعتراف ہے، بلاشبہ امام کی محدثانہ عبقریت ان کی فقہ پر غالب ہے، وہ ایسے فقیہ تھے، کہ ان کا صلاح وتقویٰ تفقہ پر بھاری تھا، ان کی فقہ

دانی پر حدیث غالب تھی، وہ سنت رسول اور آثار صحابہ کا اتباع کرتے تھے، جس کی بنیاد پر لوگوں کو یہ وہم ہوا کہ وہ صرف محدث تھے، فقیہ نہ تھے، اور وہ دلیل کے طور پر یہ بات کہتے ہیں، کہ فقہ میں امام احمد کی کوئی مستقل تصنیف نہیں، جب کہ اس دور میں تدوین فقہ کا کام بڑی حد تک پایہ تکمیل تک پہنچ چکا تھا، امام محمد بن حسن شیبانی نے فقہ عراق کو جمع کر لیا تھا، قاضی ابو یوسف نے فقہ میں متعدد کتابیں لکھی تھیں، امام شافعی اپنے مسلک اور کتابوں کا املا کرا چکے تھے، جب کہ امام احمد کے یہاں فقہ پر کوئی کتاب نہیں ملتی، اس سے معلوم ہوتا ہے، کہ وہ محدث تھے فقیہ نہ تھے۔

یہ کوئی حیرت کی بات نہیں، کیوں کہ ایسے محدثین جو صاحب رائے وفقہ بھی تھے، جیسے امام بخاری اور امام مسلم، انہیں زمرہ محدثین سے خارج کر کے فقہا کی جماعت میں شامل نہیں کیا گیا، اس لیے کہ اعتبار غلبہ منہاج کا کیا جاتا ہے، جس پر تحدیث غالب ہے، اس میں مخصوص مانا جاتا ہے، اور محدث قرار دیا جاتا ہے، جس کے فتوے زیادہ ہوں اور تفقہ کا غلبہ ہو، وہ فقیہ مانا جاتا ہے، جب کہ وہ حدیث میں بھی ملکہ رکھتا ہو، جس شخصیت میں فقہ وحدیث متوازن طور پر جمع ہیں، وہ امام مالک کی ذات ہے، چوں کہ امام احمد کے یہاں فقہ واجتہاد کی قوت کے باوجود تحدیث کا پلہ غالب تھا، اس لیے باعتبار غلبہ انہیں بعض لوگوں نے صرف محدث ہی تسلیم کیا، فقیہ نہیں مانا، لیکن سچی بات یہ ہے، کہ امام احمد محدث ہونے کے ساتھ ساتھ فقیہ ومجتہد بھی تھے۔

انہوں نے فقہ میں اپنا کوئی اثر نہیں چھوڑا، جب کہ حدیث میں اپنی عظیم کتاب ''المسند'' یادگار چھوڑی بات یہ ہے، کہ انہوں نے فقہی اقوال وآرا اور فتووں کی جمع وتدوین اپنے لائق شاگردوں پر چھوڑ دی تھی، جو ان کے اقوال وفتاویٰ اور افکار وآرا کی جمع وتدوین کیا کرتے تھے، اس طرح وہ فقہی مجموعہ تیار ہو گیا، جو ان کی طرف منسوب ہے اور علمائے ملت نے ان کو مجتہد فی الفقہ تسلیم کیا ہے، حافظ ابن قیم اپنی کتاب ''اعلام الموقعین'' میں لکھتے ہیں:

وعلل ترك احمد تدوين كتاب في الفقه بانه كان شديد الكراهية لتصنيف الكتب في غير الحديث ولكن الله علم حسن نيته فجعل تلاميذه يعنون بتدوين كلامه وفتاويه

(اعلام الموقعین ج اص ۲۲)

امام احمد نے فقہ میں کوئی کتاب اس لیے مدون نہیں کی، کہ حدیث کے علاوہ کسی اور موضوع پر وہ تصنیف کتاب کو سخت ناپسندیدگی کی نظر سے دیکھتے تھے، چوں کہ اللہ تعالیٰ ان کی حسن نیت سے آگاہ تھا، لہٰذا ان کے تلامذہ نے ان کے کلام اور فتویٰ کی تدوین کی طرف پوری پوری توجہ کی۔

حافظ ابن قیم اس مسئلہ پر مزید لکھتے ہیں:

جمع الخلال نصوصه في الجامع الكبير فبلغ نحو عشرين سفرا او اكثر ورويت فتاواه ومسائله وحدث الناس بها قرنا بعد قرن فصارت اماما وقدوة لاهل السنة على اختلاف طبقاتهم حتى ان المخالفين لمذهب بالاجتهاد والمقلدين لغيره ليعظمون نصوصه وفتاواه ويعرفون حقها وقربها من النصوص وفتاوى الصحابة ومن تامل فتاواه وفتاوى الصحابة راى مطابقة كل منهما على الاخرى راى الجميع كانها تخرج من مشكاة واحدة ۔ (اعلام الموقعین ج اص ۲۲)

امام احمد کے نصوص جامع کبیر میں خلال نے بیس جلدوں میں جمع کیے ہیں، ان کے فتوے اور مسائل لوگوں میں ہر زمانے میں تسلیم کیے جاتے رہے، چنانچہ وہ اہل سنت کے امام ورہنما بن گئے، یہاں تک کہ ان کے

مسلک کے مخالف مجتہد اور مقلدین مذاہب بھی ان کے اجتہاد کے آگے سر جھکانے لگے، اور ان کے نصوص وفتاویٰ کی عظمت کے اعتراف پر مجبور ہوگئے، اور یہ ماننے لگے، کہ ان کے افکار وآرا کتاب وسنت اور صحابہ کے فتوؤں سے بہت قریب تھے، جو شخص امام احمد کے فتوؤں اور صحابہ کے فتاوی پر نظر ڈالے گا وہ دونوں کو ایک دوسرے کے مطابق پائے گا اور ان کے بارے میں یہ رائے قائم کرنے پر مجبو رہوگا، کہ یہ سب ایک ہی چراغ کی مختلف کرنیں ہیں۔

امام صاحب کے فقہی مسائل ان کے اصحاب کی روایت سے مدون ہوئے، انہوں نے نصوص وفتاوی کی بڑی تعداد مبسوط وضخیم کتابوں میں نقل کیا، امت نے ان پر اعتماد کیا، اسی طرح فقہ حنبلی کی روایت واشاعت عالم اسلام میں ہوئی۔ اسلامی دنیا میں جو چار فقہی دبستان مشہور ہیں اور جن ائمہ مجتہدین کے فقہی آرا پر امت مسلمہ عمل کر رہی ہے، ان میں ایک امام احمد اور ان کا مکتب فقہ بھی ہے۔ علامہ ابن خلدون لکھتے ہیں:

وقد صار اھل الاسلام الیوم علی تقلید ھؤلاء الائمۃ الاربعۃ۔ (مقدمہ ابن خلدون ص ۴۹۱)

اب مسلمان انہیں چار اماموں کی تقلید کرتے ہیں۔

صاحب مفتاح السعادہ کہتے ہیں، کہ امام احمد ان مجتہدین میں سے ہیں، جن کے اقوال وآرا پر عمل کیا جاتا ہے اور جن کا مذہب اکثر شہروں میں مروج ہے۔

(مفتاح السعادۃ ج ۲ ص ۹۸)

صاحب کشف الظنون تحریر فرماتے ہیں، کہ مشہور مذاہب جن کی صحت مسلم ہے، چار ہیں اور وہ امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعی اور امام احمد کی جانب منسوب ہیں۔

(کشف الظنون ج ۲ ص ۲۰۲)

امام احمد کی فقہی عظمت اور اجتہادی قوت کا اعتراف ملت اسلامیہ کی مقتدر و معتمد

علمی ہستیوں نے کیا ہے:

☆عبدالرزاق:۔ ”مارایت افقه منه ولا اورع“ میں نے امام احمد سے بڑھ کر فقیہ اور صاحب ورع نہیں دیکھا۔ (تہذیب التہذیب ج ا ص ۷۴)

☆ابوعاصم:۔ ”ماجاء نا من ثمة احد غیره یحسن الفقه“ ہمارے یہاں امام احمد کے سوا کوئی شیخ نہیں آیا، جو عمدہ فقہ جانتا ہو۔ (ایضا)

☆امام شافعی:۔ ”خرجت من بغداد وماخلفت بها افقه ولا ازهد ولا اورع ولا اعلم من احمد بن حنبل“ میں بغداد سے نکلا اور میں نے اپنے پیچھے امام احمد سے بڑھ کر فقیہ، زاہد، متقی اور ان سے بڑا عالم کسی کو نہیں چھوڑا۔ (ایضا)

☆احمد بن سعید الرازی:۔ ”مارایت اسود الراس احفظ لحدیث رسول الله صلی الله علیه وسلم ولا اعلم بفقهه ومعانیه من ابی عبدالله احمد بن حنبل“ میں نے کسی نوجوان کو نہیں دیکھا، جو ابو عبداللہ احمد بن حنبل سے بڑا حافظ حدیث وفقہ اور اس کے معانی کا جاننے والا ہو۔ (مناقب امام احمد بن حنبل ص ۹۰)

☆ابوالوفاء علی بن عقیل:۔ ”ومن عجیب ما تسمعه عن هؤلاء الاحداث الجهال انهم یقولون احمد لیس بفقیه لکنه محدث وهذا غایة الجهل لانه قد خرج عنه اختیارات بناها علی الاحادیث بناء لا یعفه اکثرهم وخرج عنه من دقیق الفقه ما لاحد منهم“۔

(مناقب امام احمد بن حنبل ص ۹۱)

ان نوخیز جاہلوں سے تم کیسی عجیب وغریب باتیں سنتے ہو، وہ کہتے ہیں، امام احمد فقیہ نہیں ہیں، بلکہ وہ محدث ہیں اور یہ قول انتہائی جہالت پر مبنی ہے، اس لیے امام احمد سے کچھ ایسے مختار مسائل صادر ہوئے جن کی بنیاد احادیث پر ہے اور اسے اکثر لوگ نہیں جانتے اور ان سے ایسے باریک فقہی مسائل صادر ہوئے جنہیں ہم ان میں سے کسی کے یہاں نہیں پاتے ہیں۔

شغف بالحدیث کے ساتھ ساتھ امام احمد کو فقہ وفتاوی سے بھی گہری دلچسپی تھی، وہ امام شافعی کے خرمن علم کے خوشہ چیں تھے اور ان کی قوت اجتہاد واستنباط سے خوب فیض اٹھایا تھا، وہ امام شافعی کو مجدد اور مجتہد وقت تسلیم کرتے تھے، چنانچہ حدیث وسنت کے انہماک غالب کے ساتھ فقہ وفتاویٰ سے بھی انہیں گہری دلچسپی تھی، وہ حدیث کو عام محدثین کی طرح محض حفظ وضبط پر اکتفا نہ کرتے، بلکہ حدیث کو مفہوم ومقصد، غایت ومرام، معنی اور مطلب کے ساتھ حاصل کرتے تھے، وہ صحابہ اور تابعین کے فتوؤں کی جستجو میں رہتے تھے، مسند اگر چہ حدیثوں کا مجموعہ ہے، مگر اس کے اندر فقہائے صحابہ اور تابعین کے فتاوی کا ایک بڑا ذخیرہ نظر آئے گا، جس کی وجہ یہ ہے، کہ امام احمد بیک وقت محدث اور فقیہ دونوں تھے۔

امام اعظم ابوحنیفہ فرماتے ہیں:

مثل من یطلب الحدیث ولایتفقه مثل الصید لانه یجمع الادویة ولایعرف لای داء ھی حتی یجئ الطبیب ھکذا طالب الحدیث لایعرف وجه حدیثه حتی یجئ الفقیه۔

(ابن حنبل ص ۲۸)

جو حدیث سیکھتا ہے، اور فقہ نہیں جانتا، اس کی مثال اس دوا فروش کی سی ہے، جو دوائیں جمع کرتا رہتا ہے، لیکن یہ نہیں جانتا کہ دوا کس مرض میں کام آئے گی، یہاں تک کہ طبیب آتا ہے اور وہ بتاتا ہے اسی طرح طالب حدیث ہے جو حدیثیں تو یاد کر لیتا ہے، لیکن ان کی ماہیت اور حقیقت سے ناواقف ہوتا ہے، یہاں تک کہ فقیہ آتا ہے اور صحیح بات بتاتا ہے۔

امام احمد محض محدث (عطار) ہی نہ تھے، بلکہ طبیب حاذق (فقیہ ومجتہد) بھی تھے، انہوں نے اپنے ذخیرہ احادیث کی روشنی میں مسائل فقہیہ کا استنباط واجتہاد پوری

علمی و دینی دیانت اور رسوخ فی العلم کے ساتھ کیا۔

مارایت مثل احمد بن حنبل فقالوا له ای شیء بان لك من فضله فقال رجل سئل عن ستين الف مسألة فاجاب فيها حدثنا اخبرنا۔

میں نے امام احمد بن حنبل کا مثیل کسی کو نہیں دیکھا، لوگوں نے پوچھا، کہ وہ کون سی چیز ہے، جس کی بنا پر آپ امام احمد کے فضل کا یوں اعتراف کرتے ہیں، جواب دیا، کہ وہ ایسا شخص ہے، جن سے ساٹھ ہزار مسائل پوچھے گئے تو انہوں نے جوابات حدثنا اور اخبرنا کہہ کر دیا یعنی احادیث واخبار کی روشنی میں دیا۔

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے، کہ امام احمد سے بکثرت فقہی استفسارات کیے گئے جن کے جوابات انہوں نے حدیث واثر کی روشنی میں دیے۔

خراسان، ماوراء النہر، عراق فارس اور ان مقامات کے متصل علاقوں کے لوگ احکام شرعیہ میں امام احمد کے سوا کسی دوسرے پر زیادہ اعتماد نہیں کرتے تھے، جس کی وجہ یہ تھی، کہ آپ کے علم وفضل، ورع وتقویٰ، استقامت فی الدین کی داستان گھر گھر پہنچ چکی تھی، جس نے آپ کی ذات کو ممالک اسلامیہ کے مسلمانوں کا مرکز استفتا بنا دیا تھا اور امام صاحب مسائل کے جواب دیا کرتے تھے۔

اس طرح ان کے فقہی مجتہدات عام ہوئے اور دنیا نے ان کو احترام وعقیدت کے ساتھ محفوظ رکھا اور آنے والی نسلوں تک یہ فقہی میراث منتقل ہوتی رہی۔

فقہ حنبلی کا شیوع

یہ حقیقت ہے، کہ امام احمد نے فقہ میں کوئی مستقل کتاب تحریر نہیں فرمائی، فقہ میں ان کی کتاب مناسک کبیر، مناسک صغیر، نیز نماز پر ایک چھوٹا سا رسالہ یادگار ہیں امام احمد کے یہ رسالے موضوع فقہ سے متعلق ایسے ابواب ہیں، جن میں خبر واثر کی فراوانی ہے،

ان میں رائے، قیاس اور استنباط فقہیہ نظر نہیں آتے، بلکہ صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل کا اتباع ہے۔

امام احمد اس بات کو پسند نہیں کرتے تھے، کہ ان کے اقوال و آرا ضبط تحریر میں لائے جائیں، چنانچہ احمد بن الحسین بن حسان کا بیان ہے، کہ ایک آدمی نے امام احمد سے عرض کیا، میں آپ کے مسائل فقہیہ کو لکھنا چاہتا ہوں، میں بشر ہوں بھول چوک ہو ہی سکتی ہے، امام نے جواب دیا ''لاتکتب فانی اکره ان اکتب رائی واحس مرة بانسان یکتب ومعه الواح فی کمه فقال لاتکتب رایا لعلی اقول الساعة بمسألة ثم ارجع غداعنها'' ہرگز نہ لکھو، میں اسے پسند نہیں کرتا کہ فقہی مسائل پر میری رائے قلم بند کی جائے، میں اس وقت ایک مسئلہ پر کچھ کہتا ہوں، ہوسکتا ہے، کل اس رائے سے رجوع کرلوں۔ (طبقات الحنابلۃ المختصرۃ لابن ابی یعلی ص ۳۷، بحوالہ ابن حنبل ۱۳۵)

امام احمد کا یہ قول ان کی اجتہادی قوت وبصیرت کو ظاہر کرتا ہے، وہ کسی مسئلہ میں اپنے اجتہاد سے بیان کردہ حکم کو آخری حکم اس بنیاد پر تسلیم نہ کرتے تھے، کہ مبادا دوسرے نصوص کی روشنی میں اس حکم کو تبدیل کرنا پڑے، کیوں کہ عمر کے آخری حصے تک اپنے فقہی مسائل و آرا کو مصادر شرعیہ کی کسوٹی پر پرکھنا ہے اور یہی ایک مجتہد کی شان اجتہاد وتفقہ ہے۔

امام احمد کا ورع وتقویٰ اس بات کی اجازت نہیں دیتا تھا، کہ وہ خود اپنی فقہی آرا جمع کریں، یا دوسرے انہیں نقل کریں، لیکن دور ابتلا وآزمائش کے بعد آپ کی شخصیت مرجع انام بن گئی، جوق در جوق لوگ آپ کی زیارت کے لیے آتے اور فقہی استفسارات پیش کرتے، جن کے جواب میں امام صاحب قرآن وحدیث کی روشنی میں فتویٰ دیتے، جہاں یہ نصوص نہیں ملتے، اپنی رائے سے بھی فتوے دیا کرتے، اس طرح ہزاروں کی تعداد میں ارادت مندوں نے امام صاحب کے فقہی اقوال وآرا کو ذہن نشین کیا، انہیں دوسروں تک پہنچایا اور اہل علم نے ان کو کتابوں میں تحریر کیا، اسی طرح امام احمد

کی فقہ کا دفتر مدون ہوگیا، امام احمد کی طرف اس فقہی مجموعہ کی نسبت اہل علم کی ایک بڑی جماعت پشتہا پشت سے قبول کرتی چلی آرہی ہے، اور جب تک بطلان نسبت پر کوئی قوی اور محکم دلیل نہ ہو، ہم اس نسبت کو قبول کرنے سے کیوں کر انکار کر سکتے ہیں، اس لیے کہ ہر دور میں علما کی جماعتوں کا اسے امام احمد کی طرف منسوب مانتے چلے آنا بجائے خود ایک بڑی دلیل ہے، نہ صرف بڑی دلیل بلکہ قوی اور محکم بھی۔

اگر علما میں کچھ ایسے لوگ ہیں، جو آپ کو فقیہ نہیں مانتے، بلکہ محدث شمار کرتے ہیں، تو اس کی وجہ یہ ہے، کہ امام صاحب کے فتاوی اور مسائل کی بنیاد تفریع فقہی اور تخریج فقہی کے مقابلہ میں روایت حدیث سے زیادہ قریب ہوتی تھی۔

امام احمد کے تلامذہ کی بہت بڑی تعداد ہے، ان میں کچھ ایسے ہیں، جنہوں نے صرف حدیث کی نقل و روایت آپ سے کی، بعض ایسے ہیں، جنہوں نے حدیث وفقہ دونوں کی روایت کی، اور ایک بہت بڑی تعداد ایسے اصحاب کی بھی ہے، جنہوں نے امام کی فقہی آرا اور فتووں کی جمع ونقل کا کام کیا، جن میں مشہور ترین ابراہیم الحربی، ابراہیم بن ہانی، اور ان کے بیٹے اسحاق، ابوطالب المشکانی، ابوبکر المروزی ابوبکر الاثرم، ابوالحارث احمد، اسحاب بن منصور الکوسج، اسماعیل الشالنجی، احمد بن محمد الکمالک، ابوالمظفر اسماعیل، بشر بن موسیٰ، بکر بن محمد، حرب الکرسانی، حسن ثواب، الحسن بن زیاد، ابوداؤد السجستانی، عبداللہ، صالح، عبداللہ فوران، عبدالملک یمونی، الفضل بن زیادہ ابوبکر بن محمد بن الحکم، الفرج بن الصباح، محمد بن ابراہیم، مثنی بن جامع، مہنی بن یحیی، ہارون الجمال، یعقوب بن بختان، ابوالصقر یحییٰ ہیں۔ (ابن حنبل ص ۱۳۹)

تصانیف

امام احمد کی درج ذیل مصنفات مشہور ہیں:۔

(۱) کتاب المسند (۲) کتاب التفسیر (۳) کتاب الناسخ والمنسوخ (۴) کتاب التاریخ (۵) کتاب حدیث شفتیه (۶) کتاب

المقدم والمؤخر فی القرآن (۷) کتاب جوابات القرآن (۸) کتاب المناسك الكبير (۹) كتاب المناسك الصغير اور دوسرے مختصر رسائل بھی تصنیف فرمائے۔

ابن ندیم نے امام صاحب کی تصانیف میں مندرجہ ذیل کتابوں کا نام لکھا ہے:

(۱) کتاب العلل (۲) کتاب التفسیر (۳) کتاب الناسخ والمنسوخ (۴) کتاب الزهد (۵) کتاب المسائل (۶) کتاب الفضائل (۷) کتاب الفرائض (۸) کتاب المناسك (۹) کتاب الایمان (۱۰) کتاب الاشربه (۱۱) کتاب طاعة الرسول (۱۲) کتاب الرد علی الجهمیه (۱۳) کتاب المسند جو چالیس ہزار سے زائد احادیث پر مشتمل ہے۔

مسند امام احمد بن حنبل کے بارے میں امام صاحب نے اپنے صاحب زادے عبداللہ سے فرمایا تھا، کہ تم مسند کو محفوظ رکھو، یہ کتاب مسلمانوں کے لیے امام ومقتدا ہوگی، اس میں کل چالیس ہزار احادیث ہیں، جن میں دس ہزار مکررات ہیں ان کو نکال دیا جائے، تو تیس ہزار بچیں گی، تین سو سے زائد ثلاثیات ہیں، یعنی وہ احادیث جن کے سلسلہ سند میں صرف تین راوی ہیں۔

فقہ حنبلی کے اصول استنباط

صاحب اعلام الموقعین لکھتے ہیں: امام احمد نے اپنی فقہ کی بنیاد پانچ چیزوں پر رکھی تھی۔

(۱) نصوص

پہلی چیز جس پر امام احمد انحصار کرتے ہیں، وہ نص ہے، جب آپ کو نص مل جاتی ہے، تو اس کے مطابق فتویٰ دیتے ہیں اور کسی دوسری چیز کی طرف دھیان نہیں دیتے، نص کو صحابہ کرام کے فتاوی پر بھی مقدم رکھتے ہیں۔

(۲) فتاوائے صحابہ

فقہ احمد کی دوسری اصل صحابہ کے فتاوے ہیں، اگر انہیں کسی صحابی کا فتویٰ مل جاتا تھا اور اس فتوے کے خلاف کوئی دوسرا فتویٰ ان کے علم میں نہیں ہوتا تھا، تو اسی پر اکتفا کرتے تھے، ایسے فتوے کو وہ اجماع نہیں قرار دیتے تھے، لیکن چوں کہ ان کی عادت تعبیر میں احتیاط کرنے کی تھی، لہٰذا ایسے موقع پر وہ فرمایا کرتے تھے، کہ میرے علم میں ایسی کوئی چیز نہیں ہے، جو اسے دفع کرتی ہو۔

(۳) اختلاف صحابہ کا فیصلہ

حافظ ابن القیم نے امام احمد کے جن اصول خمسہ کا ذکر کیا ہے، ان کی ایک اصل یہ بھی ہے، کہ اگر کسی مسئلے میں صحابہ مختلف الرائے ہوتے تھے، تو ان میں سے وہ قول قبول کر لیتے تھے، جو کتاب وسنت سے قریب تر ہو، اگر یہ صورت نہ ہو سکتی، تو ان کا اختلاف

ذکر کر دیتے، لیکن کسی صورت میں بھی صحابہ کے اقوال سے خروج نہ فرماتے۔

(۴) حدیث مرسل اور حدیث ضعیف

فقہ احمد کی چوتھی اصل یہ ہے، کہ وہ حدیث مرسل اور حدیث ضعیف کو قبول کر لیتے تھے، اگر مسئلہ زیر بحث میں کوئی دلیل اس کے خلاف نہ ہو تو ایسی صورت میں مرسل اور ضعیف حدیث کو وہ قیاس پر ترجیح دیتے، یاد رہے، کہ یہاں حدیث ضعیف سے مراد باطل اور منکر حدیث نہیں ہے، جس کی سند میں کوئی متہم راوی ہو جو قابل حجت نہ ہو سکتا ہو۔

(۵) قیاس

پانچویں اصل قیاس ہے یعنی اگر کسی مسئلے میں امام احمد کو نص نہ ملتی، نہ کسی صحابی کا قول دستیاب ہوتا اور نہ کوئی مرسل یا ضعیف حدیث ہاتھ آتی، تو قیاس سے کام لیتے تھے، لیکن قیاس کا استعمال وہ شدید اور خاص ضرورت ہی کی صورت میں کرتے تھے۔

(اعلام الموقعین ج ا ص ۲۶)

یہ ہیں، وہ اصول خمسہ جن کا ذکر حافظ ابن القیم نے اپنی کتاب اعلام الموقعین کے شروع میں کیا ہے، لیکن اگر حنابلہ کی کتب اصول کا نظر غائر سے مطالعہ کیا جائے اور حافظ ابن القیم کی متفرق اور مختلف کتابوں کو پیش نظر رکھا جائے، تو ان اصول میں حک و اضافہ ہو سکتا ہے، مثلاً پہلی اصل یہ ہے، کہ نص سے مراد صرف کتاب نہیں بلکہ کتاب وسنت دونوں ہیں، امام احمد بھی امام شافعی کی طرح نص بول کر دونوں کو مراد لیتے ہیں، اس لیے کہ سنت کتاب کی شارح اور اس کے اجمال کی تفصیل کرتی ہے، لہٰذا کتاب وسنت کا قطعاً ایک ہی مرتبہ ہے، اسی طرح دوسرے اصل میں تیسرے کا اور پہلے اصل میں چوتھے کا تداخل ممکن ہے، اگر چہ حافظ ابن القیم کے بیان کردہ طریقے میں بعض مصلحتیں ضرور ہیں لیکن وہ اصل کو مانع نہیں، حافظ ابن القیم کے بیان کردہ اصول اب چار ہی رہ جاتے

ہیں، جو یہ ہیں۔

(۱) کتاب (۲) سنت (۳) فتاوائے صحابہ (۴) قیاس

اضافہ شدہ اصول

ان اصولوں پر جو مزید اضافہ ہو سکتا ہے، وہ یہ ہے:

(۱) استصحاب (۲) مصالح مرسلہ (۳) سد ذرائع

کتب حنابلہ سے یہ بات بھی معلوم ہوتی ہے، کہ امام احمد اجماع کو حجت مانتے تھے، بشرطیکہ وہ واقع ہو چکا ہو اور کسی ایسے معین مسئلے میں ہو، جس کے بارے میں اب تک اجماع نہ ہوا ہو، امام شافعی، ابو یوسف اور خود امام احمد کا مسلک اس بارے میں یہی ہے۔

ذیل میں ان اصولوں سے متعلق تفصیلات پیش کی جاتی ہیں۔

الکتاب

قرآن کریم شریعت اسلامیہ کا ستون، سر چشمہ اول اور اصل واساس ہے، اس میں وہ قواعد اور احکام ہیں، جو زمان ومکان کے تغیر کے ساتھ تغیر پذیر نہیں ہوتے، یہ وہ احکام وقواعد ہیں، جو دنیائے انسانیت کے لیے عمومی اور یکساں طور پر مفید اور نفع بخش ہیں، ان میں کسی فریق کو کسی دوسرے فریق پر کوئی خصوصیت اور امتیاز حاصل نہیں، قرآن کے اندر کلی احکام کا بیان ہے، اسلام کے صحیح عقیدوں کا ذکر ہے، اس میں وہ دلیل محکم ہے، جو اس دین متین کی حجت پر دال ہے۔

قرآن چوں کہ شریعت اسلامیہ کا سر چشمہ اول ہے، لہٰذا شروع ہی سے علما اس کی تعلیم اور دراست پر توجہ کرتے چلے آئے ہیں، انہوں نے اس کی عبارات، اشارات، ظاہر اور نص سے احکام کا استخراج کیا ہے، متشابہ کی تاویل اور مجمل کی تفصیل میں اجتہاد سے کام لیا ہے، وضاحت طلب چیزوں کو کھول کر بیان کیا ہے، قرآن کے عام اور خاص،

ناسخ، منسوخ اور طریق نسخ، کیفیت وقوع نسخ کو وضاحت سے بیان کیا ہے، علما کا ہر گروہ اور طبقہ اس بات پر متفق ہے، کہ اسلام کے شرائع اور قواعد کا مصدر اول قرآن کریم ہی ہے۔

اس جگہ ایک بات میں ہم تھوڑی سی وضاحت چاہتے ہیں، کہ اس میں امام احمد کا نقطہ نظر کیا ہے؟ اور یہ اس لیے کہ یہ مسئلہ فقہ حنبلی کی گویا روح ہے، اور اس بارے میں امام احمد سے بحث بھی مروی ہے۔

حدیث کا مرتبہ

وہ مسئلہ یہ ہے، کہ استنباط احکام کے سلسلہ میں سنت قرآن سے متاخر ہے یا مساوی؟ لیکن تاخر وتساوی کا سوال نفس مرتبہ میں نہیں، اس لیے کہ کسی اہل علم کے نزدیک مرتبے میں سنت قرآن کے مساوی نہیں کیوں کہ اس پر سب کا اتفاق ہے، کہ وہ قرآن سے بلحاظ مرتبہ متاخر ہے، وجہ اس کی یہ ہے، کہ قرآن اسلام کی سب سے پہلی حجت و برہان ہے، وہی اسلام کا اولین سرچشمہ ہے، اور اس لیے بھی کہ سنت اپنی حجیت کے ثبوت میں قرآن مجید کی مرہون منت ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

مَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَلَا مُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُولُهُ أَمْرًا أَنْ يَكُونَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ ۔(الاحزاب)

اللہ اور رسول جب کسی امر کا فیصلہ فرما دیں، تو کسی مرد مومن اور کسی مومنہ عورت کے لیے اس میں چون وچرا کی گنجائش نہیں ہے۔

ایک اور مقام پر اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

مَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا ۔(الحشر)

رسول جو کچھ فرمائیں مان لو جس بات سے منع کریں رک جاؤ۔

خدائے بزرگ و برتر فرماتا ہے:

مَنْ يُطِعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللّٰهَ ۔(النساء)

جس نے رسول کریم کی اطاعت کی، اس نے درحقیقت خدا کی اطاعت کی۔

اس طرح کی متعدد آیتیں قرآن کریم میں موجود ہیں، جو سنت کی حجیت پر دلالت کرتی ہیں اور جب سنت کی حجیت قرآن سے ثابت ہے تو ماننا پڑے گا، کہ اس کا مقام قرآن کے بعد ہے، اس کے برابر اس سے پہلے نہیں کیوں کہ اگر قرآن نہ ہوتا تو سنت کی حجیت کی دلیل کہاں سے ملتی؟

پس اعتباری اور استدلالی طور پر قرآن سے سنت کا متاخر ہونا ایسی بات ہے، جس پر نہ کسی طرح کا شک وشبہ وارد کیا جاسکتا ہے، نہ اہل نظر اس باب میں مختلف الآرا ہیں، بلکہ یہاں موضوع بحث یہ ہے، کہ قرآن سے استخراج احکام کے سلسلہ میں سنت کا وجود لازمی ہے، اس لیے کہ سنت درحقیقت قرآن کا بیان اور اس کی توضیح ہے، چنانچہ خدائے تعالیٰ خود فرماتا ہے:

وَاَنْزَلْنَا اِلَیْكَ الذِّكْرَ لِتُبَیِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَیْهِمْ ۔ (النحل)

یہاں ذکر سے مراد سنت ہی ہے۔

شافعیہ سنت کو قرآن کا بیان اور توضیح مانتے ہیں، چنانچہ اگر ظاہر قرآن سنت کے خلاف ہو تو وہ سنت کو رد نہیں کرتے، بلکہ ظاہر قرآن کے عام کو سنت سے خاص کر دیتے ہیں، وہ قرآن کو سنت سے سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں، اس لیے کہ سنت قرآن کا بیان اور اس کی تفسیر ہے۔

کتاب اور سنت میں تعارض ممکن نہیں

امام احمد اس مسلک پر بڑی سختی کے ساتھ قائم ہیں، کہ سنت نبویہ قرآن کی مفسر ہے، وہ اسے بھی فرض نہیں کرتے، کہ ظاہر قرآن اور سنت میں تعارض واقع ہوسکتا ہے، اس لیے کہ ظاہر قرآن اسی چیز پر محمول کیا جائے گا جس جانب سنت رہنمائی کر رہی ہے، کیوں کہ سنت قرآن کا بیان ہے اور قرآن کے احکام و فقہ کی مفسر ہے، امام احمد نے ایک کتاب ان لوگوں کے رد میں لکھی ہے، جو ظاہر قرآن کو لے لیتے ہیں اور سنت کو ترک

کر دیتے ہیں، اپنی مذکورہ کتاب کے مقدمہ میں وہ تحریر فرماتے ہیں:

خدائے بزرگ و برتر نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اپنی کتاب نازل فرمائی جو اس کی پیروی کرنے والوں کے لیے ہدایت اور نور ہے، خدا نے اپنے رسول کو قرآن کے ظاہر اور باطن، خاص و عام اور ناسخ و منسوخ کا رہنما بنایا، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کتاب الٰہی کی تعبیر اور اس کے مفہوم و معنی کی وضاحت کرنے والے تھے، اس بات کو ان صحابہ نے دیکھا، جنہیں خدا نے اپنے نبی کی رفاقت کے لیے چنا تھا، اور انہوں نے رسول کی تعبیریں نقل کیں، پس وہ لوگ اپنے مشاہدہ کے اعتبار سے سب سے زیادہ اس حقیقت کے آشنا تھے، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد وہی قرآن وسنت کی تعبیر کرنے والے رہ گئے ہیں۔

پھر امام احمد نے بہت سی آیات کریمہ نقل کی ہیں، جو اطاعت رسول پر دال ہیں اور ان لوگوں کی تردید کرتی ہیں، جو ظاہر قرآن کو سنت پر مقدم رکھتے ہیں۔

امور سہ گانہ

اس سے تین امور پر روشنی پڑتی ہے۔

(۱) اول یہ کہ قرآن کا ظاہر سنت پر مقدم نہیں کیا جائے گا، یہ امام احمد کا بہت صاف اور واضح قول ہے۔

(۲) دوم یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی قرآن کے مفسر تھے، آپ کے علاوہ کسی دوسرے شخص کو یہ حق نہیں پہنچتا، کہ وہ آیات قرآنی کی تاویل یا تفسیر کرے، اس لیے صرف سنت ہی قرآن کا بیان ہے، اور یہ بیان سنت کے علاوہ کسی دوسرے طریقے سے نہیں حاصل کیا جا سکتا۔

(۳) سوم یہ کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی اثر مروی نہ ہو تو صرف صحابہ ہی تفسیر قرآن کا حق رکھتے ہیں، اس لیے کہ یہ وہ لوگ ہیں، جن کی آنکھوں کے سامنے قرآن اترا، جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے آیات قرآن کی تاویل سنی

اور جو سنت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت اچھی طرح واقف ہیں، لہٰذا ان کی تفسیر سنت ہی قرار دی جائے گی۔

امام احمد نے اس بات کی تصریح کی ہے، کہ قرآن کی تفسیر صرف اثر سے ہی کی جاسکتی ہے۔

امام احمد اور حنابلہ کی ان نقول سے ہم اس نتیجہ پر پہنچے ہیں، کہ ظاہر قرآن کے محتملات میں سے ایک احتمال کی تعیین سنت ہی سے ہوسکتی ہے، اور اگر کسی جگہ سنت موجود نہ ہو تو قرآن کریم اپنے ظاہر پر رہے گا، مثلاً ایسے الفاظ جو عموم پر دلالت کرتے ہیں، حنابلہ کے نزدیک ان کی ظاہری دلالت عموم پر ہوگی، اور اسی اصول پر کلام کی تفسیر کی جائے گی، البتہ سنت میں کوئی ایسی چیز پائی جائے جو خصوص پر دلالت کرتی ہو تو قرآن کا عام اسی پر محمول کیا جائے گا، بنا بریں سنت خواہ احادیث مستفیضہ پر مشتمل ہو یا متواترہ یا آحاد پر، بہر حال سنت قرآن کے عام کو خاص، اس کے مطلق کو مقید اور اس کے مجمل کی تفسیر کرے گی، کیوں کہ سنت قرآن کا بیان ہے، لہٰذا قرآن اور سنت کے مابین تعارض کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

اس نقطۂ نظر کے مطابق امام احمد سنت کو قرآن پر اس لیے بالا سمجھتے ہیں، کہ وہ اس کی تفسیر کرتی ہے اور اس کے احکام کی وضاحت کرتی ہے۔

شاطبی اس مسئلے پر بحث کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

علما کے نزدیک سنت، کتاب کے مفہوم و معنی کے بارے میں اپنا فیصلہ صادر کرتی ہے، اس کے برعکس کتاب، سنت کے مفہوم و معنی کے بارے میں کوئی فیصلہ نہیں کرتی، اس لیے کہ کتاب یعنی قرآن میں جو مسئلہ بیان کیا گیا ہے، وہ دو یا دو سے زیادہ امور کا محتمل ہوسکتا ہے، وہ سنت ہی ہے، جو ان امور میں سے ایک کی تعیین کرتی ہے، ایسی صورت میں سنت کی طرف رجوع کیا جائے گا، اور قرآن کا ظاہری مقتضا ترک کردیا جائے گا، مثلاً قرآن نے چور کے لیے قطع ید کا حکم صادر فرمایا ہے، لیکن سنت اس عام حکم کو یوں خاص

کرتی اور بتاتی ہے، کہ اتنی مقدار میں چوری کرنے والے کے ہاتھ کاٹے جائیں گے، اس سے کم پر نہیں، زکوۃ کے بارے میں قرآن کا جو حکم ہے، اس کے ظاہر الفاظ سے یہ مفہوم نکلتا ہے، کہ زکوۃ ہر مال پر لی جائے گی، سنت اس عام حکم کو اس طرح خاص کر دیتی ہے، اس قسم کے مال پر زکوۃ لی جائے گی ہر مال پر نہیں، اسی طرح قرآن میں یہ بتانے کے بعد کہ فلاں فلاں عورتوں سے نکاح نہیں کیا جا سکتا فرمایا ہے، ان کے علاوہ جس سے چاہو نکاح کر لو، لیکن سنت یہ بتاتی ہے، کہ کوئی عورت اپنی پھوپھی یا خالہ کی سوت نہیں بن سکتی۔ (موافقات شاطبی ج ۲ ص ۲۹)

سنت

امام احمد کے اصولوں کے مطابق سنت دوسری اصل ہے، یا دوسرے الفاظ میں یوں سمجھیے کہ یہ اصل ثانی اصل اول کا ایک حصہ ہے، جیسا کہ بتایا جا چکا ہے، کہ حافظ ابن قیم نے نصوص صحیحہ مسندہ کے بارے میں بتایا ہے، کہ امام احمد انہیں ایک ہی چیز قرار دیتے ہیں، چنانچہ کتاب اور سنت صحیحہ کو اصل واحد قرار دیا ہے، اس لیے کہ سنت بیان قرآن ہے، اس کی متمم ہے، ان دونوں کے مابین تعارض پیدا ہی نہیں ہو سکتا، اس لیے کہ سنت کی حیثیت تفسیر کی ہے، اگر بظاہر تعارض معلوم ہو تو سنت کی تاویل کر لی جائے گی۔

لیکن سنت کی حیثیت قرآن کے اصل اول ہونے کے منافی نہیں ہے، کیوں کہ قرآن ہی سے حدیث کی حجیت ثابت ہوتی ہے، باقی رہا قرآن کا اعتباری تقدم تو وہ دونوں کے مابین تلاقی سے منافات نہیں رکھتا۔

علامہ شاطبی اس مسئلہ پر گفتگو کرتے ہوئے لکھتے ہیں، اعتباری طور پر قرآن کے مقابلہ میں سنت کا موخر ہونا ثابت ہے، دلیل یہ ہے:

(۱) قرآن مجید اجمالاً وتفصیلاً قطعی ہے اور سنت اگرچہ اجمالاً قطعی ہے، لیکن تفصیلات میں مظنون، ظاہر ہے کہ مقطوع، مظنون پر مقدم ہوتا ہے، لہٰذا ثابت ہوا، کہ سنت پر کتاب تقدم رکھتی ہے۔

(۲) اخبار و آثار سے بھی یہ ثابت ہے، کہ کتاب، سنت پر مقدم ہے، جیسا کہ حدیث معاذ سے واضح ہوتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے معاذ کو یمن بھیجتے وقت دریافت فرمایا، وہاں تم کس طرح امور کا فیصلہ کرو گے؟ معاذ نے کہا، کتاب اللہ سے، آپ نے دریافت فرمایا اگر اس میں وہ بات نہ ملی تو؟ معاذ نے جواب دیا، پھر میں سنت رسول اللہ کی روشنی میں فیصلہ کروں گا۔ آپ نے پھر پوچھا، اور اگر سنت میں بھی نہ پایا پھر؟ معاذ نے عرض کیا، پھر میں اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا۔

قرآن و حدیث کا فرق

تقدم قرآن اور تاخر سنت کے سلسلہ میں یہ امر بھی ملحوظ خاطر رہنا چاہیے، کہ قرآن ہر قسم کے شک وشبہ سے بالا ہے، وہ اس طرح ثابت ہے، کہ پھر کوئی مجال شک باقی نہیں رہتی، لیکن سنت اس وقت قبول کی جاسکتی ہے، جب وہ بالکل موثق ہو، اور مصادر مختلفہ سے ثابت ہو کر مرتبہ تواتر یا شہرت و استفاضہ پر پہنچ چکی ہو، یا خبر واحد ہو تو اس کا صدق وضبط ونقل ہر اعتبار سے پایہ تصدیق کو پہنچ چکا ہو۔

امام احمد اور حدیث مرسل

امام احمد مرسلات کو حجت مانتے ہیں، لیکن صحابی کے فتوے سے اسے موخر رکھتے ہیں، اور اسے احادیث ضعیفہ کے ذیل میں شمار کرتے ہیں، بوقت ضرورت وہ احادیث مرسلہ کو قبول کر لیتے ہیں، اس لیے وہ قیاس ورائے کے مقابلے میں احادیث ضعیفہ کی بنیاد پر فتویٰ دینے کو ترجیح دیتے ہیں۔

اس سے ثابت ہوتا ہے، کہ امام احمد احادیث مرسلہ کو اخبار ضعیفہ میں شمار کرتے تھے، جس کی اصل رد اور عدم قبول ہے، یہی وجہ تھی، کہ وہ صحابی کے فتوے کو اس پر مقدم رکھتے تھے، لیکن حدیث صحیح پر مقدم نہیں رکھتے تھے، یہ تقدیم اس بات کی دلیل ہے، کہ وہ اسے ضعیف سمجھتے تھے، نہ صحیح اس طرح وہ ان محدثین کی طرف میلان رکھتے تھے، جو مرسل

حدیث کو ضعیف حدیث کی مانند مانتے ہیں، اور ضرورت شدید ہی کی صورت میں اس کی بنیاد پر فتویٰ دیتے تھے، لہٰذا ہم کہہ سکتے ہیں، کہ امام احمد مرسلات کے قبول کرنے میں مسامحت سے کام نہیں لیتے تھے، اس لیے کہ اسے ضعیف خیال کرتے تھے اور اگر اس کی بنیاد پر فتویٰ دیتے تھے تو ضرورتاً۔

فتاوائے صحابہ کی حدیث ضعیف پر ترجیح

امام احمد بھی حدیث ضعیف کو صحیح کے مرتبہ میں نہیں رکھتے، بلکہ صحابی کے فتوے کو اس پر ترجیح دیتے ہیں، اپنے بیٹے عبداللہ کی ایک روایت میں انہوں نے اپنے مسلک کی تصریح کی ہے، میرے نزدیک رائے کے مقابلہ میں ضعیف حدیث زیادہ قابل قبول ہے۔ عبداللہ کہتے ہیں:

میں نے اپنے والد (احمد بن حنبل) سے ایک ایسے شخص کے بارے میں دریافت کیا، جو ایک شہر میں رہتا ہے، جہاں ایک محدث ہے، جو صحیح حدیث کو سقیم سے پرکھنے کی استعداد نہیں رکھتا اور ایک (فقیہ) صاحب رائے ہے، اب اگر وہ شخص دین کے معاملہ میں کچھ پوچھنا چاہے تو کس سے پوچھے؟ امام احمد نے جواب دیا، اسے اہل حدیث سے پوچھنا چاہیے، صاحب رائے سے نہ دریافت کرنا چاہیے۔

صحابہ کے فتاویٰ اور مسلک ائمہ اربعہ

ہر امام کی فقہ کی بنیاد صحابہ وتابعین کے فتاوی کے کسی نہ کسی حصے پر ہے، جن سے ان کا فقہی ملکہ پختہ ہوا اور ان ہی کے طریق استنباط پر ہر امام نے اپنے اجتہاد کی گاڑی چلائی، مثلاً امام ابوحنیفہ ہیں، آپ کی عراقی فقہ حضرت ابن مسعود کی طرف منسوب ہے، جس میں انہوں نے بواسطہ حماد، ابراہیم نخعی کے طریقے پر خاص مہارت پیدا کی۔

اسی طرح امام مالک کا فقہی انداز فقہائے سبعہ سے ماخوذ ہے، جسے انہوں نے زہری وغیرہ کے ذریعہ حاصل کیا اور اسی پر اپنے مسلک کی بنیاد رکھی۔

ان دونوں کے بعد امام شافعی آئے، انہوں نے حدیث کی تحصیل پختہ طور پر امام

ابن عیینہ سے کی، بعدہ امام مالک کی فقہ میں ماہر ہوئے اور امام محمد سے مل کر فقہ مدنی اور فقہ عراقی کا تقابلی مطالعہ کیا اور اپنی فطانت وذہانت سے اس موازنہ کو منقح فرما کر لوگوں کے سامنے اجتہاد واستنباط کے قواعد منضبط طور پر پیش کیے اور یہی وہ علم اصول فقہ ہے، جس کی ضبط وتدوین کا سہرا امام شافعی کے سر ہے، رہے امام احمد تو احادیث مرفوعہ، عہد صحابہ کے فیصلے، تابعین، تبع تابعین، ائمہ مجتہدین کے فتاویٰ آپ کے مکتب فکر کا مواد ہے، آپ کی فقہ نے انہی سے غذا پائی، مذکورہ بالا مختلف تخریجات فقہیہ کو بھی آپ نے حاصل کیا، امام شافعی کے طریق استنباط کو خصوصی طور سے اپنایا اور زیادہ تر ان ہی پر اپنے طریق اجتہاد کی بنیاد رکھی۔

دین کی اصل

امام احمد کے سامنے صحابہ کا یہ فقہی مجموعہ برابر رہا کرتا تھا، وہ اس کو حجت مانتے تھے، اگرچہ فتاوائے صحابہ کو حدیث صحیح مرفوع سے دوسرے درجے میں رکھتے تھے اور یہ قطعی ہے، کہ کسی بھی صحابی کے فتوے کی موجودگی میں خود اجتہاد کبھی نہیں کرتے تھے۔

لیکن آپ کے ہاں فتاوائے صحابہ کے دو درجے تھے (۱) کسی صحابی کا ایسا فتویٰ جس کی مخالفت کسی دوسرے صحابی سے منقول نہ ہو (۲) کسی مسئلہ میں صحابہ کے دو یا تین قول ہوں۔

اول الذکر صورت میں حضرت امام مانتے اسی فتوے کو تھے، لیکن اپنے استاذ امام شافعی کی موافقت کرتے ہوئے اسے صحابہ کا اجماعی مسئلہ نہیں قرار دیتے تھے، جیسا کہ حنفیہ کہتے ہیں، اور دوسری صورت کے بارے میں آپ سے مختلف اقوال منقول ہیں، بعض کہتے ہیں، سب ہی کو درست سمجھتے تھے، اندریں صورت وہ متعدد اقوال امام صاحب کے بھی متعدد اقوال سمجھے گئے ہیں، وجہ یہ کہ آپ اس امر کو مناسب نہیں سمجھتے تھے، کہ اپنی رائے سے کسی صحابی کے قول کو مرجوح قرار دیں، کیوں کہ صحابہ تو سب ہی نور نبوت سے مستنیر ہیں۔

اسحاق بن ابراہیم بن ہانی مسائل امام احمد میں کہتے ہیں:

ابوعبداللہ (احمد بن حنبل) سے کہا گیا، کہ ایک شخص ہے، جس سے کسی مختلف فیہ مسئلہ کے بارے میں سوال کیا جاتا ہے، اسے کیا کرنا چاہیے، امام احمد نے جواب دیا، اسے وہ کہنا چاہیے جو کتاب وسنت کے موافق ہو اور جو کتاب وسنت کے موافق نہ ہو اس سے رک جانا چاہیے۔

اس روایت کی بنیاد ظاہر اور واضح ہے، اس لیے کہ کتاب وسنت ہی اسلام کی اصل ہیں، یہ کسی طرح ممکن نہیں ہے، کہ نصوص سے متعلق تمام اقوال ایک ہی درجہ کے ہوں یا فتوے کے موضوع سے پوری مطابقت رکھتے ہوں، پس ضروری ہے، کہ ان میں سے وہ قول اختیار کرلیا جائے جو مسئلہ زیر بحث کے لیے زیادہ مناسب اور نصوص سے زیادہ قریب ہو۔

اقوال صحابہ میں ترجیح کا اصول

اس سلسلے میں امام احمد سے ایک اور روایت بھی مروی ہے، وہ یہ کہ جب اقوال صحابہ میں اختلاف دیکھتے تھے، تو یہ نہیں کرتے تھے، کہ جس قول کو نصوص سے قریب پائیں، اسے اختیار کرلیں، بلکہ سب سے پہلے اقوال خلفاے راشدین کی جستجو کرتے تھے اور انہی کو قول فیصل کی حیثیت سے مان لیتے تھے۔

ایک ادعا اور اس کی تردید

بعض علما نے یہ دعویٰ کیا ہے، کہ امام احمد کو جب کسی صحابی کا فتویٰ مل جاتا، پھر وہ نصوص کی طرف ملتفت اور متوجہ نہیں ہوتے تھے، کیوں کہ صحابی کا فتویٰ انہیں استنباط سے بے نیاز کردیتا تھا، دوسرے الفاظ میں یوں سمجھیے کہ فتواے صحابہ کی موجودگی میں وہ اجتہاد کی ضرورت محسوس نہیں کرتے تھے، لیکن اس زعم باطل کی حافظ ابن قیم نے تردید کی ہے، وہ یہ ثابت کرتے ہیں، کہ امام احمد نص کو صحابی کے فتویٰ پر مقدم رکھتے تھے۔

چنانچہ وہ فرماتے ہیں:

امام احمد کو جب نص مل جاتی تھی، تو وہ اسی کے مطابق فتویٰ دیتے تھے اور کسی

دوسری مخالف چیز کی طرف ملتفت نہیں ہوتے تھے، خواہ وہ قول مخالف کسی کا بھی ہو، جیسا کہ انہوں نے مسلک عمر کے برخلاف مبتوتہ کے بارے میں فاطمہ بنت قیس کی حدیث مان لی ہے، اسی طرح عمار بن یاسر کی حدیث ہے، جو جنبی کے تیمم کے سلسلہ میں مروی ہے، اور حضرت عمر کا فتویٰ جس کے خلاف ہے، اسی طرح انہوں نے ابن عباس اور ایک روایت کے مطابق حضرت علی کا وہ فتویٰ ترک کر دیا، جس میں ایسی حاملہ عورت کی عدت کے بارے میں جس کا شوہر دوران حمل وفات پا گیا ہو، دونوں مدتوں میں سے زیادہ بعید مدت کا اعتبار کیا گیا ہے اور حضرت سبیعۃ الاسلمیہ کی حدیث قبول کر لی، کیوں کہ یہ ان کے نزدیک صحیح تھی۔

اس طرح کی کافی مثالیں تلاش سے دستیاب ہو سکتی ہیں۔

ان تصریحات سے معلوم ہو گیا، کہ امام احمد حدیث مرفوع کی موجودگی میں فتوائے صحابی کو رد کر دیتے تھے۔

کبار تابعین کا فتویٰ قابل قبول ہے

اس اختلاف اور امام احمد کی جانب منسوب روایات کی روشنی میں مشہور قول علمائے حنابلہ کا یہی ہے، کہ امام احمد اکثر مواقع پر اپنی رائے سے تقویٰ اور تورع کی بنا پر گریز کرتے تھے، یہاں تک کہ اگر کوئی ضعیف سا اثر بھی نہ ملتا، تو پھر وہ علمائے حدیث کے فتوے پر عمل کرتے تھے، جیسے امام مالک، امام ثوری، امام سفیان بن عیینہ اور امام اوزاعی وغیرہم۔

بہر حال یہ ثابت ہے، کہ امام احمد کبار تابعین کے فتوے قبول کر لیتے تھے، مثلاً سعید بن مسیب اور مدینہ کے فقہائے سبعہ جن تک حضرت عمر، ابن عمر اور زید بن ثابت کی فقہ پہنچی، لیکن ان اقوال کو وہ اصل فقہی کی حیثیت سے قبول نہیں کرتے تھے، بلکہ ازراہ احتیاط قبول کرتے تھے، خبر ضعیف میں بھی ان کا مسلک یہی تھا، کہ اسے صحیح النسبت نہ جانتے ہوئے بھی قبول کر لیتے تھے، وہ اس کے صدق پر حکم نہیں لگاتے تھے، بلکہ اس لیے

مان لیتے تھے، کہ تقاضائے احتیاط یہ ہے، کہ قیاس کے مقابلہ میں اسے ترجیح دی جائے۔

اجماع

حافظ ابن قیم نے فقہ حنبلی کے اصولوں میں اجماع کو شمار کیا، بلکہ وہ امام احمد سے یہاں تک روایت کرتے ہیں، کہ جو کسی مسئلہ میں اجماع کا ادعا کرتا ہے، وہ جھوٹا ہے، وہ یہ بھی کہتے ہیں، کہ اجماع کا وجود ثابت بھی ہو جائے، تو اس کا علم بڑا مشکل امر ہے، ہم سمجھتے ہیں، کہ مسئلہ اجماع کی تفصیلات سے بچتے ہوئے، امام احمد کے نظریات کی حد تک اس کے وجود، حجیت، مرتبہ حجیت وغیرہ امور پر کچھ گفتگو کریں۔

بحث شروع کرنے سے قبل معلوم ہونا چاہیے، کہ اصول فقہ کے مسائل (جن میں اجماع کا مسئلہ بھی داخل ہے) کے بیان کرنے کے لیے سب سے پہلے جس شخص نے قلم اٹھایا ہے، وہ امام احمد کے استاذ حضرت امام شافعی تھے، انہوں نے اپنی کتاب "ابطال الاستحسان" میں اجماع کی حقیقت یہ بیان کی ہے، کہ جس مسئلہ کو ہم اجماعی کہتے ہیں، اس کا مطلب یہ ہوتا ہے، کہ جن اہل علم سے ہم ملے وہ یوں ہی کہتے تھے اور اپنے سے سابق لوگوں سے بھی اس طرح نقل کرتے تھے، اسی قسم کے اجماع کا امام احمد کو انکار ہے، حنابلہ بھی اجماع کی تعریف قریباً ایسی ہی کرتے ہیں۔

امام احمد وجود اجماع کی مطلق نفی نہیں کرتے

امام احمد اور ان کے استاذ امام شافعی دونوں ایک ہی راستے پر گامزن ہیں، وہ یہ ہے، کہ اجماع حجت ہے، لیکن اگر کوئی شخص اس کا دعوی کرتا ہوا، اس کے بل پر نصوص صریحہ کو چھوڑ دے تو اس کا یہ دعوی قبول نہیں کیا جائے گا، یہ دونوں بزرگ اس بات پر متفق ہیں، کہ جن مسائل کا کوئی اختلافی پہلو سامنے نہ ہو، ان کے بارے میں (اجماع کا دعوی کرنے کے بجائے) یہ کہہ دینا کافی ہے، کہ اس مسلک کے خلاف کوئی بات ہمارے علم میں نہیں ہے، ہاں اگر کسی صاحب علم کے سامنے ایسے مسائل سے سابقہ پڑے جو قرون اولی سے لے کر اس کے زمانے تک مسلمہ چلے آرہے ہیں اور کوئی اختلافی قول

منقول نہیں، اور اس کے مخالف کوئی حدیث بھی موجود نہیں، تو ایسی حالت میں وہی قابل قبول ہے، سب کے خلاف کوئی انوکھا فتویٰ نہیں دینا چاہیے، مگر اس کے مخالف کوئی حدیث مل جانے کی صورت میں اس کو فوراً ترک کر دینا ضروری ہے۔

اب اس معاملہ میں ہم دو امور کا اور ذکر کریں گے:

(۱) یہ کہ امام احمد تمام علمی مسائل میں وجود اجماع کی مطلق نفی نہیں کرتے، بلکہ ان دعاوی کی نفی کرتے ہیں، جو ہم عصر علما ایک دوسرے کے خلاف کرتے ہیں، جیسے امام ابو یوسف نے امام اوزاعی کے دعوے کی نفی کی، یا امام شافعی نے اپنے مناظر کے دعوے کی تردید کی جو اجماع کا نام لے کر حدیث صحیح کا رد کر دینا چاہتا تھا۔

(۲) امام احمد یہ بات مانتے تھے، کہ بہت سے ایسے مسائل ہیں، جن کے بارے میں کسی اختلاف کا علم نہیں اور یہ کہ ایسے مسائل قبول کر لیے جائیں گے اگر کوئی حدیث ان کے بجائے نہ پائی جائے، لیکن ان کے بارے میں اجماع کامل کا دعویٰ نہیں کیا جاسکتا، بلکہ یہی کہا جاسکتا ہے، کہ کسی مخالف قول کا علم نہیں ہے، اور یہ بات بھی تقاضائے ورع وتقویٰ کے علاوہ حق اور امر واقعی بھی ہے۔

مسئلہ پر امر واقع کی حیثیت سے غور

جب یہ بات ہے، کہ امام احمد اجماع کے وجود کے سرے سے مخالف نہیں تھے، وہ مسائل جزئیہ میں دعوائے اجماع کی اس وقت نفی کرتے تھے، جب وہ دلیل کے مقابلہ میں استعمال ہوتا تھا، لہٰذا یہ انکار عقلی طور پر اس کے وجود سے انکار نہیں تھا، جیسا کہ نظام معتزلی اور بعض شیعہ کا خیال ہے، یعنی امام احمد کو انکار اجماع کے وجود سے نہ تھا، البتہ اس کے علم سے انکار ضرور تھا، یہ وجہ تھی، کہ وہ فرمایا کرتے تھے۔ ''مجھے اس کے خلاف کوئی بات معلوم نہیں''۔

اور یہ لفظ جس طرح وجود مخالف کی نفی نہیں کرتا، اسی طرح وجود مخالف کو ثابت بھی نہیں کرتا، جھگڑا جو کچھ تھا، وہ اس کے علم و وقوع کا تھا، نہ کہ وجود کا، امام شافعی نے اس پر

فلسفہ اجتماعی کی حیثیت سے غور کیا ہے اور امام احمد اس پر نفس واقعہ کی حیثیت سے نظر ڈالتے ہیں، اپنے فتاوی میں وہ فلسفیانہ نظر سے کام نہیں لیتے، امر واقعہ کی حیثیت سے غور کرتے ہیں، اسی لیے وہ اس پر اکتفا کر لیتے ہیں، کہ اس مسئلہ کے سلسلہ میں کوئی مخالف بات میرے علم میں نہیں ہے اور اس مدعی کو جھوٹا قرار دیتے ہیں، جو مخالفت کے عدم علم کی وجہ سے اجماع کا دعوی کرنے لگتا ہے، چنانچہ فقہ حنبلی کی کتاب ''المدخل'' میں بیان کیا گیا ہے۔

کسی شخص کو یہ گمان نہیں کرنا چاہیے، کہ امام احمد عقلی طور پر اجماع کے منکر تھے، وہ ایسے اجماع کے علم سے انکار کرتے تھے، جو ایسے خاص واقعہ پر ہوا ہو، جس سے جملہ اقطار اسلامیہ واقف ہو گئے ہیں، ہر مجتہد کو اس کا پتہ چل گیا ہو اور پھر سب نے قول واحد پر اتفاق کر لیا ہو یہ مرحلے طے ہونے کے بعد مدعی اجماع کو اس کا علم بھی ہو گیا ہو، ہر انصاف پسند سمجھ سکتا ہے، کہ ایسا ہونا عادتاً مشکل ہے، ہاں! ایسے اجماع کا علم صرف عہد صحابہ کے متعلق ممکن ہے، کیوں کہ ان دنوں مجتہد کم ہونے کے علاوہ ان کے فتاوی کو محدثین کرام نے خوب نقل و روایت کیا ہے، بنا بریں کسی صاحب عقل کے لیے مناسب نہیں ہے، کہ حضرت امام پر اجماع کے مطلقاً انکار کی تہمت رکھ کر افترا کا ارتکاب کرے۔

بہتر ہوگا، کہ ذیل میں ہم چند ایسے مسائل کا ذکر کر دیں، جنہیں امام احمد نے اس اعتبار سے مانا، کہ ان کی مخالفت میں کوئی قول موجود نہیں تھا، یا اگر تھا، تو وہ شاذ تھا، جس کی کوئی اہمیت نہیں، حافظ ابن قیم نے کچھ ایسے مسائل بیان کیے ہیں، جن کے استنباط کی اساس قیاس ہے، چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

مجمع علیہ قیاس کی ایک مثال کتے کے سوا دوسرے شکاری جانوروں کا استعمال ہے، جو کلاب پر قیاس کر لیا گیا ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَمَا عَلَّمْتُمْ مِنَ الْجَوَارِحِ مُكَلِّبِينَ ۔(المائدۃ)

اسی طرح اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنَاتِ ۔ (النور)

ازروئے قیاس محصنات (پاک دامن عورتوں) میں محصنون (پاک دامن مردوں) کو بھی شامل کرلیا گیا۔

اسی طرح لونڈیوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

فَاِذَآ اُحْصِنَّ فَاِنْ اَتَيْنَ بِفَاحِشَةٍ فَعَلَيْهِنَّ نِصْفُ مَا عَلَى الْمُحْصَنَاتِ مِنَ الْعَذَابِ ۔ (النساء)

اسی ذیل میں غلاموں کو بھی قیاس کر کے شامل کرلیا گیا۔

شاذ اختلاف سے قطع نظر یہ سارے مسائل جمہور علما کے اجماع پر مبنی ہیں۔

ان اجماعات کا امام احمد نے دوسرے فقہا سمیت برابر احترام کیا ہے، اور ان کے خلاف کچھ سوچا ہی نہیں۔

قیاس

اسلامی فقہ میں ایک غیر منصوص حکم کے ساتھ وصف و حکم میں اشتراک کے باعث الحاق کا نام قیاس ہے۔

قیاس ہر اس شخص کے لیے ضروری ہے، جو منصب افتا اختیار کرتا ہے، اس سے کوئی فقیہ بے نیاز نہیں ہوسکتا اور یہ تقاضائے فطرت کے بھی مطابق ہے، کیوں کہ فطرت انسانی چاہتی ہے، کہ جن چیزوں کے اوصاف کے باہم مربوط اور متماثل ہونے پر کافی اسباب موجود ہوں وہ احکام میں بھی مساوی ہوں، منطقی اعتبار سے بھی دیکھا جائے تو یہ ثابت شدہ حقیقت ہے، کہ تماثل (صفات) حکم میں تساوی کا موجب ہے۔

حافظ ابن قیم قیاس کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

قیاس کے استدلال کا مدار اس چیز پر ہے، کہ متماثل چیزوں پر ایک جیسا حکم لگایا جائے اور علتوں میں اختلاف کی صورت میں دونوں کو حکم میں الگ الگ رکھا جائے، اگر متماثل چیزوں پر دو الگ الگ حکم لگائے جائیں، تو استدلال کی بنیاد شکست ہوجائے گی

اور قیاس کا دروازہ بند ہو جائے گا۔

یہ ہے، قیاس کی حقیقت اور جب یہ بات ہے، کہ لوگوں کے حوادث اور مرویات وحالات کبھی ختم ہونے والے نہیں، تو پھر فقہ اسلامی میں قلت یا کثرت کے ساتھ حسب موقع قیاس سے کام لینا بھی ضروری ہے، اور قیاس کی طرف خود قرآن اور حدیث نبوی نے رہنمائی کی ہے، جب کہ ذکر احکام کے ساتھ ان کے اسباب وعلل کی طرف بھی اشارے کیے گئے ہیں، جیسے قرآن کریم میں حیض کو ''اذی'' اور حدیث شریف میں گدھوں کے گوشت کو ''رجس'' فرمایا ہے، اسی طرح اور بھی حدیثیں وارد ہیں۔

لیکن ان امور مقررہ ثابتہ کے باوجود ہم علما کے ایک گروہ کو دیکھتے ہیں، جو قیاس کا انکار اور اس کی نفی کرتا ہے اور ایک دوسرا گروہ ہے جو قیاس کے بارے میں ضرورت سے زیادہ غلو سے کام لیتا ہے۔

امام احمد کا مسلک قیاس کے بارے میں

امام احمد بیک وقت محدث بھی تھے اور فقیہ بھی، انہوں نے جو موقف اس سلسلہ میں اختیار کیا ہے، وہ اعتدال پر مبنی ہے، وہ قیاس کی مطلق نفی نہیں کرتے، جیسا کہ ظاہریہ کرتے ہیں، ظاہریہ صرف نصوص سے استدلال کرتے ہیں اور نص کے علاوہ کسی طرف ملتفت نہیں ہوتے، اس طرح ظاہریہ نے بہت آسان راہ پسند کر لی، کیوں کہ اس طرح لوگوں کے فتویٰ پوچھنے کی مصیبت سے بچ گئے، لوگ مسائل پوچھنے کے لیے ان کی طرف اس طرح دوڑ دوڑ کر نہیں جا سکتے، جس طرح امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعی اور امام احمد کی بارگاہ میں حاضر ہوتے ہیں، امام احمد نے راہ وسط اختیار کی، وہ قیاس صحیح کے قائل ہو گئے، چنانچہ ابن قدامہ حنبلی نے ''روضہ'' میں ان کا قول نقل کیا ہے:

کوئی شخص بھی قیاس سے بے نیاز نہیں ہو سکتا۔

یہ بالکل صحیح اور درست بات ہے، اس لیے کہ قیاس سے کام لیے بغیر کوئی فقیہ افتا کا کام کر ہی نہیں سکتا، وہ قیاس سے کام لینے پر مجبور ہے، اس لیے کہ لوگ ایسے حوادث

سے دوچار ہوتے رہتے ہیں، جن کا جواب منصوص کو پیش نظر رکھ کر اور اس پر قیاس کر کے ہی دیا جاسکتا ہے اور فقیہ کے لیے، یہ کسی صورت سے بھی ممکن نہیں ہے، کہ ہر حادثہ اور واقعہ کے لیے اس کو کتاب یا سنت یا فتوائے صحابہ سے نص اور صراحت مل سکے، پھر جب اسے نص نہیں ملے گی، تو یا تو وہ فتویٰ ہی نہ دے، ایسی صورت میں لوگ بہت بڑی مصیبت سے دوچار ہوں گے اور اپنے اعمال کے سلسلہ میں احکام دین نہیں معلوم کر سکیں گے، اور یا پھر لوگوں کی تکلیف کم کرنے کے خیال سے وہ قیاس سے کام لے۔

امام احمد کے بارے میں بعض علما کا ایک ادعا یہ بھی ہے، کہ وہ قیاس کی نفی کرتے تھے، چنانچہ ان سے روایت بیان کی جاتی ہے، کہ انہوں نے فرمایا:

فقہ مجمل اور قیاس کے بارے میں گفتگو کرنے سے احتراز کرنا چاہیے۔

لیکن قاضی ابویعلیٰ حنبلی امام صاحب کی اس روایت کی تاویل کرتے ہوئے فرماتے ہیں، کہ اگر قیاس کو نص کے مقابلہ میں لایا جائے تو وہ غیر معتبر ہے، بلکہ قیاس فاسد ہے۔

علاوہ ازیں سب ہی حنابلہ اس پر متفق ہیں، کہ امام احمد قیاس سے کام لیتے تھے، یہ لوگ اپنے اس قول کی تائید میں امام احمد کی عبارت، اقوال اور فروع منقولہ پیش کرتے ہیں، ان چیزوں سے یہ بات مستنبط ہوتی ہے، کہ وہ قیاس کی نفی نہیں کرتے تھے، بلکہ اسے مانتے اور اس کے قائل تھے۔

صحابہ کرام اور قیاس

امام احمد کا یہ مسلک کوئی نیا نہیں تھا، بلکہ اتباع پر مبنی تھا، خود صحابہ کرام نے جن پر امام احمد اپنی فقہ کا مدار رکھتے ہیں، قیاس سے کام لیا ہے، ان کے اور امام احمد کے زمانہ میں اگرچہ کافی فاصلہ ہے، لیکن انہوں نے جہاں جہاں قیاس سے کام لیا ہے، وہ منقول ہیں، ان کے بہت سے احکام مستنبطہ قیاس ہی پر مبنی ہیں۔

چنانچہ صاحب اعلام الموقعین لکھتے ہیں:

اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پیش آنے والے حوادث میں اجتہاد سے کام لیا کرتے تھے اور بعض احکام کو بعض احکام پر قیاس کیا کرتے تھے، وہ ایک نظیر سے دوسری نظیر قائم کیا کرتے تھے۔

اسی طرح امام شافعی کے شاگرد مزنی مسئلہ قیاس پر گفتگو کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت سے لے کر آج تک دینی معاملات و مسائل کے احکام میں فقہا برابر قیاس سے کام لیتے رہے ہیں، ان کا اس امر پر اجماع ہے، کہ حق کی نظیر حق ہے اور باطل کی نظیر باطل ہے، لہٰذا قیاس کا انکار جائز نہیں کیوں کہ وہ مماثل اشیا پر مماثل احکام کا نام ہے۔

بہر حال حضرات حنابلہ کی طرح ہم اس بات کو تو مانتے ہیں، کہ امام احمد قیاس سے کام لیتے تھے، البتہ ہم یہ ضرور کہیں گے، کہ اس باب میں وہ توسع کے قائل نہ تھے، شدید ضرورت اور ناگزیر حالت میں وہ اس کا استعمال کرتے تھے، اس معاملہ میں وہ بالکل امام شافعی کے نقش قدم پر چلتے تھے، جیسا کہ خلال کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے، ان کی کتاب میں امام احمد سے منقول ہے، کہ میں نے امام شافعی سے قیاس کے بارے میں استفسار کیا انہوں نے فرمایا، ضرورت کے وقت اس سے کام لیا جاسکتا ہے۔

استصحاب

استصحاب کا شمار بھی اصول فقہ میں ہوتا ہے، ائمہ اربعہ اور ان کے متبعین استصحاب کے اصول پر متفق ہیں، اختلاف جو کچھ ہے، وہ اس بارے میں ہے، کہ کس حد تک اس اصول پر عمل کیا جاسکتا ہے، اس اصول پر جو فقہا سب سے کم عمل کرتے ہیں، وہ حنفیہ ہیں اور سب سے زیادہ جو گروہ اس پر عامل ہے، وہ حنابلہ کا ہے، حنابلہ کے بعد شافعیہ اور ان دونوں کے بین بین مالکیہ۔

بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے، کہ اس پر عمل درآمد کی بنیاد ادلہ شرعیہ میں وسعت پیدا کرنے یا نہ کرنے پر ہے، جو لوگ قیاس اور استحسان کے مفہوموں میں وسعت پیدا

کر لیتے اور عرف کو اس وقت بھی دلیل شرعی مان لیتے ہیں، جب نص موجود نہ ہو، ان کے ہاں ایسے مسائل کی مقدار کم ہے، جن کی بنیاد استصحاب پر ہے، مثلاً حنفیہ اور دوسرے درجے پر مالکیہ، کیوں کہ یہ (مالکی) حضرات مصالح مرسلہ سے استنباط کے قائل ہیں، لہٰذا بہت کم مسائل میں انہوں نے استصحاب کو استعمال کیا ہے۔

لیکن حنابلہ اور شافعیہ چوں کہ قیاس کا اعتبار صرف ضرورت شدیدہ کے موقع پر کرتے ہیں، لہٰذا انہوں نے استنباط مسائل میں اس اصل سے زیادہ کام لیا ہے۔

استصحاب کی حقیقت

استصحاب کے معنی یہ ہیں، کہ جس بات پر زمانہ ماضی سے عمل درآمد ہوتا چلا آرہا ہے، وہ زمانہ حال اور مستقبل میں بھی اپنی اصل پر قائم رہے گی، بشرطیکہ اسے تغیر پذیر کرنے والا کوئی حکم موجود نہ، دوسرے الفاظ میں اس کا مطلب یہ ہوا، کہ جو بات زمانہ ماضی سے ہوتی چلی آرہی ہے، اور اس کے خلاف کوئی چیز نہیں ہے، تو وہ اپنی جگہ پر باقی رہے گی۔

حافظ ابن قیم نے اس کی تعریف یوں کی ہے، کہ جو بات پہلے ثابت ہو، وہ اب بھی ثابت رہے، اور جو پہلے نہ ہو اب بھی نہ ہو، یعنی نفیاً اور اثباتاً کوئی امر پہلی حالت پر قائم رکھا جائے، یہاں تک کہ کوئی ایسی دلیل مل جائے، جو اس میں تغیر کر دے، یعنی یہ استدامت کسی ایجابی دلیل کی محتاج نہیں ہے، بلکہ تغیر پیدا کرنے والی دلیل کی موجودگی بھی اس کے ثبوت کے لیے کافی ہے، اس کی مثال یہ ہے، کہ اگر کسی چیز کی خریداری پر دلیل قائم ہونے کی وجہ سے اس پر کسی شخص کی ملکیت موجود ہو، تو ایسی دلیل کی بنا پر یہ ملکیت اس وقت تک قائم رہے گی، جب تک کسی دوسرے شخص کی طرف نقل ملکیت کی دلیل نہ ثابت ہو جائے، یہ دلیل صرف احتمال بیع سے زائل نہیں ہو سکتی، اصل چیز دلیل ہے، نہ کہ احتمال، اسی طرح شخص مفقود الخبر کا معاملہ ہے، حکم اس کی زندگی پر لگایا جائے گا، جب تک اس کی وفات کا ثبوت نہ مل جائے، یا ایسے آثار نہ پائے جائیں، جو اس کی

وفات کو ظن غالب کی بنا پر یقینی بناتے ہوں، ایسی صورت میں بھی اس کی وفات پر حکم لگا دیا جائے گا۔

جب یہ بات ہے، کہ غلبہ ظن استمرار حال کی بنا پر استمرار حکم کا موجب ہوتا ہے، تو اس قسم کا غلبہ ظن استنباط کے لیے کوئی قوی دلیل نہیں سمجھا گیا، یہی وجہ ہے، کہ اگر کوئی ضعیف ترین دلیل استنباط بھی اس کے مقابلہ میں پائی جائے، تو وہ مقدم قرار دی جائے گی۔ چنانچہ خوارزمی کہتے ہیں:

استصحاب افتا میں بالکل آخری درجہ کی چیز ہے، مفتی سے اگر کسی مسئلہ کے بارے میں استفسار کیا جائے، تو سب سے پہلے وہ اس کا حکم کتاب اللہ ہی میں تلاش کرے گا، پھر سنت نبوی میں، پھر اجماع میں، پھر قیاس میں، اگر ان میں سے کسی میں بھی کوئی حکم نہ ملا، تو وہ نفی اور اثبات ہر صورت میں استصحاب کے مطابق حکم لگائے گا، یعنی مفتی کسی ایسی بات کی نفی کے بارے میں جو زمانہ ماضی سے چلی آ رہی ہے، متردد ہے، کوئی رائے نہیں قائم کر پاتا تو وہ اپنی حالت پر باقی رہے گی اور اگر اس (استصحاب) کے ثبوت کے بارے میں مذبذب ہے، پھر اصل عدم بقا ہے، یعنی وہ چیز اپنی حالت پر قائم نہیں رکھی جائے گی۔

گویا یوں سمجھیے، کہ اگر کسی چیز میں اصل اباحت ہے، تو وہ مباح ہی سمجھی جائے گی، جب تک اس کے حرام ہونے کی دلیل نہ پائی جائے اور اگر کسی چیز میں اصل عدم جواز ہو تو وہ اس وقت تک جائز نہیں قرار دی جائے گی، جب تک اس کی اباحت پر دلیل نہ مل جائے، اسی طرح اگر کسی امر میں اصل وجوب ہو، تو وجوب کا استمرار جاری رہے گا، یہاں تک کہ عدم وجوب پر کوئی دلیل ثابت ہو، اس بنا پر عقود و شروط میں اصل جو ہے، وہ وجوب وفا ہے اور یہ وجوب ان نصوص کے عموم کے مطابق ہے، جن میں ان کے ایفا کا حکم دیا گیا ہے، لہٰذا ہر عقد و شرط میں یہ ضروری و لازمی ہے، خواہ وہ کسی نوعیت کے کیوں نہ ہوں، جب تک ان میں سے کسی کے عدم وجوب وفا پر کوئی دلیل نہ ہو، اسی طرح منافع

اور مصالح کی اصل اباحت ہے، لہٰذا ہر وہ امر جو منفعت پر مشتمل ہو جائز ہے، سوائے اس صورت کے کہ کوئی دلیل اس کے خلاف موجود ہو، اور چوں کہ یہ مذہب اثری ہے، یعنی نقل پر اس کا مدار ہے، اور اتباع سلف پر وہ زیادہ اعتماد کرتا ہے، اور اس پر زیادہ سختی سے عامل ہے، لہٰذا حدیث وخبر سے موافقت رکھنے والی دلیل مثبت پر جہاں یہ زور دیتا ہے، وہاں استصحاب کے باطل کرنے والی مغیر احوال دلیل کے قبول کرنے میں بھی اتنی ہی سختی روا رکھتا ہے، یہی وجہ ہے، کہ فقہ حنبلی میں ایسے احکام بہت زیادہ ہیں، جو استصحاب پر مبنی ہیں، کیوں کہ ان کے اصول کے مطابق استصحاب کو بدلنے کے لیے کسی نص کا ہونا ضروری ہے، اس زریں اصول کا نتیجہ یہ ہے، کہ اس مسلک میں قیود کی کمی اور اطلاقات میں وسعت ہے۔

استصحاب کی چند مثالیں

جو مصادر اسلامیہ سلف صالح سے ثابت ہیں، ان سے استصحاب کا ثبوت ملتا ہے، انہوں نے اسے قبول کیا ہے اور اسے اصل مانا ہے، اب ہم ذیل میں مذہب حنبلی کی مسلمہ چند مثالیں بھی بسلسلہ استصحاب پیش کرتے ہیں:

ذبائح کی اصل تحریم ہے

کوئی شکار قبل اس کے کہ اس پر قابو پایا جائے، پانی میں ڈوب گیا، حنابلہ کا مسلک یہ ہے، کہ اسے نہیں کھایا جاسکتا، اگر چہ اس کے بدن پر تیر کے نشانات کیوں نہ موجود ہوں، اس لیے کہ نہیں معلوم اس کی موت ڈوب کر ہوئی ہے، یا تیر سے؟ ڈوب کر ہوئی ہے تو پھر وہ حلال نہیں، تیر سے ہوئی ہے تو حلال ہے، اور ذبائح میں چوں کہ اصل تحریم ہے، لہٰذا جب تک شکار باقاعدہ ذبح نہ کیا جائے، یا یقینی طور پر تیر سے نہ ہلاک ہوا ہو، حلال نہیں قرار دیا جاسکتا اور یہاں چوں کہ حلال ہونے کا ثبوت موجود نہیں ہے، لہٰذا اصل تحریم قائم رہے گی۔

پانی طاہر اور مطہر ہے

حنابلہ کے نزدیک پانی کی اصل طاہر اور مطہر ہے، لہٰذا جب تک وہ ایسی صورت میں نہ منتقل ہو جائے، کہ حکم بدل جائے، یہ اصل قائم رہے گی، اس کا طاہر اور مطہر ہونا اس وقت تک زائل نہ ہوگا، جب تک رنگ اور بو کا تغیر اس کی نجاست کی دلیل نہ بن جائے، یا کوئی نجس چیز اس میں نہ دیکھ لی جائے۔

مصالح

ان اصولوں کا ہم ذکر کر چکے ہیں، جو حافظ ابن قیم کے بیان کے مطابق امام احمد کے نزدیک استنباط کی بنیاد ہیں، لیکن ابن قیم نے ان اصولوں میں مصالح کا ذکر نہیں کیا ہے، لیکن یہ عدم ذکر اس بات کی دلیل نہیں، کہ ان کے ہاں وہ معتبر نہیں ہے، بلکہ واقعہ یہ ہے، کہ فقہائے حنابلہ مصالح کو بھی اصول استنباط سے مانتے ہیں، اور اس مسلک کی نسبت اپنے امام (احمد) کی طرف کرتے ہیں اور خود حافظ ابن قیم بھی مصالح کو اصول استنباط میں شامل کرتے ہیں، بلکہ وہ تو یہاں تک کہتے ہیں، کہ کوئی امر بھی ایسا نہیں ہے، جسے شارع نے مشروع کیا ہو اور وہ مصالح عباد سے موافقت نہ رکھتا ہو، کیوں کہ امور شرعیہ لوگوں کے معاملات سے متعلق ہیں، اور ان کی بنیاد اثبات مصلحت اور منع فساد و مضرت ہی ہے۔

مصالح مرسلہ کی مثالیں

مصالح مرسلہ کو قبول کرنا اور انہیں اصل فقہی قرار دینا یہی اصول ہے، جس سے نص کی عدم موجودگی میں استنباط کیا جاتا ہے، امام احمد اور ان کے اتباع کا اس پر اتفاق ہے، کہ یہ طریقہ سلف صالحین سے منقول ہے، اس لیے کہ صحابہ کرام نے بھی اس اصول کو برتا ہے، اور اپنے فتاوے میں مصالح مرسلہ کو بنیاد و اساس قرار دیا ہے۔ ذیل میں چند مثالیں ملاحظہ ہوں:

قرآن کا مصحف کی صورت میں جمع کرنا

قرآن کریم مصحف کی صورت میں جمع کرنے کا کام صحابہ ہی نے کیا، حالاں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دورگرامی میں یہ کام انجام نہیں پایا تھا، بعد میں چوں کہ مصلحت اس کی متقاضی ہوئی، لہٰذا اسے انجام دیا گیا، کیوں کہ حفاظ قرآن کی موت نے یہ اندیشہ پیدا کر دیا، کہ کہیں قرآن کریم فراموش ہی نہ ہو جائے، جنگ ردت میں حفاظ قرآن کافی تعداد میں کام آئے، حضرت عمر کو اندیشہ ہوا، کہ اس طرح کہیں حفاظ کی موت قرآن کو فراموش نہ کرادے، انہوں نے حضرت ابوبکر کو رائے دی، کہ اسے مصحف کی صورت میں جمع کر لیا جائے، اس رائے پر تمام صحابہ نے اتفاق کر لیا۔ (ظاہر ہے، یہ اقدام مصلحت پر ہی مبنی تھا)

شرابی کی حد

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد صحابہ نے اس امر پر اتفاق کر لیا، کہ شرابی کی حد اسی کوڑے قرار دی جائے، یہ فیصلہ بھی مصلحت ہی کو پیش نظر رکھ کر کیا گیا، کیوں کہ انہوں نے دیکھا، کہ شراب پینا ذریعہ بن جاتا ہے، افترا اور پاک دامن عورتوں پر قذف (تہمت طرازی) کا، اس لیے کہ شرابی بکواس کرنے لگ جاتا ہے (اور قرآن کریم میں حد قذف چالیس کوڑے مقرر کی گئی ہے)

کاریگر سے تاوان وصول کرنا مصلحت عامہ کا تابع ہے

خلفائے راشدین اس بات پر بھی متفق تھے، کہ کاریگر سے کسی کی چیز ضائع ہو جائے تو اس کا تاوان دینا پڑے گا، اس کی اصل یہ تھی، کہ انہوں نے محسوس کیا کہ اگر ایسا نہ کیا گیا، تو لوگوں کے مال و منال کی حفاظت میں وہ لوگ کوتاہی کریں گے، لہٰذا مصلحت کا تقاضا یہ تھا، کہ ایسا قدم اٹھایا جائے تا کہ صناع (کاریگر) لوگوں کے مال کو حفاظت سے رکھیں، چنانچہ اس بارے میں حضرت علی فرماتے ہیں، اس کے بغیر اصلاح احوال نہیں ہو سکتی۔

ذرائع

ذرائع کا شمار بھی فقہی اصول میں ہوتا ہے، جس پر اپنے امام کی متابعت میں حنابلہ بھی کافی اعتماد کرتے ہیں کیوں کہ امام احمد کے نزدیک فتوے کے اصولوں میں سے ایک اصل یہ بھی ہے۔

ذرائع کی حقیقت یہ ہے، کہ شارع اگر کسی بات پر لوگوں کو مکلف قرار دیتا ہے، تو حصول مقصد کا ہر وسیلہ مطلوب مانا جائے گا، اسی طرح اگر شارع لوگوں کو کسی کام سے روکتا ہے، تو ہر وہ ذریعہ جو اس کے وقوع میں ممد و معاون ہو، حرام مانا جائے گا، چنانچہ ہم دیکھتے ہیں، شارع نے جس چیز سے منع فرمایا ہے، تو ان تمام چیزوں کی بھی نہی فرمادی ہے، جو اس تک پہنچنے کا ذریعہ بن سکتی ہوں، اسی طرح جس چیز کا امر فرمایا ہے، تو ان تمام چیزوں کا بھی امر فرمایا ہے، جو اس تک رسائی میں مددگار ثابت ہوں، مثلاً نماز جمعہ کا حکم دیا، تو اس مقصد کے حصول کی سعی کا بھی حکم دیا، اس وقت خرید و فروخت چھوڑ دینے کا حکم فرمایا، اس لیے کہ نماز جمعہ کے وقت بیع کا بند کر دینا، جمعہ کی طرف جانے کا ذریعہ ہے، اسی طرح شارع نے حکم دیا، کہ لوگ آپس میں مل جل کر رفق و محبت کی زندگی بسر کریں، ساتھ ہی ساتھ بغض و تفرقہ باہمی سے بھی منع فرمایا، اور ایسی تمام چیزیں ممنوع قرار دیں، جو اس راستہ میں حائل ہوں، مثلاً اس کی بھی ممانعت فرمادی، کہ کوئی مسلمان کسی دوسرے مسلمان کی منسوبہ کے لیے پیام شادی دے، یا اس کی لگائی قیمت پر بڑھ چڑھ کے دام لگائے، یا اس کی خریدی ہوئی چیز کا سودا چکانے کی کوشش کرے، یہ ساری ممانعتیں اس لیے ہیں، کہ یہ وداد باہمی کے راستہ میں حائل ہیں، اور بغض و تفرقہ باہمی کا ذریعہ ہیں، ایسے ہی شریعت نے تقسیم میراث کے احکام مرحمت فرمائے، اور ہر اس اقدام سے روک دیا، جو اس تقسیم شرعی میں تغیر اور تبدل کرنے والا ہو چنانچہ وارث کے لیے (جس کا حصہ شریعت مقرر کر چکی ہے) وصیت کی ممانعت فرمائی، ساتھ ہی ساتھ اس سے بھی منع فرمایا، کہ کسی وارث کو اس کے شرعی حصہ سے محروم

کیا جائے، چنانچہ اس اصول پر مہاجرین وانصار کے سابقین اولین نے یہ فتویٰ دیا، کہ مرض الموت میں اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو طلاق بائن دے، تو بھی وہ اس کی وارث قرار دی جائے گی، کیوں کہ اس موقع پر طلاق دینے کا مقصد یہی ہوسکتا ہے، کہ بیوی کو اس کے شرعی حصہ سے محروم کردیا جائے، گو حقیقتاً یہ مقصد نہ ہو، لیکن مانا یہی جائے گا، کیوں کہ مرض الموت میں طلاق دینے کا نتیجہ حرمان ہی ہوسکتا ہے، سوا اس صورت کے کہ اس کے خلاف کوئی وزنی دلیل موجود ہو، مثلاً یہ کہ طلاق خود عورت نے طلب کی ہو، ایسی صورت میں یہ دلیل وزنی مانی جائے گی، کہ طلاق کا مقصد حرمان نہیں تھا۔

ذرائع کی چند مثالیں

مناسب معلوم ہوتا ہے، کہ فقہ حنبلی سے ذرائع کی چند مثالیں پیش کردی جائیں، تاکہ اس مسئلے میں امام احمد کے مسلک کی وضاحت ہوسکے۔

☆ امام احمد اس تاجر سے خریدنا مکروہ (حرام) سمجھتے تھے، جو اپنے پڑوسی تاجر کو نقصان پہنچانے کے لیے قیمت گھٹا کر بیچے، یہ فتویٰ سد ذریعہ پر مبنی ہے، کیوں کہ ایسے شخص سے خریداری کا امتناع، ذریعہ ہے ایک دوسرے مسلمان کو ضرر سے بچانے کا۔

☆ فتنہ وفسا کے زمانہ میں اسلحہ جنگ کا بیچنا بھی امام احمد کے نزدیک حرام ہے، اس لیے کہ ایسے موقع پر ان کا فروخت کرنا شر کی توسیع کا ذریعہ ہے اور ایک طرح کی اعانت علی المعصیت ہے، اس اصول پر امام احمد کے نزدیک ہر وہ اجارہ یا معاوضہ یا بیع حرام ہے، جو کسی گناہ میں مدد ومعاون ہو، جیسے ان لوگوں کے ہاتھ اسلحہ جنگ فروخت کرنا جو مسلمانوں سے لڑ رہے ہوں، یا باغیوں کے ہاتھ ساز وسامان جنگ کی فروخت یا قزاقوں اور رہزنوں سے ہتھیاروں کا سودا کرنا، اسی طرح سرائے اور گھر کا ان لوگوں کو کرائے پر دینا، جو کسی فعل معصیت کے لیے اقامت گزیں ہوں، مثلاً رقص وسرود یا حرام قسم کے کھیل۔ (ماخوذ از ابن حنبل حیاتہ عصرہ ص ۱۶۲ تا ۲۵۲)

فقہ احمد کے ناقلین

امام احمد بن حنبل کی روایات و مسائل کی سماعت کثیر اصحاب علم وفضل نے کی، چند ایسے اصحاب کا ذکر کیا جاتا ہے، جنہوں نے امام احمد کے علم وفقہ کی روایت کرنے میں اہم رول ادا کیا ہے اور ناقلین فقہ حنبلی میں سرفہرست ہیں۔

صالح بن احمد بن حنبل

امام احمد کے سب سے بڑے صاحب زادے ہیں، جن کی تعلیم وتربیت پر امام صاحب نے بڑی توجہ کی تھی، ان کی خواہش تھی، کہ صالح بھی انہیں کی طرح علم وفضل کے ساتھ زہد وورع میں ممتاز مقام حاصل کرلیں، اسی نہج پر ان کی تعلیم وتربیت کی گئی، امام احمد جب کسی متقی کی زیارت کرتے تو اپنے بیٹے صالح کو بھی ان کی زیارت سے بہرہ مند کراتے، صالح کا بیان ہے:

كان ابى يبعث خلفى اذا جاء ه رجل زاهد اورجل صالح لانظر اليه يحب ان اكون مثلهم اويرانى مثلهم ۔

(طبقات ابن ابی یعلی ص ۱۲۶)

جب کوئی زاہد اور صالح شخص میرے والد کے پاس آتا تھا، تو وہ مجھے ضرور بلاتے تھے، کہ میں اس کی زیارت کروں، انہیں اس کی بڑی تمنا رہتی تھی، کہ میں بھی ایسے نیک اور زاہد لوگوں کی طرح بن جاؤں اور وہ مجھے انہیں کی طرح دیکھیں۔

صالح بڑے عالم اور فقیہ تھے، وہ اپنے والد کی روش پر گامزن رہ کر زندگی گزارنا

چاہتے تھے، لیکن کثرت اولاد اور بھاری قرض کے بوجھ کی وجہ سے طرسوس میں منصب قضا قبول کرلیا، اس منصب پر فائز ہوئے تو رونے لگے، کیوں کہ انہوں نے اپنے والد کے نہج کے برخلاف راستہ اختیار کرلیا تھا، جس پر انہیں سخت ملال تھا، وہ کہتے:

اللہ یعلم ماذخلت ھذاالامر الا لدین قد غلبنی و کثرۃ عیال احمد اللہ تعالٰی ۔ (ابن حنبل ص ۱۴۰)

خدا بہتر جانتا ہے، کہ میں یہ منصب ہرگز قبول نہیں کرتا، لیکن قرض اور کثرت عیال نے مجھے مجبور کردیا، بہرحال خدا کا شکر ہے۔

صالح نے فقہ وحدیث کا علم اپنے والد سے حاصل کیا اور دوسرے ارباب علم وفضل سے بھی اکتساب فیض کیا، انہوں نے اپنے والد کے فتووں کو بہت سارے لوگوں تک پہنچایا، ابوبکر الخلال فرماتے ہیں:

سمع من ابیہ مسائل کثیرۃ و کان الناس یکتبون الیہ من خراسان یسال لھم عن المسائل ای انھم کانوا یکتبون الیہ لیسال اباہ عن المسائل ویرسل الیھم بالاجوبۃ التی یتلقاھا وبھذا کان طریقا لنشر فقہ ابیہ فی حیاتہ و من بعدہ ۔ (ایضاً ص ۱۴۰، ۱۴۱)

صالح نے اپنے والد سے بہت سے مسائل حاصل کیے، خراسان سے لوگ لکھ لکھ کر صالح سے مسائل پوچھا کرتے تھے، یعنی وہ لوگ لکھ لکھ کر صالح سے اس لیے مسئلہ پوچھا کرتے تھے، کہ وہ اپنے والد سے ان مسائل کے بارے میں دریافت کریں اور جو کچھ ان سے سیکھیں، انہیں لکھ بھیجیں یہ تھا، وہ طریقہ جو صالح نے اپنے والد کی فقہ پھیلانے میں ان کے حین حیات اوران کی وفات کے بعد اختیار کیا۔

منصب قضا کی بدولت بھی فقہ حنبلی کی اشاعت کا موقع صالح کو میسر آیا، انہیں

مسند قضا پر بیٹھ کر اپنے والد کی فقہ کو عملی صورت میں برتنے کا موقع ہاتھ آیا، جب تک صالح نے یہ منصب قبول نہیں کیا تھا، یہ مذہب نظری حیثیت رکھتا تھا، تجربہ کی کسوٹی پر نہیں چڑھا تھا، صالح کی وفات ۲۶۶ھ میں ہوئی۔

عبداللہ بن حنبل

ان کی ولادت ۲۱۲ھ میں ہوئی، امام احمد نے ان کی تعلیم و تربیت پر بھی خصوصی توجہ مبذول کی، ان کی نگاہ التفات نے عبداللہ کے ذہن و دماغ میں حدیث نبوی کا بے کراں ذوق پیدا کر دیا تھا، وہ اپنے والد کی روایات کے سب سے بڑے ناقل اور مسند احمد بن حنبل کو پایہ تکمیل تک پہنچانے والے بلکہ اس میں اضافہ کرنے والے ہوئے، امام احمد نے آپ کی حدیث دانی کا اعتراف ان الفاظ میں کیا:

ابنی عبداللہ محظوظ من علم الحدیث لایکاد یذاکرنی الا بما لا احفظ۔ (ایضا)

میرے بیٹے عبداللہ کو اللہ نے علم حدیث میں ایسا حصہ دیا ہے، کہ جو بات مجھے یاد نہیں ہوتی، وہ مجھے یاد دلا دیتا ہے۔

حدیث کے ساتھ والد کے فقہی آرا بھی امام عبداللہ نے دوسروں تک پہنچائے، ۲۹۰ھ میں وفات پائی۔

ابوبکر احمد بن محمد ہانی الاثرم

امام احمد کے مشہور اصحاب میں شمار کیے جاتے ہیں، علم فقہ میں پختگی کے بعد امام احمد کے حلقہ درس سے وابستہ ہوئے، اس سے قبل وہ فقہ، تخریج مسائل اور فقہی اختلافات میں مشغول تھے، جب امام صاحب کی بارگاہ میں پہنچے تو حدیث کی سماعت اور نقل و روایت میں معروف ہو گئے، خود فرماتے ہیں:

وکنت احفظ الفقہ والاختلاف فلما صحبت احمد بن

حنبل ترکت کل ذلک ۔

(المنہج الاحمد قلمی بحوالہ ابن حنبل ص ۱۴۱)

پہلے میں فقہ اور خلافیات کے حفظ میں مصروف رہتا تھا، مگر جب امام احمد کی صحبت حاصل ہوئی تو ان سب چیزوں سے جی ہٹ گیا، ابوبکر احمد کے اندر اپنے شیخ ہی جیسا زہد وورع اور ذوق عبادت وریاضت تھا، آپ نے امام احمد کی مرویات اور ان کی فقہ کو روایت کیا، باختلاف روایت ۲۶۰ھ، ۲۶۱ھ، ۲۷۳ھ میں وفات پائی۔

عبدالملک بن عبدالحمید مہرانی المیمونی

آپ نے امام احمد اور دوسرے شیوخ سے حدیث نبوی کا سماع کیا، آپ ۲۰۵ھ سے ۲۲۷ھ تک امام احمد کی خدمت میں رہے، امام کی مرویات کے ساتھ ان کے فتوے بھی لکھ لیا کرتے تھے، یہ بات امام صاحب کے علم میں تھی، مگر آپ نے انہیں منع نہیں کیا، میمون اس امر کو مستحسن خیال کرتے تھے، کہ امام صاحب کے فتاویٰ لکھ لیے جائیں، اس لیے کہ یہ سنت سے ماخوذ ہیں، اس کے معارض نہیں، عبدالملک اصحاب احمد میں آپ کے فقہی مسائل کو سب سے زیادہ ضبط تحریر میں لانے والے ہیں، اس لیے ان کا شمار ان اکابر میں ہوتا ہے، جن کی روایت اعتبار واعتماد کی نظر سے دیکھی جاتی ہے۔

ابوبکر خلال امام سے ان کی نقل کو بہت پسند کرتے اور ان کی نقل کردہ چیزوں یعنی مسائل وروایات پر بہت زیادہ اعتماد کرتے، آپ کی وفات ۲۷۴ھ میں ہوئی۔

احمد بن محمد بن الحجاج ابوبکر المروزی

آپ امام احمد کے مخصوص ومقرب اصحاب میں تھے، امام صاحب کی وفات کے بعد آپ ہی نے غسل دیا، امام صاحب کے نزدیک بڑا اعتبار ووقار حاصل تھا، آپ نے امام صاحب سے ''کتاب الورع'' کی روایت کی، بعض حضرات نے آپ پر جرح کی ہے، جو بربنائے حسد تھی، عبدالوہاب وراق نے اس طعن کو رد کرتے ہوئے لکھا ہے:

ابوبکر ثقہ صدوق لاشک فی ھذا انما یحملھم علی ھذا الحسد ۔ (تاریخ بغداد ج ۴ ص ۴۲۴)

ابوبکر ثقہ ہیں، صدوق ہیں اور اس میں ذرا شبہ نہیں، کہ یہ بات (جرح و نقد) ان کے لیے از راہ حسد کہی گئی ہے۔

ابوبکر مروزی امام احمد کے معتمد علیہ تھے، وہ ان کی نقل پر اتنا ہی بھروسہ کرتے تھے، جتنا ان کی عقل سلیم اور زہد پر، حتی کہ بقول خلال امام احمد فرمایا کرتے تھے:

کل ماقلت علی لسانی فانا قلتہ ۔ (ابن حنبل ص ۱۴۳)

ابوبکر مروزی کی طرف سے مخاطب ہو کر جو بات میری طرف منسوب کر کے کہو گے وہ میں نے کہی ہے۔

ابوبکر مروزی نے امام احمد سے بہت بڑی تعداد میں مسائل روایت کیے ہیں، انہوں نے فقہ کی روایت زیادہ کی ہے، حدیث کی کم، ۲۷۵ھ میں وفات پائی۔

حرب بن اسماعیل الحنظلی الکرمانی

ابتدا میں آپ پر تصوف کا غلبہ تھا، پھر حدیث و فقہ کی تحصیل اپنا شعار بنایا، ابوبکر خلال نے آپ سے بہت سے مسائل کی سماعت کی، ابوبکر خلال کہتے ہیں، کہ حرب نے امام صاحب کی بارگاہ میں آنے سے پہلے ہی چار ہزار مسائل امام احمد اور اسحاق بن راہویہ سے حفظ کر لیے تھے، ملاقات سے پہلے کا جب یہ حال تھا، تو ملاقات کے بعد کتنے مسائل ازبر کیے ہوں گے؟ مروزی امام احمد سے تقرب کے باوجود آپ سے مسائل نقل کرتے ہیں، ابوبکر خلال آپ کی مرویات پر بہت اعتماد کرتے تھے، آپ کی وفات ۲۸۰ھ میں ہوئی۔

ابراہیم بن اسحاق الحربی

تقریباً بیس سال تک امام صاحب کے دامن فضل و کمال سے وابستہ رہے، حدیث و فقہ اور زہد و ورع میں خاص مقام حاصل کیا، یہ اپنے شاگردوں سے کہا کرتے

تھے، کہ جب میں تم سے یہ کہتا ہوں، کہ یہ اصحاب حدیث کا قول ہے، تو میری مراد یہ ہوتی ہے، کہ یہ احمد بن حنبل کا قول ہے، جنہوں نے ہمارے دلوں میں حدیث رسول اقوال صحابہ کا اتباع اور تابعین کی اقتدا کا جذبہ راسخ کر دیا تھا۔

یہ امام احمد کے اصحاب میں سب سے زیادہ مسلک امام احمد سے مشابہت رکھتے تھے، فقہ وحدیث میں کمال مہارت کے علاوہ فن لغت میں بھی ان کا پایہ بہت اونچا تھا، چنانچہ فن لغت کا امام ثعلب کہتا ہے:

مافقدت ابراھیم الحربی من مجلس لغة ۔ (ابن حنبل ص ۱۴۴)

لغت کے متعلق کسی مجلس سے ابراہیم الحربی کو میں نے غیر حاضر نہیں پایا۔

ابن ابی یعلیٰ لکھتے ہیں:

کان اماما فی العلم راسا فی الزهد عارفا بالفقه بصیرا بالاحکام حافظا للحدیث ۔ (ایضا)

یہ علم کے امام، زہد کے سردار، فقہ کے رمز آشنا، احکام فقہی کے واقف کار، حدیث نبوی کے حافظ تھے۔

آپ کی یہ خاص مصنفات مشہور ہیں:

(۱) غریب الحدیث (۲) دلائل النبوۃ (۳) کتاب الحمام (۴) سجود القرآن (۵) ذم الغیبۃ (۶) النہی عن الکذب (۷) المناسک وغیرہ

آپ کی وفات ۲۸۵ھ میں ہوئی۔

احمد بن محمد بن ہارون ابوبکر الخلال

ابوبکر خلال نے امام احمد کے فقہی اقوال و آراان کے فتاوے اور مجتہدات کو اپنی کتاب ''الجامع الکبیر'' کی بیس جلدوں میں جمع کر دیا، جس کی نقل وروایت عالم اسلامی میں عہد بہ عہد ہوتی رہی، خلال، ابوبکر المروزی سے ان کے دم واپسیں تک وابستہ رہے، جنہوں نے خلال کے دل میں فقہ حنبلی کی جمع وتدوین کا جذبہ پیدا کیا، انہوں نے

فقہ احمد کی روایت کو اپنا مقصد اولیں بنالیا، اس کے حصول کے لیے انہوں نے دنیا کا کونہ کونہ چھان مارا، آپ نے امام احمد کا علم ان کی اولاد اور ان کے چچا سے حاصل کیا، اور امام احمد کے مخصوص اصحاب، حرب، کرمانی، میمونی اور دوسرے بہت سے لوگوں سے حاصل کیا، خلال نے نہ صرف فقہ احمد کا بڑا حصہ روایت کیا، بلکہ حکمت و معرفت کی ان باتوں کو بھی حاصل کیا، جو امام احمد تک ان کے پیش رو لوگوں سے پہنچی تھیں، فقہ احمد کے مسائل اور روایات جمع کرنے کے بعد بغداد کی جامع الہدی میں خلال شاگردوں کی ایک جماعت لے کر بیٹھ گئے اور ان کو جمع شدہ ذخیرہ پڑھانا شروع کر دیا، چنانچہ لوگوں نے بیس جلدوں کے اس فقہی مجموعہ کو ہاتھوں ہاتھ لیا، اس کی نقلیں حاصل کرلیں، واقعہ یہ ہے، کہ مذہب حنبل کی نشر و اشاعت باضابطہ یہیں سے شروع ہوتی ہے۔

ابن جوزی فرماتے ہیں:

صرف عنايته الى جمع علوم احمد بن حنبل وسافر لاجلها وكتبها عالية ونازلة وصنفها كتباً ومعنى انه كتبها عالية ونازلة انه روى بعضها عن اصحاب احمد وبعضها عمن روى عنهم ۔ (ابن حنبل ص ۱۴۵)

خلال نے امام احمد بن حنبل کے علوم جمع کرنے کی طرف توجہ کی، اس مقصد کے پیش نظر انہوں نے سفر کی سختیاں جھیلیں، اور جو کچھ حاصل کیا، اسے قلم بند کرلیا، انہوں نے بہت سی کتابیں تصنیف کر ڈالیں، جو اصحاب احمد کی روایات اور اصحاب احمد سے روایت کرنے والوں کی مرویات پر مشتمل تھیں۔

خلال نے امام احمد کے متفرق و منتشر فقہی اقوال اور اجتہادی آرا کو پوری سعی و کوشش سے یکجا کر دیا، خلال کی حدیثی روایات کی طرح ان کی فقہی نقل و روایت پر بھی علمائے اسلام نے اعتماد کیا ہے، ان کے معاصرین ہوں یا بعد میں آنے والے اہل علم کسی

نے ان پر جرح وطعن نہیں کی، جس سے ثابت ہے، کہ وہ نقل فقہ میں بھی مقبول تھے، ان کے معاصرین کا ان کی مرویات فقہ کو قبول کر لینا اس بات کا واضح ثبوت ہے، کہ صدق واحتیاط میں اعلیٰ مقام پر فائز تھے، ان کے معاصرین نے خلال کی تصدیق وتوثیق پر ہی اکتفا نہیں کیا، بلکہ ان سے نقل وروایت بھی کیا، ابو بکر محمد بن الحسن کہتے ہیں:

> کلنا تبع للخلال لانہ لم یسبقہ الی جمعہ وعلم احد ۔ (تاریخ بغداد ج ۵ ص ۱۱۳)
>
> ہم سب خلال کے تابع ہیں، اس لیے کہ جمع روایات اور علم وفضل میں کوئی بھی ان سے بازی نہیں لے جاسکا۔

فقہ حنبلی کے جامع وناقل خلال کے اس عمل کی پیروی بعد میں آنے والے فقہا نے بھی کی، خلال کی کتاب کی شرحیں لکھیں، مختصرات تیار کیے، اور انہی کی بنا پر امام احمد کے اقوال وفتاویٰ کا موازنہ دوسرے اصحاب مذاہب کی فقہ سے کیا جاتا رہا۔

خلال نے ۳۱۱ھ میں وفات پائی۔

عمر بن الحسین الخرقی

ابو بکر خلال کے بعد ان کی تحریروں کی تلخیص بہت سے لوگوں نے کی، لیکن ان میں دو شخصیتیں نہایت اہم ہیں، حسن خرقی، عبدالعزیز بن جعفر، عمر بن حسین خرقی کے بارے میں علیمی لکھتے ہیں:

> عمر بن الحسین الخرقی المتوفی سنۃ ۳۳۴ھ وقد قال فیہ العلیمی احد ائمۃ المذہب کان عالما بازعا فی مذہب ابی عبداللہ وکان ذادین واخاورع رحمہ اللہ قرأ العلم علی من قرأ علی ابی بکر المروزی وحرب الکرمانی وصالح وعبداللہ ابنی امامنا احمد لہ المصنفات الکثیرۃ ۔ (ابن حنبل ص ۱۴۸)

مذہب حنبلی کے ائمہ میں ان کا شمار ہوتا ہے، ابوعبداللہ امام احمد کے مذہب پر انہیں غیر معمولی دسترس تھی، دین کے متوالے اور زہد و ورع کے پیکر تھے، انہوں نے ابوبکر مروزی، حرب الکرمانی، صالح اور عبداللہ احمد بن حنبل کے فرزندان ارجمند کے شاگردوں سے علم حاصل کیا اور بہت سی کتابیں تصنیف کیں، مسائل فقہ کی تخریج میں بھی یہ نمایاں مقام کے حامل ہیں، لیکن افسوس ہے، ان کی تصانیف سے صرف ''مختصر'' ہی شہرت پاسکی۔ ۳۳۴ھ میں وفات پائی۔

امام خرقی نے خلال سے اپنا علم لیا اور اس کی وساطت سے مروزی، صالح اور عبداللہ سے مروی مسائل حاصل کیے اور انہیں اپنی کتاب میں درج کیا۔

خرقی کی ''مختصر'' فقہ حنبلی کی مشہور ترین کتابوں میں ہے، علما نے اس پر بکثرت حاشیے لکھے اور اس کی شرحیں کیں، شرحوں کی تعداد تین سو سے زائد ہیں، خلال کے جمع کردہ مسائل اور فتاوی کا خلاصہ بھی اس میں موجود ہے، بعض علما کے نزدیک اس کے مسائل کی تعداد ایک ہزار تین سو کے قریب ہے۔

''المختصر للخرقی'' کی بہت سی شرحیں لکھی گئیں ان میں سب سے مشہور موفق الدین المقدسی کی شرح ''المغنی'' ہے، جو بارہ ضخیم جلدوں میں پھیلی ہوئی ہے، اس شرح میں صرف المختصر کی عبارت کی شرح اور مدلول ومفہوم کے بیان پر اکتفا نہیں کیا گیا ہے، بلکہ فقہ حنبلی کے اختلاف مذاہب کا بھی ذکر ہے، ادلہ فقہیہ اور آثار صحیحہ ثابتہ کا معتد بہ حصہ بھی اس کے اندر موجود ہے، جن کی صحت وضعف کی طرف اکثر اشارے بھی کیے ہیں اور قوت وضعف کو مدنظر رکھتے ہوئے ترجیح کا پہلو بھی پیش کرتے ہیں، یہ کتاب فقہ اسلامی کے مراجع میں شمار کی جاتی ہے، جس کے مطالعہ سے صرف تقلید ہی نہیں بلکہ اجتہاد وموازنہ کی قوت پیدا ہوتی ہے۔

ابن مفلح حنبلی لکھتے ہیں:

اشتغل الموفق بتاليف احد كتب الاسلام فلبغ الامل فی انهائه وهو كتاب بليغ فی المذهب تعب فيه واجاد وجمل به المذهب وقراه عليه جماعة ۔ (ابن حنبل ص ۱۴۹)

موفق نے مغنی تالیف کرنے کی طرف توجہ کی، اپنی آرزو کو پہنچے، مذہب حنبلی کے بارے میں بڑی خوبی سے اس کے مباحث پر روشنی ڈالی اور مذہب کو نکھار کر پیش کیا۔

عزالدین بن عبدالسلام الشافعی لکھتے ہیں:

مارايت فی كتب الاسلام مثل المحلى و المجلیٰ لا بن حزم و كتاب لمغنی للشيخ موفق الدين فی جودتها وتحقيق مافيها (ایضاص ۱۴۹)

اسلام کی کتابوں میں ابن حزم کی ''محلی'' اور ''مجلی'' اور شیخ موفق الدین کی ''المغنی'' سے بڑھ کر کوئی کتاب جودت فکر اور تحقیق مطالب کے اعتبار سے میری نظر سے نہیں گزری۔

عبدالعزیز بن جعفر غلام الخلال

خلال سے انہوں نے علم کا بڑا حصہ لکھا اور ان کی پیروی مین عمر صرف کردی، مزید براں ان لوگوں سے بھی علم حاصل کیا، جنہوں نے امام احمد کے اصحاب سے کسب فیض کیا تھا، آپ کی جودت فکر اور تبحر علمی کا تذکرہ ابن ابی یعلی کرتے ہیں:

انه كان حاد الفهم موثوقا به فی العلم متسع الرواية مشهورا بالدراية موصوفا بالامانة مذكورا بالعبادة وله المصنفات فی العلوم المختلفة ۔ (ابن جنبل ۱۴۹)

وہ سریع الفہم، علم میں پختہ، روایت میں وسیع اور درایت میں مشہور تھے اور خصوصیت کے ساتھ امانت کی صفت سے متصف تھے، اور عبادت

وریاضت ان کا بہترین مشغلہ تھا، علوم مختلفہ میں ان کی متعدد تصانیف موجود ہیں۔

خلال کے شاگردوں میں یہ ان کے اتباع میں بہت زیادہ حریص تھے، روایت ودرایت کی ترجیح میں جریت فکر سے کام لیتے تھے، یہی وجہ ہے، کہ یہ امام احمد سے مروی روایات اوراقوال کی ترجیح کے سلسلے مین بعض اوقات اپنے استاذ خلال سے بعض مقامات پراختلاف کرتے ہوئے نظر آتے ہیں یہ تخریج مسائل پر بھی قادر تھے، محض مقلد نہیں تھے۔

مذہب حنبلی کے اکابر علمانے اپنے مذہب کی گراں قدر خدمات انجام دیں اور فقہ حنبلی کی اشاعت کے ساتھ افہام وتفہیم کے سلسلہ مین قابل تشکر کام کیا ہے، انہوں نے امام احمد کے مرویات جمع کیے اوراس پر بہت زیادہ توجہ کی، روایت مختلفہ کے مابین ترجیح کا کام اور ان پر تخریج کا سلسلہ قائم کیا اقوال مختلفہ کے مابین قوت وصحت کے اعتبار سے ترتیب قائم کی، پھرانہوں نے ضوابط عامہ وضع کیے، جن سے متفرق فروع کی طرف رہنمائی ہوتی ہے، پھران جلیل القدر حنبلی علمانے صرف اسی پر اکتفانہیں کیا، بلکہ انہوں نے علم اصول پر بھی غور وخوض کیااوروہ اصول منضبط کیے جن پر فقہ حنبلی کی بنیادواساس قائم ہے۔

امام احمد کے مذہب سے متعلق ایسے احکام جن کے بارے میں امام موصوف کی کوئی نص موجود نہیں ہے، ان کے لیے علمانے ''وجہ'' کی اصطلاح وضع کی ہے، یہ علماے مذہب امام احمد کے ایسے فتاویٰ اور اقوال کو تین قسموں پر منقسم کرتے ہیں۔

(۱) روایات (۲) تنبیہات (۳) اوجہ۔

مذہب حنبلی میں مخرجین کے اقوال یعنی ''اوجہ'' اگر چہ امام احمد کے اقوال نہیں ہیں، لیکن تخریجاوہ حنبلی مذہب کے مسائل سمجھے جاتے ہیں، علماے حنابلہ نے امام صاحب کے مسائل پر قیاس کودرست مانا ہے، اگر چہ یہ قیاس کسی منصوص علیہ حکم پر کیوں نہ ہواور نتیجہ خلاف منصوص ہی ہوگویا یہ علما قیاس واستخراج کواحکام منصوص علیہ کے سلسلہ میں بھی جائزاوردرست سمجھتے ہیں۔

حنبلیوں کی قلت تعداد کے اسباب

اسلامی بلاد وامصار میں فقہ حنبلی کی پیروی کرنے والے ہر دور میں کم رہے ہیں، یہاں تک کہ عہد ماضی میں کوئی دور ایسا نہیں آیا، جب ان کی تعداد میں غیر معمولی اضافہ ہوا ہو، اگرچہ اس مذہب میں بڑے بڑے علما بکثرت پیدا ہوتے رہے اور وہ قوت استنباط واستدلال میں کمال رکھتے تھے، ان اوصاف وخصائص کے باوجود یہ مذہب عوام میں قبول عام حاصل نہ کرسکا، چنانچہ کوئی بھی ایسا اسلامی ملک نہیں، جس میں سواد اعظم کا تعامل فقہ حنبلی پر رہا ہو، اس قلت تعداد کا سبب کیا ہے، اصحاب فکر ونظر نے مختلف جہتوں سے جواب دیا ہے، فلسفہ تاریخ کے ماہر علامہ ابن خلدون رقم طراز ہیں:

واما احمد بن حنبل فمقلده قليل لبعد مذهبه عن الاجتهاد واصالته فی معاضدة الرواية والاخبار بعضها للبعض واكثرهم بالشام والعراق من بغداد ونواحيها وهم اكثر الناس حفظا للسنة ورواية للحديث ۔

(مقدمہ ابن خلدون ص۲۲۴)

امام احمد بن حنبل کے مقلد تعداد میں بہت کم ہیں، اس لیے کہ مذہب حنبلی اجتہاد سے بعد رکھتا ہے، ان کے مذہب کی اصل خبر وروایت کی معاضدت میں ہے، ان کی کافی تعداد شام وعراق اور نواحی بغداد میں موجود ہے، روایت حدیث اور حفظ سنت میں یہ دوسرے لوگوں کے مقابلہ میں زیادہ ممتاز اور نمایاں ہیں۔

ابن خلدون نے قلت تعداد کی جو وجہ بتائی ہے، اس سے اختلاف ممکن ہے، لیکن

قلت تعداد سے انکار نہیں کیا جاسکتا، یہ بات بھی سچ ہے، کہ حنبلی علمانے حدیث روایت کی نشر واشاعت میں بہت بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اوران کی فقہ کا زیادہ مدار حدیث واثر پر رہا، انہوں نے صرف درپیش مسائل ہی میں اجتہاد کیا، آئندہ پیش آنے والے مسائل کی طرف توجہ نہیں کی اور نہ پہلے سے اس کے لیے تیار رہے، اس لیے اقوام عالم کے باہمی ربط واتصال اور تہذیب وتمدن کے پھیلاؤ نے ہزاروں نئے مسائل پیدا کردیے، جن کے فی الفور جواب سے فقہ حنبلی کا دامن خالی رہا، عوام کی ضروریات کے معیار پر پورا نہ اترنے کی وجہ سے اس مذہب کی اشاعت محدود دائرے میں سمٹ کر رہ گئی۔

ایک دوسری وجہ یہ بھی ہے، کہ مذاہب اربعہ میں فقہ حنبلی چوتھے درجے پر ہے، جس زمانے میں فقہ حنبلی تدوین وترتیب کے مرحلے سے گزر رہی تھی، عالم اسلامی میں ائمہ ثلاثہ کا مذہب پھیل چکا تھا، اوران کے ماننے والوں کے وسیع ومضبوط حلقے قائم ہوچکے تھے، جب فقہ حنبلی کی تدوین ہوچکی تو اس وقت اسلامی بلاد وامصار کی اکثریت نے ائمہ ثلاثہ کی فقہ کو پورے طور پر اختیار کرلیا تھا۔

ائمہ ثلاثہ کے فقہائے قضاۃ نے اسلامی شہروں کے منصب قضا کو اختیار کیا، تاکہ مسلمانوں کی صحیح دینی رہنمائی ہوسکے اور وہ اسلامی قانون کے دائرے میں رہ کر عبادات ومعاملات انجام دے سکیں، ان فقہا اور مجتہدین کے اثرات عوام پر پڑے اور انہوں نے ان کے اجتہادی مسلک کو اختیار کرلیا اس کے برخلاف حنبلی فقہا اور علما سرکاری عہدوں اور مناصب قضا سے دور بھاگتے رہے، جس کی بنا پر وہ عوام سے ربط وضبط قائم نہ کرسکے، اس طرح ان کی دوری صرف خلفا وامرا سے ہی نہیں بلکہ عوام الناس سے بھی قائم رہی، علما وفقہا کا تقشف اوران کی کم آمیزی مسلک حنبلی کے فروغ میں بڑی رکاوٹ ثابت ہوئی۔

ابن عقیل حنبلی لکھتے ہیں:

هذا المذهب انما ظلمه اصحابه لان اصحاب ابی حنیفة والشافعی اذا برع احدمنهم فی العلم تولی القضاء وغیره

من الولايات فكانت الولاية سببا لتدريسه واشتغاله بالعلم فاما اصحاب احمد فانه قل منهم من تعلق بطرف من العلم الا يخرجه ذلك الى التبعد والزهد لغلبة الخير على القوم فينقطعون عن التشاغل .

اس مذہب حنبلی سے خود ان کے حاملین نے انصاف نہیں کیا، جب کہ اصحاب ابوحنیفہ اور شافعی میں سے جن لوگوں نے علم وفضل میں کمال حاصل کیا، منصب قضا وغیرہ کی ذمہ داری سنبھال لی، ان کے یہ عہدے درس وتدریس اور اشاعت علم کے لیے موثر سبب بن گئے، لیکن امام احمد کے اصحاب میں جس نے بھی علم میں کمال حاصل کیا زہد وورع کو اختیار کرتے ہوئے علمی مشاغل ترک کر کے گوشہ نشیں ہو گیا۔

شیخ الاسلام ابوالوفاء علی بن عقیل بغدادی متوفی ۵۱۳ھ سے حنابلہ کے بارے میں سوال کیا گیا کہ دوسرے فقہی مذاہب والوں کے مقابلہ میں حنبلی علما اپنے مسلک کی ترویج واشاعت میں کیوں پیچھے رہے؟ انہوں نے جواب میں لکھا، کہ حنابلہ سخت ہوتے ہیں، جس کی وجہ سے ان کا میل جول دوسروں سے کم ہوتا ہے، وہ بڑوں کے یہاں آنے جانے سے پرہیز کرتے ہیں، حقیقت پسندی ان پر غالب ہے، آرا کے مقابلے میں روایات لیتے ہیں، تاویل سے بچنے کے لیے ظاہری معنی پر عمل کرتے ہیں، ان پر اعمال صالحہ کا غلبہ ہے، اس لیے عقلی علوم سے اجتناب کرتے ہیں، فروعات میں ظاہر کو لیتے ہیں، ظاہری آیات واحادیث کو بغیر تاویل کے قبول کرتے ہیں، اس لیے ان پر تشبیہ کا الزام لگایا گیا ہے۔ (طبقات الحنابلہ ابن ابی یعلی ص ۱۲۶)

عوام میں مذہب حنبلی کی قلت کا ایک اہم سبب یہ بھی ہے، کہ امام احمد اور ان کے اصحاب ارباب اقتدار کے مظالم کا نشانہ بنے، ابتلا وآزمائش کی سختیاں انہیں جھیلنی پڑیں، جس کی وجہ سے متبعین امام احمد کے اندر تشدد اور تعصب کا رنگ غالب آ گیا اور عام طور پر

حنبلیوں سے تعصب وتشدد کے مظاہرے ہوئے بغداد اور عراق میں حنبلیوں کے اس تعصب نے بڑی نازک صورت پیدا کردی تھی، مناقشہ اور پے کار کا موضوع خلق قرآن کا مسئلہ تھا، حنبلی عوام نے اس موضوع پر واقفیت کے بغیر جھگڑنا شروع کیا، نوبت یہاں تک پہنچ گئی، کہ جو شخص قرآن کے مخلوق نہ ہونے کا قائل ہو اس کی بات قابل قبول اور اگر کوئی شخص اس مسئلہ پر تردد کا اظہار کرے، گو تحقیق کی غرض سے کیوں نہ ہو، تو اس کی بات رد اور ناقابل قبول ہوگی، حنبلیوں کے مزاج میں ایسی حدت اور شدت پیدا ہوئی، کہ وہ مسئلہ خلق قرآن اور صفات باری میں ایسی روش پر گامزن ہوگئے، جو دلیل اور برہان سے خالی تھی، اپنے مسلک سے تجاوز کرنے والوں کو کافر اور بدعتی گرداننے لگے، اصول تو اصول فروع فقہی میں بھی حنابلہ کے تشدد نے نازک صورت پیدا کردی، متعدد مواقع پر ان کے تشدد نے فتنہ وفساد کی صورت اختیار کرلی، چنانچہ ۳۲۳ھ میں رونما ہونے والا فتنہ حنابلہ کے تشدد ہی کا شاخسانہ تھا، جس کی تفصیل ابن اثیر نے اپنی تاریخ میں اس طرح درج کی ہے:

۳۲۳ھ میں حنابلہ کی قوت بڑھ گئی ان کا اثر واقتدار عوام وخواص پر قائم ہوگیا، ان کی حالت یہ تھی، کہ جس کے پاس نبیذ دیکھتے تھے، اسے چھین کر بہا دیتے تھے، اور اگر کوئی مغنیہ نظر آجاتی، تو اسے مارنے لگتے، اور نغمہ وموسیقی کے آلات توڑ پھوڑ دیتے تھے، بیع وشرا کے معاملات میں بھی الجھتے تھے، لوگوں کو اگر عورتوں یا لڑکوں کے ساتھ آتے جاتے دیکھتے تھے، تو معترض ہوتے تھے، اور وہیں روک کر سوال کرنے لگتے تھے، کہ تمہارے ساتھ کون ہے؟ اگر وہ ٹھیک ٹھیک بتا دیتا تو خیر ورنہ اس کی شامت آجاتی، اور وہ بھی پٹتا اور پیٹ پاٹ کر اسے پولیس کی چوکی میں پہنچا دیتے، اور اس پر کار فحش کی گواہی گزار دیتے اور اسے سزا دلواتے آخر حالات یہاں تک پہنچے، کہ بغداد ان کی فتنہ سامانیوں کا مرکز بن گیا، چنانچہ بدر الخرشنی جو پولیس کا سب سے بڑا افسر تھا، ۱۰؍جمادی الاخری کو گھوڑے پر سوار ہو کر بغداد کے دونوں کونوں پر پہنچا اور اس نے حنابلہ کو حکم دیا، کہ دو سے زیادہ آدمی جمع نہ ہوں، مناظرہ نہ کریں، امامت وہی شخص کرے، جو نماز فجر اور مغرب

اور عشا میں بسم اللہ باآواز بلند پڑھے، لیکن اس کے باوجود فتنہ وفساد میں کمی نہیں آئی، ان کا شر اور فتنہ بڑھتا ہی رہا، جو اندھے مسجدوں میں پناہ گزیں تھے، حنابلہ نے ان کو تیار کیا، اور جب کوئی شافع ادھر سے گزرتا، یہ اندھے حسب ہدایت اپنے ڈنڈے لے کر اس پر ٹوٹ پڑتے اور خوب پیٹتے، یہاں تک کہ وہ لب مرگ ہو جاتا، پھر الراضی کا فرمان صادر ہوا، جس میں حنابلہ کے افعال کی مذمت کی گئی تھی اور ان کے اعتقاد تشبیہ وغیرہ پر لے دے کی گئی تھی، اس فرمان میں کہا گیا تھا، کہ امیر المومنین الراضی خدا کی قسم کھا کر اور اس قسم کی پابندی کا عہد کر کے کہتے ہیں، کہ اگر تم اپنے اس مذموم مذہب سے دست بردار نہ ہوئے اور گمراہی کی ان باتوں سے کنارہ کش نہ ہوئے، تو پھر تمہارے لئے ضرب شدید اور قتل وغارت اور ہلاکت اور ایذا رسانی کے دروازے کھول دیے جائیں گے، تلواریں تمہاری گردنوں پر چمکیں گی، اور آگ تمہارے گھروں اور قیام گاہوں میں بھڑکا دی جائے گی۔

اس تفصیل سے اندازہ ہوتا ہے، کہ عامہ حنابلہ کس قدر تشدد اور سختی پر اتر آئے تھے، یہاں تک کہ حکومت کو سختی کرنا پڑی اور شوافع ان کی مخالفت میں صف آرا ہو گئے جب کہ انہیں کو ان دنوں حکومت کے یہاں قدر و منزلت حاصل تھی ان حالات نے حنابلہ کے بہت سے دشمن پیدا کر دیے اور ان دشمنوں نے انہیں نیچا دکھانے ذلیل کرنے اور ان کی تعداد کم کرنے کی جد وجہد شروع کر دی، عوام بھی ان کے مخالف ہو گئے اور وہ فقہا بھی جو جدل ومناظرہ کے میدان میں سرگرم کار تھے، یعنی شوافع علمائے کلام بھی ان کے پیچھے پڑ گئے خود بعض اہل سنت کو بھی جب حنابلہ میں حشوی افکار نے جگہ پالی ان سے بیر ہو گیا اور سب سے آخر میں حکومت وقت بھی اپنی پوری قوت اور طاقت سے ان کا استیصال کرنے پر تل گئی، اس طرح سے مذہب حنبلی کی اشاعت میں غیر معمولی رکاوٹ پیدا ہو گئی۔

حنبلیوں کے تشدد و تعصب کے رد عمل میں عامۃ المسلمین بھی ان سے گریز کرنے لگے اور یہ خلیج پٹنے کے بجائے وسیع ہوتی چلی گئی، جس کے نتیجے میں عوام حنبلی مسلک سے دور رہے اور حنبلیوں کی تعداد اسلامی ملکوں میں دوسرے ائمہ کے ماننے والوں کی بہ نسبت سمٹتی چلی گئی۔

امام احمد بن حنبل اور عقائد اہل سنت کی وضاحت

امام احمد کے دور میں جو فرقے محدثین وفقہا اور مسلک سواد اعظم کے علی الرغم وجود میں آچکے تھے اور جنہوں نے اسلامی معاشرے میں اپنی جڑیں پھیلا دی تھیں، اپنے باطل عقیدہ ومسلک کی اشاعت میں مصروف تھے، ان میں شیعہ، خوارج، قدریہ، جہمیہ، مرجیئہ پانچ اہم فرقے ہیں۔

ان باطل فرقوں کی وجہ سے امام احمد کا زمانہ اسلام میں مختلف باطل فرقوں کے شیوع اور کلامی بحث ونظر کی باہمی آمیزش اور جدل ومناظرہ کا دور تھا، نزاع وخصومت کے اکھاڑے جگہ جگہ قائم تھے، اسلامی افکار وعقائد کے سلسلے میں عقلی موشگافیوں کا بازار گرم تھا، اور تمام باطل فرقے سلف صالحین کی روش سے ہٹ کر پیچیدہ راستہ اختیار کر رہے تھے، سیدھے سادے عقائد کو فلسفیانہ توجیہات نے الجھا کر رکھ دیا تھا، جدل وپے کار کا ہنگامہ اسلامی معاشرے کو اپنی گرفت میں لے رہا تھا، جدل وپے کار کے نتیجے میں حقائق تک رسائی ناممکن ہو رہی تھی، امام احمد بن حنبل جدل وپے کار اور نزاع وخصومت کی ڈگر سے ہٹ کر کتاب وسنت کی روشنی میں سلف صالحین کے قائم کردہ نہج پر گامزن تھے، ان کا خیال تھا، کہ جس نے علوم دینیہ میں جدل وپے کار کو دخل دیا، تو گویا اس نے اپنے دین کو خصومات کا ہدف اور طعن واعتراض کا نشانہ بنا لیا، امام احمد نے صرف دراسات نبوی کو اپنا شعار بنایا تھا، امام احمد اپنے دور کے تمام نزاعی افکار وخیالات سے الگ رہے، وہ جانتے تھے، کہ ان باتوں میں الجھنے سے فائدہ کم ہے، نقصان زیادہ، شر کا پہلو غالب ہے اور خیر کا پہلو اگر ہے بھی تو نہ ہونے کے برابر، لیکن زمانہ کے ڈھنگ بھی

نرالے ہیں، ماہ وسال کی گردش نے حالات ایسے پیدا کر دیے، کہ امام احمد اپنی سرگرمیاں صرف علم دین تک محدود نہ رکھ سکے، انہیں اضطراب فکر، اختلاف خیال اور حرب عقائد کی معرکہ آرائیوں میں بادل ناخواستہ حصہ لینا پڑا اس سلسلے میں مسئلہ خلق قرآن کے رد میں امام صاحب کی مساعی جمیلہ اور ابتلا و آزمائش کی تفصیل گزر چکی ہے، انہوں نے قرآن کے سلسلے میں سلف کے عقیدے کو نزاع وپے کار کے بغیر بیان کر دیا ہے اور انہوں نے یہ اعلان کر کے ہر مصیبت جھیلی، کہ خلق قرآن کا عقیدہ بدعت ہے اور اس کا انکار ورد ضرور ہے، انہوں نے اپنے عہد کے اقتدار اعلیٰ کے روبرو سچا عقیدہ بیان فرما دیا:

بان القرآن کلام اللہ و کلام اللہ غیر خلق اللہ بان القرآن امر والامر غیر المخلوق وبان القرآن من علم اللہ سبحانہ وتعالیٰ وعلم اللہ غیر خلقہ وقد آخذ ھذا کلہ من نصوص الکتاب ومن احادیث النبی صلی اللہ علیہ وسلم واخبار الصحابۃ والتابعین ۔ (ابن حنبل ص ۱۱۱)

قرآن خدا کا کلام ہے اور خدا کا کلام غیر مخلوق ہے، قرآن امر ہے اور امر غیر مخلوق ہے، قرآن خدائے سبحانہ تعالیٰ کا علم ہے اور علم الٰہی غیر مخلوق ہے، یہ تمام باتیں انہوں نے کتاب الٰہی، احادیث نبوی، اخبار صحابہ، آثار تابعین کے نصوص سے اخذ کی تھیں۔

امام احمد کا خط مسدد بن مسرہد کے نام

جب اعتقادی فرقوں کا شور و ہنگامہ زیادہ بڑھا اور ان کے زعما نے سادہ لوح مسلمانوں کے ایمان وعقیدے میں فساد پیدا کرنا شروع کیا، خوارج، روافض، قدریہ، جبریہ، معتزلہ، مرجئہ کی ریشہ دوانیاں بڑھیں اور انہوں نے اسلامی عقائد و افکار میں موشگافیوں کا بازار گرم کیا، اور صراط مستقیم سے بھٹک گئے، تو اس دور میں امام ابوالحسن مسدد بن مسرہد بن مسربل اسدی بصری متوفی ۲۲۸ھ نے امام احمد بن حنبل کے پاس لکھا، کہ آپ ان اختلافات

میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت لکھ کر روانہ کریں، جس وقت امام صاحب کے پاس یہ خط پہنچا، آپ نے رو کر فرمایا، انا للہ وانا الیہ راجعون اس بصری عالم نے طلب علم میں مال و دولت خرچ کیا ہے، لیکن اس کے علم کا یہ حال کہ ان مسائل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت بھی حاصل نہ کر سکا پھر یہ خط جواباً تحریر فرمایا:

بسم الله الرحمن الرحيم الحمد لله الذى جعل فى كل زمان بقايا من اهل العلم يدعون من ضل الى الهدى وينهون عن الردى يحيون بكتاب الله الموتى وبسنة النبى اهل الجهالة والردى فكم من قتيل لابليس قد احيوه وكم من ضال تائه قد هدوه فما احسن اثرهم على الناس ينفون عن دين الله تحريف الغالين وانتحال المبطلين الذين عقدوا الوية البدع واطلقوا اعنة الفتنة مختلفين فى الكتاب يقولون على الله وفى الله تعالىٰ الله عما يقول الظالمون علوا كبيرا وفى كتابه بغير علم فنعوذ بالله من كل فتنة مضلة وصلى الله على محمد النبى واله وسلم تسليما اما بعد! وفقنا الله واياكم لكل مافيه رضاه وجنبنا واياكم كل مافيه سخطه واستعملنا و اياكم عمل الخاشعين له العارفين به فانه المسئول ذلك واوصيكم ونفسى بتقوىٰ الله العظيم ولزوم السنة والجماعة فقد علمتم ماحل بمن خالفها وماجاء فيمن اتبعها فانه بلغنا عن النبى صلى الله عليه وسلم انه قال "ان الله ليدخل العبد الجنة بالسنة يتمسك بها" وامركم ان لا تؤثروا على القرآن شيا فانه كلام الله وماتكلم الله به فليس مخلوق وما اخبربه عن القرون الماضية فغير مخلوق وما فى

اللوح المحفوظ فغير مخلوق ومن قال مخلوق فهو كافر بالله ومن لم يكفرهم فهو كافر ثم من بعد كتاب الله سنة النبى صلى الله عليه وسلم والحديث عنه وعن المهديين من صحابة النبى والتابعين من بعدهم والتصديق بما جاء ت به الرسل واتباع السنة نجاة وهى التى نقلها اهل العلم كابرا عن كابر واحذروا راى جهم فانه صاحب راى وخصومات ۔

واما الجهمية فقد اجمع من ادركنا من اهل العلم انهم قالوا افترقت الجهمية على ثلاث فرق فقال بعضهم القرآن كلام الله وهو مخلوق وقال بعضهم القرآن كلام الله وسكت وهم الواقفة وقال بعضهم الفاظنا بالقرآن مخلوقة فهؤلاء كلهم جهمية واجمعوا على ان من كان هذا قوله فحكمه ان لم يتب من تحل ذبيحته ولاتجوز قضاياه والايمان قول وعمل يزيد وينقص زيادته اذا احسنت ونقصانه اذا اسأت ويخرج الرجل من الايمان الى الاسلام فان تاب رجع الى الايمان ولا يخرج من الاسلام الا الشرك بالله العظيم او يرد فريضة من فرائض الله جاحدا لها فان تركها تهاونا بها وكسلا كان فى مشيئة الله ان شاء عذبه وان شاء عفا عنه ۔

واما المعتزلة فقد اجمع من ادركنا من اهل العلم انهم يكفرون بالذنب فمن كان منهم كذلك فقد زعم ان آدم كافر وان اخوة يوسف حين كذبوا اباهم كفار ۔

واجمعت المعتزلة ان من سرق حبة (فهو) فى النار تبين

منه امراته ويستانف الحج ان كان حج ۔
فهؤلاء الذين يقولون هذه المقالة كفار وحكمهم ان لايكلموا ولاتوكل ذبائحهم حتى يتوبوا ۔
واما الرافضة فقد اجمع من ادركنا من اهل العلم انهم قالوا ان عليا افضل من ابى بكر (وان اسلام على اقدم من اسلام ابى بكر فمن زعم ان عليا افضل من ابى)فقد رده الكتاب والسنة لقوله عز وجل (محمد رسول الله والذين معه) فقدم ابابكر بعد النبى ولم يقدم عليا وقال لوكنت متخذاً خليلاً لا تخذت ابا بكر خليلاً ولكن الله قد اتخذ صاحبكم خليلا يعنى نفسه ومن زعم ان اسلام على كان اقدم من اسلام ابى بكر فقد اخطأ لانه اسلم ابوبكر وهو يومئذ ابن خمس وثلاثين سنة وعلى يومئذ ابن سبع سنين لم تجر عليه الاحكام والحدود والفرائض ۔
ويومن بالقضاء والقدر خيره وشره وحلوه ومره من الله وان الله خلق الجنة قبل خلق الخلق وخلق للجنة اهلا ونعيمها دائم فمن زعم انه يبيد من الجنة (شئ)فهو كافر وخلق النار وخلق للنار اهلا وعذابها دائم و(ان الله) يخرج قوما من النار بشفاعة رسول الله وان اهل الجنة يرون ربهم بابصارهم لامحالة وان الله كلم موسىٰ تكليما واتخذ ابراهيم خليلا والميزان حق والصراط حق والانبياء حق وعيسىٰ بن مريم عبدالله ورسوله والايمان بالحوض والشفاعة والايمان بالعرش والكرسى والايمان بملك الموت انه يقبض الارواح ثم ترد الارواح الى

الاجساد ویسألون عن الایمان والتوحید والرسل والایمان بالنفخ فی الصور والصور قرن ینفخ فیه اسرافیل وان القبر الذی هو بالمدینة قبر النبی محمد صلی الله علیه وسلم معه ابوبکر وعمر وقلوب العباد بین اصبعین من اصابع الله والدجال خارج فی هذه الامة لامحالة وینزل عیسی بن مریم الی الارض فیقتله بباب لد۔

ومانکرته العلماء من اهل السنه فهو منکر واحذروا البدع کلها ولا عین تطرف بعد النبی افضل من ابی بکر ولا بعد ابی بکر عین تطرف افضل من عمر ولا بعد عمر عین تطرف افضل من عثمان ۔

قال احمد کنا نقول ابوبکر و عمر وعثمان ونسکت عن علی حین صح لنا حدیث ابن عمر بالتفضیل قال احمد هم والله لخلفاء الراشدون المهدیون ۔

وان نشهد للعشرة انهم فی الجنة ابوبکر وعمر وعثمان وعلی وطلحة والزبیر وسعد وسعید وعبدالرحمن بن عوف وابوعبیدة بن الجراح فمن شهد له النبی صلی الله علیه وسلم شهدنا له بالجنة ورفع الدین فی الصلاة زیادة فی الحسنات والجهر بآمین عند قول الامام ولاالضالین والدعاء لائمة المسلمین بالصلاح ولایخرج علیهم بالسیف ولایقاتل فی الفتنة ولایتالیّ علی احد من المسلمین ان یقول فلان فی الجنة وفلان فی النار الا العشرة الذین شهد لهم النبی صلی الله علیه وسلم بالجنة

وصفوا الله بما وصف به نفسه وانفوا عن الله مانفاه عن
نفسه واحذروا الجدال مع اصحاب الاهواء والكف عن
مساوئ اصحاب النبى صلى الله عليه وسلم والتحدث
بفضائلهم والامساك عما شجر بينهم ولاتشاور اهل البدع
فى دينك (ولاترافقهم) فى سفرك ولانكاح الا بولى
وخاطب وشاهدى عدل والمتعة حرام الى يوم القيامة
والصلوة خلف كل بر فاجر صلاة الجمعة وصلاة العيدين
والصلاة على من مات من اهل القبلة وحسابهم على الله
والخروج مع كل امام خرج فى غزوة اوحجة والتكبير
للجنازة اربع فان كبر الامام خمسا فكبر معه كفعل على
ابن ابى طالب قال عبدالله بن مسعود كبر ماكبر امامك قال
احمد خالفنى الشافعى فقال ان زاد على اربع تكبيرات
تعاد الصلاة واحتج على بحديث رسول الله صلى الله عليه
وسلم انه صلى على جنازة فكبر اربعا والمسح على
الخفين للمسافر ثلاثة ايام ولياليهن وللمقيم يوما وليلة
وصلاة الليل والنهار مثنى مثنى ولاصلاة قبل العيد واذا
دخلت المسجد فلا تجلس حتى تصلى ركعتين تحية
المسجد والوتر ركعة والاقامة فردا ۔

احب اهل السنة على ما كان منهم اماتنا الله واياكم على
الاسلام والسنة ورزقنا واياكم العلم ووفقنا واياكم لما
يحب ويرضىٰ ۔ (مناقب لابن الجوزى ص ۲۱۶ تا ۲۲۲)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم! سب تعریف اللہ تعالیٰ کے لیے ہے، جس نے ہر زمانہ میں
بقایا اہل علم کو باقی رکھا، جو گمراہوں کو ہدایت کی دعوت دیتے ہیں، ہلاکت سے روکتے

ہیں، کتاب اللہ کے ذریعے مردوں کو زندہ کرتے ہیں، نبی کی سنت کے ذریعے ان کو بچاتے ہیں، انہوں نے کتنے ہی مقتولان ابلیس کو زندگی بخشی، کتنے ہی گمراہوں کی ہدایت کی اوران کی جدوجہد کا نتیجہ مسلمانوں کے حق میں بہت ہی اچھا نکلا، ان لوگوں نے اللہ کے دین سے تحریف غالین اور انتحال مبطلین کو دفع کیا، جو بدعات میں مبتلا تھے، اور فتنوں کو عام کر دیا تھا، کتاب اللہ کے بارے میں گروہ در گروہ ہو گئے تھے، اللہ تعالیٰ پر بہتان باندھا اوراس کے بارے میں طرح طرح کے خیالات پیدا کیے، کتاب اللہ میں بغیر علم کے کلام کیا، ہم گمراہ کن فتنہ سے اللہ کی پناہ مانگتے ہیں، اللہ تعالیٰ اپنے نبی ورسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام ورحمت نازل فرمائے۔

امابعد! اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنی رضا کی توفیق دے اور اپنے غضب سے محفوظ رکھے، اور ہم سب کو اپنے ڈرنے والوں کی راہ پر چلائے جو اس کی معرفت رکھتے ہیں، میں آپ کو اور خود اپنے کو تقوی، سنت رسول، اور جماعت مسلمین سے لزوم کی وصیت کرتا ہوں، آپ کو ان کی مخالفت کرنے والوں کا بدانجام اوران کے مطابق عمل کرنے والوں کا نیک انجام معلوم ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہم تک پہنچا ہے۔

اللہ اپنے بندے کو ایک سنت پر سختی سے عمل کرنے پر جنت میں داخل کرتا ہے، میں آپ لوگوں کو حکم دیتا ہوں، کہ قرآن پر کسی کو ترجیح نہ دیں، قرآن کلام اللہ ہے، جس چیز کے ذریعہ اللہ نے کلام کیا ہے، وہ مخلوق نہیں ہے، جن الفاظ کے ذریعہ قرون ماضیہ کی خبر دی ہے، وہ بھی غیر مخلوق ہیں، لوح محفوظ میں جو کچھ ہے، وہ بھی غیر مخلوق ہے، جو شخص اسے مخلوق کہے کافر ہے، اور جو ایسے لوگوں کی تکفیر نہ کرے وہ بھی کافر ہے۔

کتاب اللہ کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت، احادیث نبویہ، صحابہ وتابعین کے اقوال وآرا کا درجہ ہے، انبیا ورسل کے بیانات کی تصدیق اور اتباع سنت میں سراسر نجات ہے، یہ باتیں اہل علم کے اونچے طبقہ سے نقل ہوتی چلی آئی ہیں۔

جہم بن صفوان کے خیالات سے بچتے رہو، کیوں کہ وہ دین میں رخنہ انداز ہیں،

فرقہ جہمیہ ہمارے علما کے بیان کے مطابق تین گروہ پر مشتمل ہے، ایک گروہ کہتا ہے، کہ قرآن کریم کلام اللہ ہے اور مخلوق ہے، دوسرا گروہ کہتا ہے، کہ قرآن کلام اللہ ہے اور مخلوق غیر مخلوق ہونے کے بارے میں خاموش ہے، یہ واقفیہ ہے، اور تیسرا گروہ کہتا ہے، کہ قرآن پڑھنے میں جو ہمارے الفاظ ہیں، وہ مخلوق ہیں، یہ تمام کے تمام جہمیہ ہیں اور علما کا اتفاق ہے، کہ جس کا یہ قول ہے، اگر وہ اپنے اس قول سے توبہ نہ کرے تو اس کے ہاتھ کا ذبیحہ حلال نہیں ہے اور نہ اس کے فیصلے قابل قبول ہیں۔

ایمان قول وعمل کا مجموعہ ہے، اس میں کمی زیادتی ہوتی ہے، تم نیک کام کرو گے تو ایمان میں زیادتی ہوگی اور برے کام کرو گے تو کمی ہوگی، یہ ہوسکتا ہے، کہ آدمی ایمان سے خارج ہوکر اسلام میں داخل ہوجائے، اگر توبہ کرلے گا تو پھر ایمان میں داخل ہوجائے گا اور اسلام سے سوائے شرک کے کوئی چیز نکال نہیں سکتی، یا فرائض خداوندی میں سے کسی فریضہ کا منکر ہو تو وہ کافر ہوگا اور اگر کوئی شخص فریضہ سستی اور کاہلی سے ترک کرتا ہے، تو اس کا معاملہ مشیت خداوندی کے حوالہ ہے، اگر وہ چاہے تو عذاب دے اور اگر چاہے تو معاف کردے۔

معتزلہ کے بارے میں ہمارے علما متفق ہیں، کہ وہ گناہ سے تکفیر کے قائل ہیں، پس معتزلہ میں سے جو اس اعتقاد پر ہوگا اس کو گمان ہوگا، کہ حضرت آدمؑ نے گناہ کا ارتکاب کرکے کفر کیا اور حضرت یوسف کے بھائیوں نے جب اپنے باپ کے سامنے جھوٹ کہا، تو انہوں نے کفر کیا، معتزلہ اس عقیدہ پر متفق ہیں، کہ جو شخص ایک حبہ بھی چوری کرے گا، وہ جہنمی ہوگا، اس کی بیوی اس سے جدا ہوجائے گی، اور اگر اس نے پہلے حج کیا ہے، تو اس کو دہرائے گا، اس قسم کی باتیں کہنے والے مرتکب کفر ہیں، ان کے بارے میں حکم ہے، کہ نہ ان سے سلام وکلام کیا جائے نہ ان کے ہاتھ کا ذبیحہ کھایا جائے یہاں تک کہ وہ اپنے عقائد سے توبہ کرلیں۔

روافض کے متعلق ہمارے علما متفق ہیں، کہ ان کا عقیدہ ہے، کہ حضرت

علی، حضرت ابو بکر اور حضرت عمر سے افضل ہیں، اور حضرت علی کا اسلام حضرت ابو بکر کے اسلام سے پہلے تھا، جو شخص اس کا قائل ہے، وہ کتاب وسنت کا کھلے طور پر رد کررہا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت ابو بکر کو مقدم کیا ہے، نہ کہ حضرت علی کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں، اگر میں کسی کو دوست بناتا تو ابو بکر کو بناتا، لیکن اللہ نے مجھے اپنا دوست بنالیا۔

جو شخص سمجھتا ہے، کہ حضرت علی کا اسلام حضرت ابو بکر سے پہلے تھا، وہ غلطی پر ہے، چوں کہ حضرت ابو بکر کے اسلام لانے کے وقت ان کی عمر پینتیس سال تھی اور حضرت علی اس وقت سات سال کے بچے تھے، ان پر اسلامی احکام شرعی حدود اور دینی فرائض جاری نہیں ہوئے تھے۔

مسلمان کے لیے ضروری ہے، کہ قضا وقدر کے خیر وشر پر ایمان لائے اور اعتقاد رکھے، کہ قضا وقدر کی ہر گوار ونا گوار بات اللہ کی طرف سے ہے، اللہ تعالیٰ نے مخلوقات کی پیدائش سے پہلے جنت کو پیدا کیا، اور اس کے مستحقین کی بھی تخلیق کی، اس کی نعمتیں دائمی ہیں، جس کا خیال ہے، کہ جنت کا کچھ حصہ ضائع ہوجائے گا وہ کافر ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ نے جہنم اور اس کے مستحقین کو پیدا کیا، اس کا عذاب بھی دائمی ہے، لوگ جہنم سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کے ذریعہ نکلیں گے اعتقاد رکھنا چاہیے، کہ اللہ تعالیٰ کا دیدار ہوگا اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ سے کلام کیا اور حضرت ابراہیم کو اپنا خلیل بنایا۔

میزان برحق ہے، صراط برحق ہے، انبیا برحق ہیں، حضرت عیسیٰ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں، حوض، شفاعت، عرش، کرسی پر ایمان رکھنا چاہیے، اور اس بات پر ایمان کہ ملک الموت ارواح کو قبض کرتا ہے، پھر ان کو جسموں کی طرف لوٹا دیا جاتا ہے، اور ان سے ایمان، توحید اور رسول کے بارے میں سوال کیا جاتا ہے، نفخ صور پر ایمان رکھے، جسے حضرت اسرافیل پھونکیں گے اور اس پر بھی ایمان رکھے، کہ مدینہ منورہ میں جو

قبر ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر ہے، اور آپ کے ساتھ ابو بکر اور عمر ہیں، اعتقاد رکھے، کہ بندوں کے دل اللہ کی دو انگلیوں کے درمیان ہیں، دجال کا خروج امت محمدیہ میں ہوگا، اور حضرت عیسیٰ آکر باب لد پر اس کو قتل کریں گے، علمائے اہل سنت نے جس بات کا انکار کیا ہے، وہ منکر ہے، تمام بدعات سے پرہیز کرو۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت ابو بکر سے افضل امت میں کوئی نہیں ہے، اس کے بعد حضرت عمر سے افضل کوئی نہیں ہے، اور حضرت عمر کے بعد حضرت عثمان سے افضل کوئی نہیں ہے، خلفائے ثلاثہ کے بارے میں ہمارا یہی قول ہے، اور حضرت علی کے بارے میں ہم خاموش ہیں، تفضیل کے بارے میں ہمارے نزدیک عبداللہ بن عمر کی حدیث صحیح ہے، یہ چاروں خلفائے راشدین مہدیین ہیں، عشرہ مبشرہ کے بارے میں ہم شہادت دیتے ہیں، کہ وہ جنتی ہیں، ان کے نام یہ ہیں، ابو بکر، عمر، عثمان، علی، طلحہ، زبیر، سعد، سعید، عبدالرحمٰن بن عوف، ابو عبیدہ بن جراح۔ رضی اللہ عنہم اجمعین۔ جن جن لوگوں کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنتی ہونے کی بشارت دی ہے، ہم ان کے جنتی ہونے کے قائل ہیں۔

ہمارے نزدیک نماز میں رفع یدین کرنا اور آمین کہنا حسنات میں زیادتی کا باعث ہے، مسلمان امراو قائدین کے لیے خیر وصلاح کی دعا کی جائے ان پر تلوار سے حملہ نہ کیا جائے باہمی فتنہ اور نزاع میں ان سے جنگ نہ کی جائے، کسی مسلمان کو اس بات کے کہنے پر مجبور نہ کیا جائے کہ فلاں فلاں شخص جنتی ہیں، البتہ عشرہ مبشرہ کے بارے میں یہ کہا جاسکتا ہے، جن کے جنتی ہونے کی بشارت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دی ہے۔

اللہ تعالیٰ کے وہی اوصاف بیان کرو، جن کو اس نے اپنے لیے بیان فرمایا ہے، اور جن باتوں کی اللہ تعالیٰ نے اپنے بارے میں نفی کی ہے، تم بھی ان باتوں کی نفی کرو، اہل ہوا اور گمراہوں کے ساتھ بحث وتکرار سے بچتے رہو، صحابہ کرام کے معائب بیان کرنے سے رکو اور ان کے فضائل بیان کرو، ان کے باہمی مشاجرات میں خاموش رہو، اہل بدعت سے

دینی امور میں مشورہ نہ لو، اور نہ ان کے ساتھ سفر کرو، نکاح کے لیے ولی، خطبہ خواں اور دو عادل گواہ کی ضرورت ہے، متعہ قیامت تک کے لیے حرام ہے، ہر نیک و بد کے پیچھے نماز پڑھ لو خواہ نماز جمعہ ہو یا نماز عیدین، اہل قبلہ میں سے جو شخص مر جائے، اس کی نماز جنازہ پڑھ دو، اس کا معاملہ اللہ پر ہے، ہر امام و امیر کی اطاعت میں اس کے ساتھ، جہاد اور حج کے لیے نکلنا چاہیے، تکبیرات جنازہ چار ہیں، اگر امام پانچ تکبیر کہے تو تم بھی علی بن ابی طالب کی طرح پانچ تکبیر کہو، حضرت عبداللہ بن مسعود کا قول ہے، کہ نماز جنازہ میں امام جتنی تکبیر کہے، تم بھی کہو، لیکن شافعی نے اس مسئلہ میں مجھ سے اختلاف کیا ہے اور کہتے ہیں کہ چار تکبیر سے زائد ہو تو نماز کا اعادہ کرے، انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث بطور سند میرے سامنے پیش کی، جس میں ہے، کہ آپ نے نماز جنازہ میں چار تکبیریں کہی ہیں۔

خفین کا مسح مسافر کے لیے تین دن تین رات ہے، اور مقیم کے لیے ایک دن ایک رات ہے، اور رات دن کی نفل نماز میں دو دو رکعت ہے نماز عید سے پہلے کوئی نماز نہیں ہے، جب مسجد میں داخل ہو، تو بیٹھنے سے پہلے دو رکعت تحیۃ المسجد پڑھ لو، وتر ایک رکعت ہے، اقامت کہنا ضروری ہے، میں اہل ہوا کے مقابلہ میں بہر حال اہل سنت کو اچھا سمجھتا ہوں چاہے ان میں کوئی عیب ہو اللہ تعالیٰ ہم کو آپ کو اسلام اور سنت پر موت دے، اور ہم کو اور تم کو علم عطا فرمائے اور اپنی مرضی پر چلنے کی توفیق دے۔

شیخ الاسلام ہروی کو جب ارباب بدعت و تعطیل نے جلاوطن کیا تو تمام کتابیں گھر پر چھوڑ دیں، صرف اس مکتوب کو توشہ سعادت سمجھ کر اپنے ساتھ لے لیا، حافظ ابن مندہ کا قول ہے، کہ جس شخص نے اس وصیت کو پڑھا اور عمل کیا وہ ان عبادی لیس لک علیہم سلطان کا ٹھیک ٹھیک مصداق ٹھہرا۔

رضی اللہ عنہم